

اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ

اللہ جس کو چاہے چن لیتا ہے اور جو رجوع کرے اُس کو سہولت دیتا ہے

رَاحَةُ الْقُلُوبِ

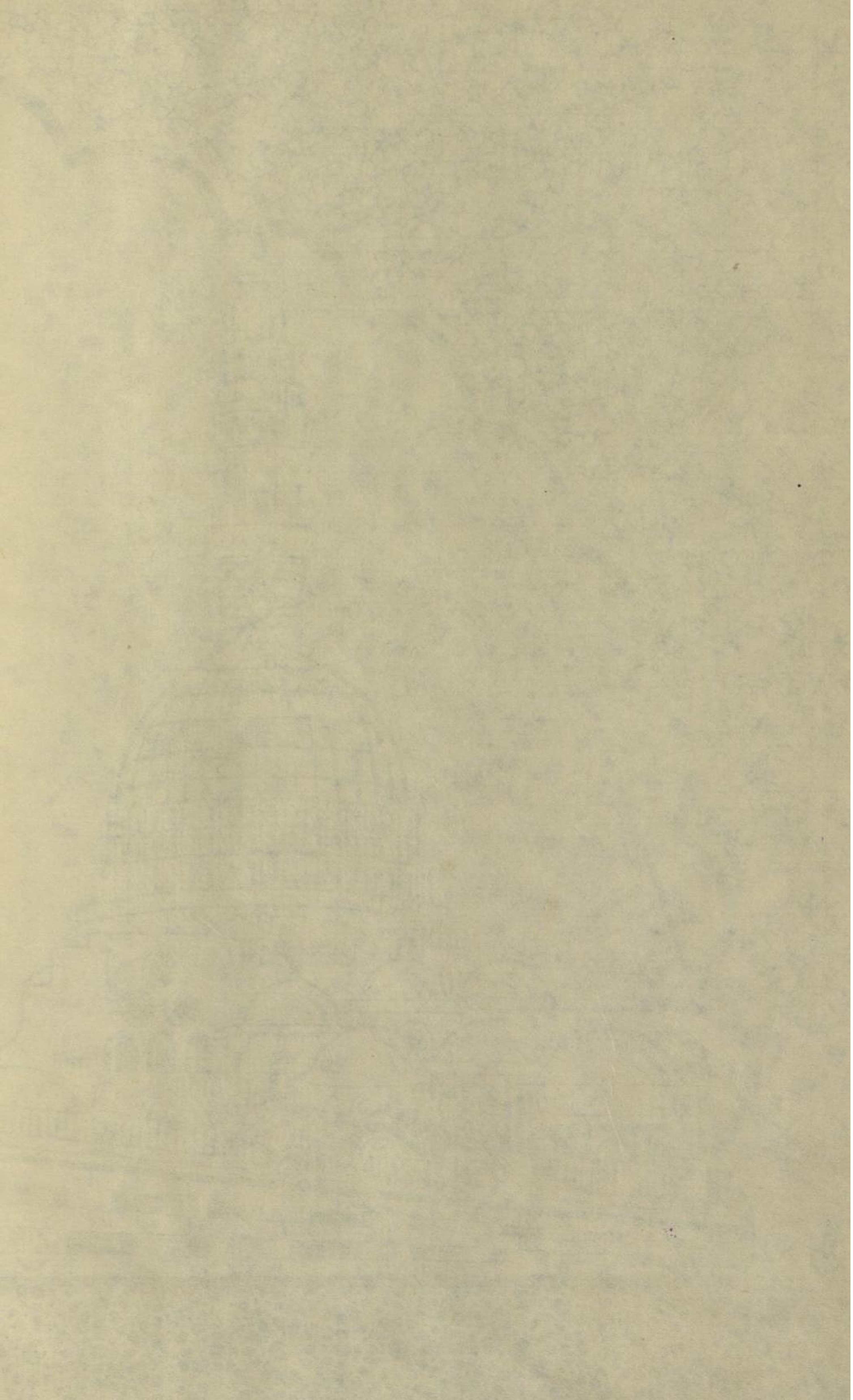
حَذَرُ الْقُلُوبِ
ذِيَارِ الْمَحْبُوبِ (اُردو)

تاریخ مدنیہ

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ☆

ناشر

پبلیشنگ کمپنی بند روڈ کراچی



اللَّهُ مَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ
اللہ جس کو چاہے چن لیتا ہے اور جو رجوع کرے اُس کو رسانی دیتا ہے

رَاحَةُ الْقُلُوبِ جَدْبُ الْقُلُوبِ

دِيَارِ الْمَحْبُوبِ إِلَى (اُرْدُو)

نارنج مدینہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

مترجم

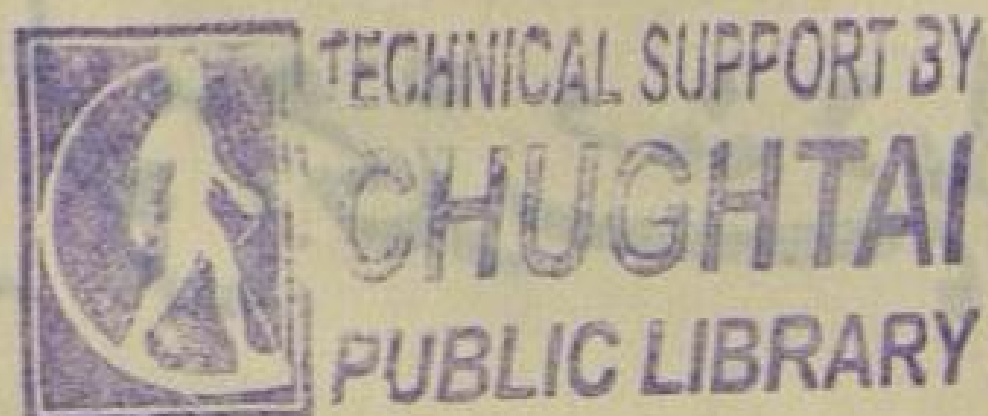
سید حکیم عرفان علی پبلی بھیت

Rs 15.00

ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی بند روڈ، کراچی

طالع غلام

کتاب خانہ حاجی مشتاق احمد پور پبلشرز





مَحْمَدٌ وَصَلَّى عَلَى سِرِّهِ الْكَرِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ وَعَلَىٰ أَكْمَلِ عِبَادِ اللَّهِ
مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَىٰ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ تَبَدُّدًا أَرْبَابُ الْكَرِيمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
وَسَلَّمَ وَرَضِيَ عَنْهُمْ وَارْضَىٰ ۝

دعا	ہستی ہے تیری رنگ بوسب کے لئے ہیں تیرے سوا سائے سہائے کمزور	طاعت میں ہے تیری آبر و سب کے لئے سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے
-----	---	--

بندہ ناچیز حکیم عرفان علی حنفی بن حاجی محمد امجد علی بریلوی عرض کرتا ہے کہ کسی کتاب کے ترجمہ کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اس کو وہی سمجھتا ہے جس کو اس کا اتفاق پیش آیا ہو۔ بہت سے مواقع ایسے نظر آتے ہیں کہ قلم کی روانی کو روک دیتے ہیں۔ ایسے اہم کام کے لئے احباب اور بزرگوں نے مجھ جیسے عظیم فرصت نااہل کو مجبور کیا اور وہ بھی ایسے وقت کہ دل و دماغ ضعیف ہو چکے ہوں اپنے مشاغل اور بیماروں کی خدمت سے تھوڑی سی فرصت ملنی بھی دشوار ہوتا ہم اپنے بزرگوں کا حکم منظور ہی کرنا پڑا اور ایسے دشوار کام کو اپنے سر لے لیا اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری فرمائیں۔

تعالیٰ اللہ ذاتِ مصطفیٰ کا حُسنِ لاثانی دعائے یونسی خُلقِ خلیلی، صبرِ الہی بہارِ آئی ہوئی آراستہ پھر بزمِ امکانی کہاں کا دشتِ یمن، طور کیا، برقِ تجلی کیا محمد وہ کتاب کون کا طغرائے پیشانی	کہ یکجا جمع ہیں جس میں تمام اوصافِ امکانی جلالِ موسوی، زہدِ مسیحی، حسنِ کنعانی ہوا گلزارِ عالم پھر جوابِ باغِ رضوانی یہ سب کچھ تھی جمالِ مصطفیٰ کی پرتو افشانی محمد وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبنمِ ثانی
---	---

وہ فاتح جس کا پرچم اطلس زنگاری گردوں	وہ اُمّی جس کے آگے عقل کل ہے طفل بنانی
وہ شاہ پوریامسند سکھایا جس نے دنیا کو	یہ انداز جہانگیری یہ آئین جہاں بانی
خدا جانے خود اس سرکار کا کیا مرتبہ ہو گا	غلام بارگہ جس کے کہیں مآء عظم شکاری

تیرہ سو سال سے زیادہ زمانہ گزرا کہ اللہ جل شانہ نے ظلمت کدہ عالم کو منور کر دینے والا وہ پیغمبر عربی دنیا میں بھیجا کہ جس کے ہاتھ میں سیادت رسل کا جھنڈا اور سبر اقدس پر خاتم الانبیاء کا تاج تھا اس سے پہلے کہ وہ عالم قدس کا بادشاہ سرریا لائے نرم ناسوت ہو اس کی آمد آمد کے طبل و دہل سے دشت و جبل گونج رہے تھے۔ وہ کمالات و محاسن کا آفتاب فاران کی چوٹی سے طلوع ہوا اور اپنی آتشین شریعت سے سرد قلوب کو گرما گیا۔ قحط کی سولہی ہوئی زمین اس کے قدموں کی برکت سے سرسبز و شاداب ہو گئی وہ مٹی کی مورتوں پر جان فدا کرنے والے اور اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے پتھر کی صورتوں کو خدا سمجھنے والے دفعتاً محبوب خدا کی مقناطیسی کشش کی طرف دوڑے اور ایسے موحد بنے کہ شرک کا وجود ہی ان کو شاق گزرنے لگا۔

اللہ اللہ ایک ایسا وقت بھی تھا کہ جب حضور نے توحید کا اعلان کیا تو بچے سے لے کر بوڑھے تک غصہ اور دشمنی کی نظر سے آپ کی جانب دیکھنے تھے یا ایک وہ وقت آیا کہ زن و مرد امیر و غریب جوان اور بوڑھے آپ کی ہر سیراد پر جانیں نثار کرنے کو آمادہ نظر آنے لگے۔ اب کیا تھا آپ کی رسالت و وحدانیت خداوندی کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجنے لگا آپ کی حیات طیبہ اور آپ کے مسکن کے حالات بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے زمانے میں لکھے اور بڑے بڑے علمائے اپنی امکانی کوشش پر قلبیں اٹھائیں لیکن آپ کے اوصاف کما حقہ ظاہر کرنا بشری طاقت سے باہر تھا۔ تاہم ایک کتاب جاذب القلوب الی دیدار المحبوب فارسی زبان میں میری نظر سے گزری نہایت خوب ہے سچے حالات اور پاکیزہ خیالات اس کے اندر موجود ہیں اور کیوں نہ ہوں تصنیف بھی تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ میں نے اس کا ترجمہ ۱۹۳۲ء میں اس لئے شروع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا ذریعہ نجات اسی کو بنا دے۔ اب یہ ترجمہ راحت القلوب کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ خاکسار۔

عرفان علی

لا حول ولا قوۃ الا باللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبدالحق بن سیف الدین ترک دہلوی بخاری بعد حمد و صلوٰۃ کے فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں علمائے سیر و تواریح نے اس بلدۂ ابراہیم کی خیر میں بڑی بڑی کتابیں اور دفتر لکھے ہیں۔ منجملہ مختلف تالیفات کے مشہور تر اور میرے نزدیک عمدہ ترین تالیخ و فاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ ہے اس کے مؤلف یکتا علمائے اعلام عالم مدنیہ خیر الانام نور الدین علی بن شریف عقیف الدین بن عبد اللہ بن احمد الحیثی السہمنودی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ میری دعا ہے کہ خدائے پاک جنت میں ان کا جائے قرار فرمائیں۔ آمین۔ ۲۹ ذی قعدہ ۱۱۹۷ھ جمعرات کے دن صبح کے وقت ان کا انتقال ہوا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے نزدیک یقع میں دفن کئے گئے۔ کتاب دفاء الوفا ایک ایسی کتاب ہے جس میں مدنیہ منورہ کے جملہ حالات، لطائف و حواشی اور احادیث و آثار، متعدد روایتیں اور مختلف اقوال جمع کر دیئے ہیں گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے لیکن اصل کتاب ایک خاص قضیہ کے سبب سے مسجد شریف میں جل گئی اور اس کا خلاصہ ایک دوسری کتاب جس کا نام افتقار الوفا ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کی قیہیں تمام ہوں ۱۱۹۷ھ میں مختصر کر کے جمع کیا۔ اس کے بعد کتاب دفاء الوفا کا مئی ۸۹۳ھ میں ایک دوسرا مختصر انتخاب کیا گیا اس کا نام خلاصۃ الوفا باخبار دارالمصطفیٰ رکھا گیا۔ اور یہی خلاصہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس محفوظ اور مشہور ہے۔ اور مجھے یہ منظور ہے کہ کتاب دفاء الوفا کی نقل کروں اس لئے گزارش ہے کہ اگر کتاب خلاصۃ الوفا کی بعض روایات میں کچھ مخالفت ظاہر ہو اور دور نہ ہو تو آپ لوگوں کو باور کر دینا چاہتا ہوں کہ سید سہمنودی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دوسرا رسالہ بھی ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ واقعات آتش زدگی اور مسجد شریف کے گر جانے کے بعد جبکہ لوگوں نے اس عمارت شریف کی تجدید میں تاخیر کی ہے اس کو مشرح تحریر فرمایا ہے۔ نیز مسئلہ حیات انبیاء کو بالتفصیل کامل طور پر تحقیق کیا ہے چنانچہ اس رسالہ سے بھی اس کے مناسب موقع پر اس کتاب میں نقل کیا گیا ہے۔ اور اتفاقاً بعض تواریح اور دوسری کتابوں سے بھی انتخاب کر لیا ہے تاہم یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس کی رفتار اس کے اشارہ کے بغیر پوری نہ سمجھی جائے گی الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کتاب کے مسودہ کی ابتدا ۹۹۸ ہجری میں مدینہ منورہ کے اندر ہوئی اور اختتام
 ستلہ میں دہلی میں ہوا ہے۔ اس کتاب کا اصل نام جذب القلوب الی دیار المحبوب ہے
 جو شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے اور مجھے یہ کتاب دل سے مرغوب ہے
 اس کو سترہ ابواب میں تقسیم فرمایا ہے۔ اول میں نام اس شہر عظیم الشان زاد اللہ تعظیماً وتشریفاً
 کے۔ دوسرا اس کے فضائل و محامد جس کا ذکر احادیث اور آثار سے ثابت ہے۔ تیسرا وہ
 خبریں جو زمانہ قدیم سے اس بقعہ کرامت نشان کی بابت ہیں۔ چوتھا ان اسباب کا بیان جنہوں
 نے حضور کو اس شہر میں تشریف لے جانے پر آمادہ کیا تھا۔ پانچواں سید المرسلین خاتم النبیین کا
 مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمانا۔ چھٹا عمارت مسجد شریف بنوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت
 اور وہاں کے تمام مقامات شریفہ کے حالات ساواں ان تغیرات اور زیادتیوں کا بیان
 جو مسجد شریف میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئیں آٹھواں فضائل مسجد
 شریف اور روضہ مطیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر لواں۔ عمارت میں مسجد قبا کے اور
 تمام مساجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان دسواں ان آثار متبرکہ کا ذکر جو بشرف حضور فالض النور
 کے مشہور ہیں۔ گیارھواں بعض ان مقام شریفہ کا بیان جو مکہ اور مدینہ کے درمیان
 واقع اور مشہور ہیں بارھواں بقیع کے مقبرہ شریفہ اور اس کے قبور کے فضائل کا ذکر تیرھواں
 جبل احد کے فضائل اور وہاں کے شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر چودھواں حضرت
 سید الانام کی زیارت کے فضائل اور اس کا ثبوت کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
 اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ پندرھواں حضور کی قبر شریف کی زیارت واجب اور مستحب ہے
 اور آپ کا توسل نیز آنجناب جنت مآب سے مدد چاہنا۔ سولھواں حضرت سید الانام
 کی زیارت کے آداب اور اس مقام عالی میں پھرنے کا پھر وہاں سے اپنے وطن کو لوٹنے کا
 ذکر سترھواں درود کے آداب و فضائل اور اس کے متعلق :-

باب اول

مدینہ منورہ کے مختلف نام اور اس کے لقب اللہ تعالیٰ
اس کی شرافت اور تعظیم میں اضافہ فرمائے

ناموں کی کثرت ہی ظاہر کر رہی ہے کہ اس شہر شریف کی کتنی عظمت ہے اسماء الہی عثمانہ
اور القاب حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جس کے نام
زیادہ ہیں اس کی رفعت و عظمت بھی زیادہ ہے۔ خاص کر ایسے وقت میں کہ ایک نام مشتق ہو۔
ایک ماخذ شریف سے اور اس بات کی خبر دیتا ہو کہ اس سے ایک صفت عظیم پیدا ہوتی ہے۔
روئے زمین کا کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جس کے نام اس درجہ کثرت کو پہنچے ہوں جیسے کہ
مدینہ پاک کے نام ہیں۔ بعض علماء نے کوشش کر کے تقریباً ایک سو اور بعض نے کم و زیادہ اس حد
جمع کئے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں صرف وہ نام لکھے جائیں گے جن کی دلالت اس مکان کی شرافت
اور کرامت پر اظہار من الشمس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت کو شامل حال کرتے ہوئے میں
عرض کرتا ہوں کہ جو نام سید کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ اور محبوب ہے
وہ طابہ اور طیبہ اور طیبہ تشدید کے ساتھ اور طایبہ ہے بلکہ تمام مشتقات اس مادہ سے
ملاحظہ تعظیم اور انتہائے ادب کا خصوصیت کو چاہتا ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ اس مقام پر کسی
دلالت کا پایا جانا جواز پر وسعت اور عمومیت کی گنجائش رکھتا ہو۔ واللہ اعلم اور ان ناموں کا
بولنا اس کی ظہارت کے سبب سے ہے۔ اس لئے کہ شرک کی نجاست سے یہ سرزمین پاک ہے اور
طباہ سلیم کے موافق ہے نیز اس کی آب و ہوا نہایت پاکیزہ ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ
اس بقعہ شریف کے رہنے والے اس کی مٹی اور اس کے در و دیوار سے ایسی عمدہ خوشبو پاتے ہیں
جس کی مثال میں دنیا کی کوئی خوشبو پیش نہیں کر سکتے۔ یہاں کے ساکنان کے سوا اور صادقان و
محبان مشتاق کے شاہدہ ذوق میں بھی تھوڑی خوشبو پہنچتی ہے۔ چنانچہ ابی عبد اللہ

عطار نے کہا ہے۔ شعر

بَطِيبِ رَسُولِ اللَّهِ طَابَ نَسِيمُهَا	فَمَا لِلْمِسْكِ الْكَافُورِ وَالصَّنْدَلِ الْمَرْطَبِ
--	--

ترجمہ شعر۔ بوجہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبودار ہو گئی ہو اس کی پس نہیں ہے۔ ایسی خوشبو مشک اور کافور اور صندل رطب میں شبلی ایک صاف باطن اور اہل دل علماء میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ پاک کی مٹی میں ایک خاص خوشبو ہے۔ جو مشک و عنبر میں نہیں پائی جاتی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ جہاں پر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سالنوں کی ہوا پہنچی ہو وہاں مشک و عنبر کی کیا حقیقت ہے۔ بیت

دراں زمیں کہ نیسے دزد زطرہ دوست	چہ جائے دم زدنِ نافہائے تانا ریت
مترجم جہاں کہیں تری زلفوں کی بو پہنچ جائے	وہاں پہ جائیں عبث نافہائے تاناری

اور نیز تمام دنیا کی خوشبوئیں خالص کہ گل سرخ جو مشہور و معروف ہے اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت کرتے ہیں اس شہر پاک کی مخصوص خوشبو کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ بیت

ز نسیم جاں فراہیت تن مردہ زندہ گردد	ز کدام باغے ہی گل کہ چنیں خوش است بویت
مترجم ہوتا ہے مردہ زندہ خوشبو سے تیری اے گل	وہ باغ کون سا ہے آیا ہے تو جہاں سے

حدیث میں آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ اَمَحَرَنِيْ اَنْ اُسَمِّيَ الْمَدِيْنَةَ طَابَهُ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھوں۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کا نام توریت میں طابہ طیبہ اور طیبہ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص مدینہ پاک کی زمین کو عدم طیب سے نسبت کرے اور اس کی ہوا کو ناخوش کہے وہ واجب التعزیر ہے اس کو قید کیا جائے یہاں تک کہ توبہ صحیح کر لے۔ زمانہ سعادت نشان نبوت سے پہلے مدینہ شریف کو یثرب و اثرب بروزن مسجد کہتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے حکم سے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ یثرب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اولاد کا نام ہے جب ان کی اولاد متفرق شہروں میں آباد ہوئی تو یثرب نے اس سرزمین میں قیام کیا۔ علمائے تاریخ کا اس میں اختلاف ہے کہ یثرب خاص مدینہ پاک کا نام ہے یا اس طرف کا جو اُحد پہاڑ کی غریب جانب میں واقع ہے جس

میں کثرت سے کھجور کے درخت اور چٹے تھے۔ اکثر علمائے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور نیر
اثراب کا لفظ بصیغہ جمع بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

ابن زبالہ جو مورخین مدینہ کے پیشوا مانے جاتے ہیں اور منجملہ اصحاب امام مالک سے ہیں نیز
دوسرے حضرات نے بھی علماء سے روایت کیا ہے کہ مدینہ منورہ کو یثرب نہ کہیں۔ امام بخاری کی تاریخ
میں ایک حدیث آئی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یثرب کہے تو اس کو لازم ہے کہ اس کی تلافی اور
تدارک میں دس مرتبہ مدینہ کہے اور امام احمد اور ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص مدینہ
کو یثرب کہے تو چاہیے کہ جناب باری تعالیٰ میں استغفار کرے اس کا نام طابہ ہے۔
اپنی روایات کے مثل دوسری بھی آئی ہیں لفظ یثرب سے کراہت کی وجہ اس کا مشتق ہونا یثرب
کی وجہ سے ہے جس کے معنی فساد کے ہیں یا یثرب سے جس کے معنی مواخذہ اور عذاب کے ہیں ان
سب باتوں کے علاوہ یثرب ایک کافر کا نام بھی ہے۔ لہذا اس کے نام پر اس مقام شریف کا
نام رکھنا جس کی عزت غبارِ شرک اور کفر سے پاک و بری ہو۔ کسی طرح مناسب نہیں ہے اور
جو کہ قرآن مجید میں آیا ہے **يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مَقَامَ لَكُمْ** بعض منافقوں کی زبان سے ہے کہ
مدینہ منورہ کا نام اس نام سے رکھ کر دادِ لفاق دیتے تھے۔ اور بعض احادیث میں بھی مدینہ منورہ
کا نام یثرب آیا ہے۔ اس کے لئے علماء کہتے ہیں کہ یہ ممانعت سے پیشتر کا ہے واللہ اعلم۔

منجملہ اور ناموں کے اس بقیعہ شریفہ کا نام **ارض اللہ** اور **ارض الہجرت** بھی ہے اور
آيَةُ كَرِيمٍ أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتَهُمَا جُودًا فِيهِمَا ان دونوں ناموں کے
درست ہونے کی دلیل ہے۔ **أَكَالَةَ الْبُلْدَانِ وَأَكَالَةَ الْقُرَى** بھی اس بات کی گواہ
ہے کہ تمام شہروں پر اس کو غلبہ ہے اور اس کے احکام بھی تمام اطرافِ عالم پر غالب ہیں نیز
غلبتیں اور خزانے جو یہاں آتے ہیں اس کے القاب سے ہے اور بعض علمائے اس معنی کو
غلبہ فضیلت اور عظمتِ رتبہ پر محمول کیا ہے۔ یعنی تمام فضیلتیں اس کی عظمت کے مقابلہ میں پتھر
ہیں۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہتے ہیں یہ نام تمام شہروں کے مقابلے میں باعتبار اس کی
اصلیت کے ہے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ اکالۃ القریٰ کی یہ نسبت ام القریٰ زیادہ اچھا ہے
اس لئے کہ اگر اس کو ماں کہا جائے تو چونکہ اس کے ساکنان کو کبھی اضمحلال نہیں ہے۔ اس
لئے ماں ہونے کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ایک نام **ایمان** بھی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید
میں ارشاد باری ہے **وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْأَيْمَانَ**۔ شان میں انصار

اور تشریف میں محبان عالی افتدار کے نازل ہوئی ہے۔ یہ شہر مکرم منظر اور منظر ہے ایمان کے احکام کا اور یہی ایمان کا سرچشمہ ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان کا فرشتہ جو ایمان والوں کے دلوں پر ایمان القا اور الہام کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں مدینہ کا رہنے والا ہوں اور ہرگز اس شہر سے باہر نہ جاؤں گا۔ جب اس بات کو حیا کے فرشتہ نے سنا تو کہنے لگا کہ میں بھی تیرے ساتھ ہوں اور کبھی تجھ سے جدا نہ ہوں گا۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ حیا اور ایمان یہ دونوں صفتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر پاک میں مجتمع اور ایک دوسرے کے لئے لازم ہو گئی ہیں۔ الْحَيَاءُ مِنَ الْاَيْمَانِ بارہ و پڑہ بڑائی اور بھلائی کے معنوں میں ہے۔ یہ بھی اسم صفتی اسی مکان نیک علامت کے ہیں اس واسطے کہ یہ جگہ خزانہ ہے نیکیوں کا اور معدن ہے بھلائی کا بَلَدٌ لَا قُسْمٌ بِهَذَا الْبَلَدِ میں خداوند عالم نے اس کی قسم کھائی ہے۔ اس سے بھی بقول بعض مفسرین کے مدنیہ ہی مراد ہے۔ اس وجہ سے کہ حضور سید المرسلینؐ تاحیات یہیں اقامت فرما رہے اور بعد مائت دینیوی بھی اسی جگہ فروکش ہیں۔ اس لئے اس شہر پاک کو یہ بزرگی اور لباس شرافت عطا ہوا ہے۔ لیکن اکثر علماء کے بقول اس آیت تشریف سے مکہ معظمہ مراد ہے۔ اور چونکہ یہ مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہوئی ہے اس لئے اس قول کو ترجیح ہے واللہ اعلم بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے القاب تشریف سے ہے۔ اور اس نام کے رکھنے کی وجہ اس نسبت کریم کے ساتھ کمال درجہ کی واضح اور ظاہر ہے جیسا کہ مکہ مکرمہ کو بیت اللہ کہتے ہیں اسی طرح اس شہر پاک کو بیت رسول اللہ کہنا جائز ہے بیت

زہے سعادت آں بندہ کہ کرد نزل	گئے بہ بیت خدا و گئے بہ بیت رسول
------------------------------	----------------------------------

جابرہ و جبارہ بھی اس مقام عزت انتظام کے ناموں میں سے ہے۔ اور حدیث للمدنیۃ عشرۃ اسماء چند روایات سے اول کے دو ناموں پر دلالت کرتی ہے اور تیسرا نام جبارہ ہے جس کو کتاب النواحی کے مصنف نے تورات سے نقل کیا ہے۔ اس کا نام جبر رکھنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شکستہ دلائل غریب کو مالدار اور بے کسوں اور فقیروں کو سہارا دینا اس کا کام ہے اور اس کے علاوہ مغروروں کو شکستہ کرنا۔ سرکشوں کو اطاعت پر مجبور کرنا۔ دوسرے شہروں پر اس لئے جبر و قہر کرنا کہ اسلام لاؤ۔ مسلمان بن جاؤ۔ ایک اللہ

کے تابع دار رہو اور مجبورہ بھی اس کا نام وارد ہوا ہے اس لئے کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کے لئے حیات و ممات میں حکم الہی سے مجبور ہے۔ اور جزیرۃ العرب بھی بقول بعض محدثین کے حدیث اخراج المشرکین من جزیرت العرب سے مدینہ منورہ مراد ہے۔ اگرچہ بقول دیگر حضرات اس آیت سے تمام ملک حجاز مراد ہے اور مجہ و حبیب و محبوبہ اس کے مرغوب و مخصوص ناموں میں سے ہیں حدیث میں ہے اللہم حبیب علیکنا المدینۃ کحبنا مکنا ترجمہ حدیث اے اللہ محبوب کر دے تو ہماری طرف مدینہ کو مثل محبت مکہ کے۔ یہ حدیث اس بات کی تائید کرتی ہے کہ حرم و حرم رسول اللہ بوجہ شرافت نسبت کے بھی اس کے القاب سے ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے المدینۃ حرم (مدینہ حرم ہے) طبرانی کی حدیث میں ہے کہ حرم ابراہیم مکہ و حرمی المدینۃ یعنی حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میرا حرم مدینہ ہے۔ حرم مدینہ کہاں تک ہے اس کی حد قائم کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس کا ذکر اپنی جگہ پر کیا گیا ہے اور ممکن ہے ان اوراق میں بھی اس کا ذکر کیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ **حسنتہ** بھی اسی کا نام ہے حسن صی اس وجہ سے ہے کہ باغات چشمتے، کنوئیں اور بلند و بالا پہاڑ، کشادہ فضائیں۔ عمارتوں کے قعے اور مشاہد و مزارات اس میں شامل ہیں نیز نور نے اس کا احاطہ کر لیا ہے۔ اور رونق و حضور معہ جمیع اماکن کے اور گرد اگر اس بقعہ شریف کا نہایت ہی کامل السرور ہے۔ حسن باطنی بوجہ وجود حضرت خاتم النبیین کی ذات اقدس کے جو شاہد و مشہود پروردگار عالم کا ہے اور مقصود تمام نیکیوں کا اور وجود آل و اصحاب اور آپ کے متبعین کا کہ جامع تمام برکات اور جمیع کرامات کے ہیں۔ یہ سب غیبیاں اسی مدینہ پاک کی سرزمین کو حاصل ہیں **عَرَفَ مَنْ ذَاتُ وَ وَحَدَّ مَنْ عَرَفَ** ترجمہ پہچان لیا جس نے چکھا اور پایا جس نے پہچانا مصرع ذوق این را شناسی بخدا تا بخشی

شعر و مِنْ مَذْهَبِي حُبَّ الدِّيَارِ لَعَلَّهَا وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشُقُونَ مَذَاهِبُ

(ترجمہ شعر) میرا مذہب ہے کہ محبت مکان اس کے ساکنان کی وجہ سے ہے اور واسطے ان لوگوں کے جو عشق رکھتے ہیں۔ مختلف مذہب ہیں۔

خدا کی قسم قطع نظر باطنی لغزوں اور حضور قلب کے کہ نتیجہ ہے سچی محبت اور حسن اعتقاد کا اصل حسن و زیبائی جو قلبی آنکھوں سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ اسی شہر پاک میں ہے

یہ اس کے پُرانے ناموں میں سے ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی یہی نام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ شرب اور غلبہ و تسلط اور قہر لازم و رود اور نزول میں اس عظمت والی زمین کے آیا ہے جو شخص اس میں داخل ہوتا ہے آخر کار صفت غلبہ اور علامت شہرت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ یہود و عیالہ پر غالب ہوئے اور اوس و خزرج یہود پر۔ اور اسی طرح سے مہاجرین اوس و خزرج پر اور عجمی مہاجرین پر۔ اَلَا مَاشَاءَ اللّٰہ فَاصْحٰہ بھی ایک نام ہے اس لئے کہ بد اعتقاد اور بدکار لوگ اس میں پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ آخر کار ذلت و رسوائی کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے بچائیں۔ مومنہ بھی اس مکان شریف کا نام ہے۔ بوجہ اس بات کے کہ اس میں اہل ایمان کی سکونت ہے اور یہیں سے ایمان کے احکام نکلے ہیں۔ اور اسلام کے شعائر کا مرکز بھی یہی ہے اور جس طرح نفع اور برکت و الفت مومن کی علامات میں سے ہے اسی طرح مدینہ پاک میں بھی یہ اوصاف ظاہر ہیں۔ اور اگر اس کلمہ کو اپنے حقیقی معنوں پر رکھیں تو احتمال رکھتا ہے کہ یہ شہر پاک بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ پر ایمان لایا ہو اور آپ کی تصدیق کا محل بنا ہو۔ جس طرح سے کنکریوں کا حضور کے دست اقدس میں تسبیح کرنا اور جمادات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گویا ہونا اس معنی کی صحت پر احساس کر سکتے ہیں۔ حدیث صحیح میں اُحد پہاڑ کی بابت واقع ہوا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ اس مدعا پر واضح دلیل ہے کہ سرزمین مدینہ بھی ایمان لے آئی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے **وَالَّذِي نَفْسِي سَلَا** تربتھا المؤمنۃ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے خاکِ مینہ مومن ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ توریت میں اس کا نام مومنہ ہے۔ مبارکہ بھی اسی شہر کا لقب ہے۔ اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضرت سرور کائناتؐ نے مدینہ اور اس کی تمام چیزوں کے لئے یہاں تک کہ مد و صاع کے واسطے بھی دعا کر کے فرمایا ہے کہ اے خدا اُس کی برکت زیادہ کر جیسی کہ مکہ میں خیر و برکت کی ہے اور اس دعا کا ظہور مشاہدہ کرنا برکات کا اس شہر شریف میں ظاہر امور سے ہے۔ اس میں شک اور تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مجبورہ جو مشتق ہے جبر سے بحار مہملہ مفتوحہ بمعنی سرور اور حترت کے ساتھ نعمت کے معنی میں۔ اسی شہر مقدس کا نام ہے مبارک اُس زمین کو کہتے ہیں جو سبزیات کو جلد اگائے اور بہت نفع والی ہو۔ اس بات کا وجود سرزمین مدینہ میں معائنہ اور مشاہدہ کیا گیا ہے۔ محروسہ و محفوظہ اور محفوظہ ان ناموں کی وجہ تسمیہ بعض اسماء مذکورہ کے معنی سے ظاہر ہو گئی

ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مدینہ پاک کی گلیوں کے دونوں طرف پر فرشتے بیٹھے ہوئے اس کی پاسبانی کرتے ہیں۔ سر جو مس و مرز و قش پہلا نام تو ریت سے نکل گیا ہے اور اس کے ساتھ وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ مکان اور ٹھکانہ رحمت للعالمین کا اور جائے نزول ارحم الراحمین کی ہے اور رحمت عام و خاص یعنی اہل عالم پر رزق حبیبہ جسمانیہ اور معنویہ و روحانیہ کا پہنچنا ہے لیکن یہ بات خاص کر معتکفان باب توکل کے لئے درپے درپے ہے مسکینہ۔ اس کی وجہ تسمیہ خلاصہ سے مومنہ کے نام میں ظاہر ہو جائے گی۔ حدیث میں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مدینہ کو خطاب فرمایا یا طیبۃ یا طابۃ یا مسکینۃ لا تقبلے الکوز۔ ترجمہ حدیث پروردگار عالم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کو خطاب کیا کہ اے زمین پاک اور اے بقتہ مطہر اور اے مکان مسکین خزانوں کو قبول مت کر اور اپنی مسکینیت کے ساتھ موافقت کر۔ لیکن حقیقت میں یہ خطاب اس کے باشندگان سے ہے تاکہ مسکینیت اور غربت کی صفت سے کہ اس کی اصل خشوع و خضوع ہے موصوف رہیں اور اہل دنیا و اصحاب ثروت جو اس صفت پر نہیں ہیں رغبت نہ کریں اللہم اخیئنا مسکینا و ائمتنا مسکینا و احشونا فی زمرۃ المساکین ائمتنا فی اہل بلدۃ حبیبک سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ مسلمہ مثل مومنہ کے اس کے اسمائے شریف سے ہے۔ ایمان اور اسلام نام ایک ہے۔ لیکن کچھ تھوڑا سا فرق ہے ایمان میں رعایت معنی تصدیق قلبی کے ہیں جو امور باطن سے ہے۔ اور اسلام میں اقرار و انقیاد کی جانب کا لحاظ ہے جو کہ احکام ظاہری ہیں لیکن ان دونوں ناموں میں امان و سلامت ہے۔ مطیبہ مقدر قریب قریب پہلے ناموں کے معنی میں ہے۔ طیب اور پاک کی نیز طہارت و صفائی اور نزاکت اس شہر شریف کے لوازم ذاتیہ سے ہے۔ مقرر قرار سے ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہم اجعل لنا بھاترا و سزقا حسنا و ترجمہ اے اللہ تو کر دے ہمارے لئے اس شہر میں قرار اور رزق عمدہ۔ مکینہ بھی مدینہ منورہ کا نام ہے باعتبار اس عزت اور درجہ کے جو اس کو دربار خداوندی میں حاصل ہے۔ ناجیہ نجات سے یا ناجاہ سے مشتق ہے یعنی خوش کیا اس کو۔ یا بخوہ سے کہ بلند زمین کو کہتے ہیں اور تمام معنوں کی وجہ سے مدینہ پاک میں ظاہر اور واضح ہیں۔ المدینہ۔ اس مقام شریف کے مشہور ناموں اور بلدۃ عظیم کے معروف

اعلام میں سے ہے لغت میں مدینہ ایسے مقام کا نام ہے جو مکانات اور کثرت عمارت میں قریہ کی حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ اور شہر کے درجہ کو پہنچا ہو جو تمام گاؤں سے بڑا ہے۔ شہر مدینہ اور بلدیہ درمیانی ہیں اور بعضوں نے شہر اور مدینہ کو ایک درجہ میں رکھا ہے۔ لیکن یہ تحقیق علم لغت کی ہے اور اب مدینہ نام مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو گیا ہے۔ چنانچہ اگر مطلقاً مدینہ ذکر کرتے ہیں تو یہی شہر معظم مراد ہوتا ہے۔ اہل عرب اپنے محاورہ میں اس کو الف لام کے ساتھ المدینہ بولتے ہیں۔ اور اس قسم کے فرق لغت عرب میں بہت ہیں جیسا کہ نجم ہرستارہ کو کہتے ہیں۔ لیکن النجم الف لام کے ساتھ چند مخصوص ستاروں کا نام ہے کہ اس کو ثریا کہتے ہیں۔ اگر کسی شخص کی نسبت دوسرے مدینوں کی طرف ہو تو اسے مدینی کہتے ہیں۔ اور اگر نسبت مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو تو مدنی بولتے ہیں۔ کلام الہی میں مدینہ کا نام اسی نام سے چند جگہ آیا ہے اور تورات میں بھی یہی نام آیا ہے۔ سید البلدان حدیث شریف میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت آئی ہے یا طیبۃ یا سید البلدان مدینہ کے فضائل کا بیان جس جگہ ہے وہاں پر یہ معنی واضح ہو جائیں گے۔ انشا اللہ تعالیٰ۔

باب دوم

اس شہر عظیم شریفیہ کے اوصاف اور فضائل

جو احادیث اور آثار سے ثابت ہیں زاد اللہ تشریفاً و تعظیماً

دراصل ہو کہ اجماع اُمت اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ افضل مقامات اور بزرگ ترین شہروں میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں۔ زاد اللہ تشریفاً و تعظیماً۔ لیکن ان دونوں شہروں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت اور ترجیح دینے میں علماء کا اختلاف ہے بعد اجماع تمام علماء رحمتہ اللہ علیہم کے اس مقام کو فضیلت دی ہے جو اعضائے شریفہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو موضع قبر شریف سے ملائے ہوئے ہے تمام

اجزائے زمین کے افضل ہے۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ سے بھی اور بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ تمام سموات جتنے کہ عرش سے بھی اور کہتے ہیں اگرچہ کتب قوم میں صریح ذکر آسمانوں اور عرش اعظم کا نہیں آیا ہے۔ لیکن یہ بات اس قبیل سے ہے کہ جس شخص کے سامنے یہی جائے اس پر توقف اور انکار کی راہ مسدود ہو جائے۔ آسمان وزمین آپ کی تشریف آوری ہی کی وجہ سے معزز ہیں۔ بلکہ اگر تمام اجزائے زمین کو تمام آسمانوں پر اس لئے ترجیح دی جائے کہ حضور سرور دو عالم کی قبر شریف کی جگہ اجزائے زمین سے ہے تو گنجائش ہے اور آخر اس کلام کا فضیلت دینے میں آسمانوں اور زمینوں کے خلاف واقع ہوا ہے وہ امام نووی کے کلام کا تقاضا ہے وہ یہ کہ جمہور علماء زمین پر آسمانوں کو فضیلت دیتے ہیں اور بعض زمین کو آسمان پر اس لئے فضیلت دیتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مستقر اور جائے مدفن ہے تو آسمان ان کے اوداع مقدسہ کا محل اور مقرر ہے۔ لیکن جب یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں تو جمہور کے کلام کا جواب نہایت واضح ہے اس لئے اس صورت میں زمین جس طرح سے جموں کے لئے جائے قرار ہے محل اوداع بھی ہے۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ جتنی جگہ میں مزار اقدس ہے اس کو چھوڑ کر شہر مکہ کو شہر مدینہ پر اور شہر مدینہ کو شہر مکہ پر فضیلت دینے میں شمار کا اختلاف ہے۔ مذہب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نیز دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت اور امام مالک رحمہ اللہ و اکثر علمائے مدینہ، مدینہ کو مکہ پر فضیلت دیتے ہیں اور بعض دوسرے علماء بھی جو مکہ پر مدینہ کو فضیلت دیتے ہیں وہ کعبہ شریف کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شہر مدینہ شہر مکہ سے افضل ہے۔ لیکن خانہ کعبہ سب سے افضل ہے بالآخر فیصلہ اس پر ٹھہرا کہ قبر شریف سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات مطلقاً اور بالعموم افضل و اکرم ہے۔ خواہ شہر مکہ مکرمہ ہو یا خانہ کعبہ شریف اور خانہ کعبہ سوائے قبر شریف آنحضرت شہر مدینہ منورہ سے افضل ہے۔ اور باقی مدینہ افضل ہے باقی مکہ سے۔ یا باقی مکہ افضل ہے باقی مدینہ سے۔ اس میں اختلاف ہے اور جو دلائل مدینہ کی فضیلت پر بیان کرتے ہیں اس کے محامد اور فضائل کے ذکر میں واضح ہو جائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شہر شریف کی جتنی زیادہ محبت ہے اتنی کسی شہر کی نہیں ہے۔ اسی میں آپ نے اقامت فرمائی اور یہیں آپ نے فتوحات عظیمہ

حاصل کیں۔ اور یہیں کمالات شریفہ موعودہ کو پہنچے اور یہی جگہ اسلام کی قوت، دین کے رواج، تمام اول و آخر خیر و برکات کا سرچشمہ اور جملہ کمالات ظاہر و باطن کا معدن اور سعادت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ کا مبداء ہے۔ انہیں وجہ سے یہ تمام قطعات ارضی و سماوی سے ممتاز ہے۔ اور ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ مرقد شریف اور قبر پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہیں ہے۔ کوئی نعمت منجملہ نعمت ہائے دینی اور اخروی سے اس کا مقابلہ اور برابری نہیں کر سکتی۔ اور کوئی عمل بعد فالص و واجبات کے اس کی زیارت کی برابری نہیں کر سکتا۔ اگر آپ اس بات کا لحاظ کریں جو متعدد طریقہ سے احادیث صحیحہ میں آئے ہیں تو ظاہر ہو جائے گا کہ ہر نفس کی پیدائش اس مٹی سے ہے جہاں وہ دفن ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیدائش نفس پاک حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ کی مٹی سے ہے۔ اور اس طرح سے اکثر وہ نفوس آل و اصحاب اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین جو اس شہر میں آرام فرما ہیں یہیں کی مٹی سے تھے اور مدینہ منورہ کے لئے یہ فضیلت و شرافت کافی ہے۔

اس کے برعکس سب سے بڑی دلیل مکہ معظمہ کی فضیلت میں جو لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اعمال کا ثواب مکہ کی مسجد میں چند گنا ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے تمام حرم میں جیسا کہ بعض علماء کے اقوال اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور حدیث صحیحہ میں بھی آیا ہے کہ مسجد نبویؐ میں ادا کی ہوئی ایک نماز برابر ہے ہزار نمازوں کے اور مسجد حرام میں ادا کی ہوئی ایک نماز برابر ہے ایک لاکھ کے۔ لیکن جو لوگ مدینہ کی افضلیت کے قائل ہیں وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ فضیلت کے اسباب ثواب کی کمی بیشی پر منحصر نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ خاصیت مکہ معظمہ کے ساتھ مخصوص ہو اور طرح طرح کی کرامات و برکات بوجہ محبت خدا و رسول کے اور نفع پہنچانا اسلام اور اہل اسلام کو مخصوص مدینہ پاک سے ہو۔ اس کلام کی تقویت و تائید میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ جس طرح عرفات میں نماز کا ادا کرنا اس شخص کے لئے جو متوجہ ہے عرفات کی جانب اور مناکہ اندر نماز ظہر یوم نحر میں، مسجد حرام کے اندر نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔ باوجود اس کے حرم میں ثواب کی زیادتی معلوم ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو برکت اور فضیلت اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاصل ہے باوجود اس بات کے کہ

خلاصہ زیادتی کا سوائے کثرت عدد و تعدد مقدار کے اقل ہو یا باعتبار کیفیت اور حالت برکت و عظمت افضل ہو اور اگر زیادتی مطلق ثواب افضلیت کے لئے کافی ہوتی تو ثنابت ہی ہے کہ افضلیت میں داخل کعبہ کو خارج مسجد حرام پر کسی شخص کو اختلاف نہیں ہے۔ باوجود اس بات کے کہ فرض نماز کے صحیح ہونے میں خانہ کعبہ کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جائز نہیں رکھتے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ اسباب فضیلت کے ثواب کی زیادتی پر منحصر نہیں ہیں اور ایک دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں قبولیت کا سبب اور اس کے غیر ثنابتی برکات کا فیضان ہو جب کہ حضور کی قبر شریف بہترین مقام اللہ پاک کے برکات اور رحمت و رضوان کا مقام ہے اور یہی دربار خداوندی سے فرشتوں کے نازل ہونے کی جگہ ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس مقام کے قرب کی برکت کی وجہ سے رحمت و آثار فیض اور عنایت و محبت حضرت صمدیت سے ایک خاص حالت اور نور و قبول نصیب ہو جس کی حصولیابی اعمال کے زائد ہونے اور زیادتی طاعت کے باوجود نہ ہو سکے حالانکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہ صفت حیات اس مقام مقدس میں قائم اور موجود ہیں۔ اور اس طرح قائم اور موجود ہیں کہ آپ کو اعمال اور ترقیات دائمی نصیب ہیں۔ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال تمام بندوں سے باوجود فرض کے اکثر اور ارجح و افضل ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ امداد و استغفار و شفاعت میں اپنی اُمت کے ہیں۔ فیض کا پہنچنا مدینہ منورہ کے قرب و جوار سے اور لوگوں کو نفع پہنچانا ان کی طاعت میں اس زیادتی سے جو کہ مکہ مکرمہ میں حاصل کرتے ہیں یہ کلام امام تقی الدین سبکی کا ہے جو نہایت باریک اور بہت ہی صاف و لطیف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائیں۔ مکہ معظمہ کی فضیلت میں دوسری دلیل یہ ہے کہ خانہ کعبہ ارکان حج اور تقریبات کے ادا کرنے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ حج و عمرہ۔ باوجود ثواب اور فضائل کے جو ان اعمال کے ادا کرنے میں وارد ہوئے ہیں جواب کہتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں بھی اعمال حسنہ کرنے سے اجر کا وعدہ فرمایا ہے جو حج و عمرہ کا عوض ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا قصد کرے اس لئے کہ

اگر اس میں دو رکعت نماز ادا کرے تو حج کامل کا ثواب پاتا ہے اور اگر مسجد قبا کا ارادہ کرے اور وہاں پہنچ کر اس کے اندر دو رکعت نماز پڑھے تو اس کو عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے یہ مقام غور ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر شب روز میں نماز پڑھنا کئی گنا ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے اور حج سال میں بجز ایک بار کے ممکن نہیں۔ مکہ مکرمہ کی فضیلت پر دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مکتبہ بلاد اللہ - اور دوسری روایت میں أَحَبُّ الْأَرْضِ لِلَّهِ بھی ارشاد ہوا ہے۔ جب سید کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل الخیات نے مکہ سے کوچ فرمایا تو مقام معلا کے قریب خرورہ یا برجوں میں سے کسی ایک جگہ پر کھڑے ہو کر مکہ معظمہ سے یہ خطاب کیا کہ اے بزرگ شہر تو میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اگر تیری قوم مجھ کو باہر نہ کرتی تو میں یہاں سے ہرگز نہ جاتا۔ آپ کا یہ ارشاد گرامی مکہ معظمہ کی افضلیت کو ثابت کر دیتا ہے۔ اور اس شہر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی مدینہ منورہ کی فضیلت سے بہت ابتدا میں تھا اور وحی سادی سے اس کی جو فضیلت ظاہر ہوئی ہے وہ اس واقعہ کے بعد کی ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ عرصہ دراز تک آپ نے مدینہ منورہ میں اقامت فرمائی ہے اور یہیں سے دین کا ظہور اور فروغ ہوا اور بڑے بڑے امور و برکات نیز فتوحات اور اسلام کی فلاح اور بہت سی نیکیوں کا ظہور بھی اسی جگہ سے ہوا ہے۔ اسی لئے یہ مقام تمام شہروں اور جملہ مقامات سے افضل و اکمل ہے اور اسی لئے دربارِ صمدیت سے مدینہ منورہ میں برکت اور چند گنا زاد ثواب کی خبر دی گئی ہے اور حضورؐ نے مدینہ منورہ کی دوستی کے لئے دعا فرمائی۔ چنانچہ وہ احادیث جن میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ صحیفہ ظہور پر نقش قبول کریں گی۔ آپ نے فرمایا اللہُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحَبْنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدُّ تَرْجُمَةً :- اے اللہ ہمارے لئے مدینہ کو اتنا ہی محبوب کر دے جتنا کہ مکہ کو کیا تھا بلکہ اس سے بھی زائد۔ طبرانی نے معجم کبیر میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے الْمَدِينَةُ خَيْرٌ مِنَ الْمَكَّةِ اور امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطریق توہیح ذالکار کے عبداللہ بن عباس محرومی سے کہا تم کہتے ہو کہ مکہ افضل

ہے مدینہ سے۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہاں مکہ حرم ہے خداوند تعالیٰ کا اور اس کی امن کا مقام ہے اور مکہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کا گھر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ فرمایا کہ میں حرم خدا اور اس کے گھر کی بابت کچھ نہیں کہتا۔ میرا تو سوال یہ ہے کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ مکہ افضل ہے مدینہ سے؟
انہوں نے پھر کہا کہ مکہ حرم خداوندی ہے اور اس میں اس کا گھر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سہ بارہ فرمایا کہ "میں حرم خدا اور بیت اللہ کی بابت تو دریافت ہی نہیں کرتا" کچھ دیر تک باہم اسی طرح گفتگو ہوتی رہی اور پھر حضرت عمرؓ چلے گئے۔

حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ پر مدینہ کو فضیلت دینے میں کعبہ معظمہ مستثنیٰ ہے۔ مدعا یہ ہے کہ مکہ شہر پر مدینہ شہر افضل ہے۔
سوائے بیت اللہ کے۔ چنانچہ حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ کیا تو فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّكَ اَنْ اُخْرَجْتَ مِنْ اَحَبِّ الْبَقَاعِ اِلٰی فَاَسْکِنِیْ فِیْ اَحَبِّ الْبَقَاعِ اِلَیْکَ تَرْجِمْنِیْ۔ اے خدا اگر تو مجھ کو اس جگہ سے جو میرے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہے باہر لانا ہے تو میری سکونت ایسی جگہ میں کر جو میرے نزدیک تمام مقامات میں محبوب ترین ہو۔ چنانچہ اس دعار کے مستجاب ہو جانے کے بعد یہ مقام اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہو گیا اور اور اسی وجہ سے فتح مکہ کے بعد بھی آپؐ نے اس کی طرف عود نہیں فرمایا اور مدینہ منورہ ہی کے قیام پر استقامت کی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضورؐ کا دار ہجرت میں قیام حکم الہی کی فرضیت کی وجہ سے ہے نہ کہ باعتبار فضیلت۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف کیسے منتقل ہو سکتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں حکم الہی مکہ کو منتقل نہ ہونا اور مدینہ منورہ میں مستقل اقامت فرما رہنا تقاضائے حکمت کے موافق تھا اور یقیناً اس صورت میں دار مدار فضیلت ہی پر رہا۔ اور ثابت ہوا کہ اللہ کے نزدیک بھی یہی جگہ محبوب رہی ہے۔
اِذَا الْحَبِیْبُ کَايَخْتَارَ الْحَبِیْبُہٗ اِلَّا مَا هُوَ اَحَبُّ وَاَكْرَمُ عِنْدَہٗ۔ ترجمہ
اس وجہ سے کہ محبوب نہیں پسند کرتا ہے اپنے محبوب کے لئے مگر وہ چیز کہ وہ محبوب

اور بہتر ہو اس کے نزدیک بیت -

جیفاست جائے چوں تو نگاری بچشم من	در دل نشیں کہ منزل خاص از برائے ثنت
منترجم کیسے کہوں کہ آنکھ میں میرے سہائے	دل آپ کی ہے منزل خاص اس میں آئیے

اس جگہ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ یہ بحث علماء کے نزدیک ہے اور عالم اپنے مذہب اور مسلک پر اس کو لکھتے ہیں۔ لیکن عام لوگوں کو چاہیئے کہ نسبت کو لحاظ میں رکھا جائے اور محبت کے مشرب پر قائم رہا جائے۔ ہمیں اس عقیدے پر قائم رہنا چاہیئے کہ جناب احدیت عزّ شانہ کی فضیلت کے بعد ساری فضیلت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ ہر چیز پر ہر وجہ اور ہر جہت سے حضور ہی کو فضیلت دے اس میں کچھ لحاظ نہ کرے باقی جتنی چیزیں ہیں ان کی فضیلت نسبتی ہے جتنی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اتنی ہی اس کی فضیلت ہے۔ مکہ معظمہ ہو خواہ مدینہ منورہ۔ اگر مکہ آپ کا جائے پیدائش ہے تو مدینہ منورہ آپ کا مسکن ہے۔ اس لئے حکم الہی کے تابع رہنا چاہیئے اور اس کے حبیب کی محبت میں کوئی جھگڑا نہ کرنا چاہیئے۔ مکہ میں اس کے امر کی سطوت و جلال ہے تو مدینہ میں برکت اس کے دین کے کمال کی۔ ہر جگہ خدا کے امر کا ملاحظہ دیجھ اور ہر جگہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرتا رہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

نظم

در پیم ذرہ نیست کہ نور محمدی	از طلعت وجود اضافی نہ طاعت
در بایں فیض جود الہی وجود است	انہار کائنات بوی جملہ راجع است
نرسہر طائر از انفاس فیض اوست	ایں نکتہ پیش اہل نظر اوراق است
فرداوائے حمد بدست محمد است	مقبوع اوست جملہ جہانش متابع است

نظم دیگر

بیانا در مدینہ نور احمد	بہ بینی از درود یوار لامع
جمال مصطفیٰ بے پردہ بینی	چو خورشید کے کہ بے ابرشا طالع
بیا اسی کو چشم نیزہ باطن	بہ ہیں ہر گوشہ صدر بلن ساطع

بروق شبہ سوز انجا لوا بج نجوم ابتدا آنجا فروزاں چو از ناری کجا تو نور بینی چرا با خویش دشمن کشته بر تو ولیکن کے توانی دید ایں نور نصحت کر دمت دیگر تو دانی	بدرد دیں فردزا آنجا سوا طع شموس اصطفی آنجا طوا لع یو دہر کس با صل خویش راجع چہ خود را میزنی بر سیف قاطع چہ نور فطرت گردید ضایع فان الدین عند اللہ دافع
---	---

(مترجم نظم اول)

وہ چمکا کولسا ذرہ پیابانِ دُعا میں فیوضِ جو دحق کا ایک دریا ہے وجودِ انکا عقابِ سماں بھی اُنکے فیضِ دم سے طائر ہے قیامت میں لواءِ الحمد ہو دستِ اقدس میں	کہ جو نورِ منور سے محمد کے نہ طالع ہے وجودِ کون کی ہر نہر جسکی سمت راجع ہے نظرِ دالوں کی آنکھوں میں نیکو امر واقع ہے کہ وہ متبوع ہے اور عالمِ امکان متابع ہے
---	---

نظم دیگر (مترجم)

چلو مدینہ میں نورِ محمدی دیکھو لگا ہوا تو نظر آئے تجھ کو بے پردہ جو کو چشم ہو اور تیرہ دل وہ کیا دیکھے وہ شبہ سوز وہاں بجلیاں چمکتی ہیں ستارے چھٹکے ہوئے ہیں ہاں ہدایت کے مثل یہ سچ ہے کہ ہر شے ہے اصل پر جاتی ہلاکت کا ہے کیوں اپنے آپ کو منکر خطا نہیں یہ تیری جو نظر نہیں آتا ہمارا فرض نصیحت تھا اب سمجھ نہ سمجھ	کہ ذرہ ذرہ سے ہے مثل ماہِ جلوہ کناں وہ مہرِ نورِ نبی جو ہے ہر طرف لمعاں ہیں گوشہ گوشہ میں ورنہ ہزار ہا برہاں کہ دین جن سے ہے روشن تو کفرِ سناں قرصِ صفا کے تو مہرِ صفا کے ہیں تاباں وہ نورِ ناری کو کہے دکھائی دیگا کہاں ابجھ نہ اس سے کہ یہ تیغ تیز ہے بُراں کہ نورِ چشمِ خدا ہیں ہے کفر میں نہاں خدا گواہِ خدا ہی ہے مالکِ بیاں
--	---

اب مدینہ کے اوصاف اور فضائل بیان کرتا ہوں جو میرے پیغمبر کا مسکن ہے۔ دل کے
کالوں سے سُننا چاہیے اس واسطے کہ حبیب کا ذکر اور ان کے شہرِ پاک کے تذکرہ سے دوق ہو۔

علماء کے مذہب کو تو ضرور پڑھو اور سمجھو لیکن اہل محبت کے ذوق اور مشرب کو بھی ہاتھ سے
مت جانے دو مصوع جانب عشق عزیز است فروگذاش

مصوع دیگر از ہر چہ میرد سخن دوست خوشتر است فاقول وباللہ التوفیق
ترجمہ: پس میں کہتا ہوں اللہ کی توفیق کے ساتھ فصل منجملہ فضائل مدینہ منورہ کے یہ ہے جو
اس سے پیشتر حوالہ قلم کیا گیا کہ پروردگار عالم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے
ہجرت کا حکم دیا اور مدینہ منورہ میں قیام کا حکم فرمایا۔ جملہ کمالات ظاہر و باطن جو عالم قوت و
استعداد میں امانت رکھے تھے ان سب کو اس شہر شریف میں درجہ فعلیت میں لایا اور اس شہر
کو تمام فتوحات کا مبدا اور برکات کے خزانوں کی کنجی گردانا۔ اس کی خاک پاک کو آپ کے گوہر
عنصر شریف کے لئے صدف بنایا کہ قیامت تک اس زمین کا خطہ آپ کے وجود پاک سے مشرف
ہو کر فیض بخش ملک و ملکوت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی
ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک قبض ہوئی تو صحابہ کرام نے دفن کی جگہ میں
اختلاف کیا کہ کس جگہ حضور کو دفن کریں تو حضرت علی بن ابی طالب سلام اللہ علیہ نے
فرمایا کہ روئے زمین عالم میں پروردگار عالم کے نزدیک کوئی جگہ اس جگہ سے شریف اور
بزرگ تر نہیں ہے جس مقام پر آپ کی روح پاک قبض کی گئی ہو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ
عنہ نے بھی یہ سن کر اس کلام کی تائید کرتے ہوئے ایک حدیث سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کی نقل کی پھر تو صحابہ کا اجماع ہو گیا کہ جس جگہ آپ کی روح پاک قبض ہوئی ہے وہیں دفن
ہوں۔ جملہ فضائل مدینہ سے محبت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ جب سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تھے اور جب مدینہ کے قریب پہنچتے تو اپنی سواری کو
حرکت دے کر اور تیز کر دیتے تھے اور یہ اس لئے تھا کہ آپ فوری شوق سے بے چین ہو جاتے تھے
کہ کسی طرح جلد از جلد مدینہ میں داخل ہو جائیں۔ آپ کا قلب مبارک یہاں پہنچ کر سکون پاتا
تھا شانہ مبارک سے چادر بھی نہ اتارتے اور فرماتے تھے کہ یہ ہوائیں طیبہ ہیں۔

ای نفس خورم باد صبا	انہ ہر بار آمدہ مرحبا
ما ترجمہ	مرحبا پیاری نسیم مشک بو
	پہلوئے محبوب آئی ہے تو

جو گرد اور غبار آپ کے چہرہ انور پر پڑ جاتا اس کو صاف نہ فرماتے۔ اگر صحابہ میں سے کوئی

شخص اپنے چہرہ اور سر کو گرد و غبار کی وجہ سے چھپانا تو آپ منع فرماتے اور کہتے کہ خاکِ مدینہ میں شفا ہے جیسا کہ اس کے نام شافیہ سے ظاہر ہے۔ جناب علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ شیاطین شہرِ مدینہ میں اپنی عبادت سے مایوس ہو گئے ہیں۔ آپ دریافت کریں گے کہ شیاطین کی عبادت کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کو بُرائی کی طرف براہِ نیگنہ کرتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور سدرارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس جسیرہ کو (ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس قریہ کو) شرک کی نجاست سے پاک کیا ہے۔ اگر نجوم ان کو گمراہ نہ کرے۔

عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجوم کا گمراہ کرنا کس طرح ہے آپ نے فرمایا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے حکم سے بارش بھیجتے ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ قمر فلاں منزل میں آیا تھا جس کی وجہ سے بارش ہوئی یہ ہے نجوم کی گمراہی۔

اور منجملہ اس کے دیگر اوصاف کے ایک یہ بھی ہے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو اس شہرِ پاک کی اقامت پر ترغیب اور تحریریں دی ہے اور اس شہرِ پاک میں موت کو پسند فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ من صبر علی ذلھا کنت لہ شہیداً و شفیعاً یوم القیمة۔ ترجمہ :- جو شخص مدینہ میں انتقال کرے اس کے لئے میں قیامت کے دن شفیع ہوں گا۔ ابن ماجہ و عبدالحق نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور ان لفظوں سے روایت کیا ہے۔ من استطاع ان یموت بالمدينة فلیمت فمن مات بالمدينة کنت لہ شفیعاً و شہیداً۔ ترجمہ :- جو شخص مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اسی جگہ مرے وہ شرفِ شفاعت اور میری شہادت باسعادت سے مشرف ہوگا۔ دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کہ میری امت میں سے جو لوگ سب سے پہلے ہماری شفاعت کے شرف کو حاصل کریں گے وہ اہلِ مدینہ ہیں اس کے بعد اہلِ مکہ پھر اہلِ طائف ثم اہلِ مکہ ثم اہلِ الطائف منجملہ اس کے اوصاف کے یہ بھی ہے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے کہ آپ کا سفرِ آخرت اسی شہرِ مکرم میں ہوا اور اسی طرح سے آپ کے اصحاب و متبعین رضی اللہ عنہم بھی۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہم لا تجعل منادیا بمکة۔ ترجمہ :- اے خدا میری موت مکہ میں مت کر اور میری روح سوائے مدینہ کے مت نکال۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ روئے زمین پر مدینہ منورہ کے سوا کوئی قطعہ زمین ایسا نہیں ہے کہ جس میں میں اپنی قبر کو پسند کر دوں۔ نقل ہے کہ اکثر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دعا کیا کرتے تھے کہ اللہم ادرنقنی شہادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک ترجمہ: اے خدا اپنی راہ میں مجھے شہادت نصیب کر اور میری موت اپنے رسول کے شہر میں کر۔ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سوائے ایک مرتبہ کے حج ادا نہیں کیا۔ جب فرض حج ادا کر چکے تو دوبارہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ اس لئے نہیں گئے کہ شاید مدینہ پاک کے علاوہ دوسری جگہ موت آجائے۔ مدت العمر مدینہ میں ہے اور وہیں دفن ہوئے اور منجملہ اوصاف مدینہ کے یہ بھی ہے کہ حدیث صحیح میں متعدد طریق سے وارد ہے المدینۃ تنقی خبث الرجال کما ینقی الکبر خبث الحدید ترجمہ: مدینہ میل اور پلید کے دور کرنے میں لوہاروں کی بھٹی کی خاصیت رکھتا ہے۔ جو لوہے سے میل کو دور کرتی ہے۔ اور صحیح بخاری شریف میں آیا ہے انها طيبة تنقی الذلوب کما ینقی الکبر خبث الفضۃ ترجمہ: مدینہ پاک ہے اور گناہوں کی نجاست کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح سے سناروں کی بھٹی چاندی کے میل کو صاف کرتی ہے۔ مراد نفی اہل شر و فساد کی اس شہر پاک کے میدان سے ہے اور بعض علماء کے بقول یہ خاصیت مذکورہ ہر زمانہ میں ظاہر ہے۔ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ کی سکونت اختیار کرنے پر بیعت کی اتفاق سے دوسرے دن اس کو بخار ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیعت کے فسخ کرنے کے لئے کہا اور وطن اصلی کو واپس جانے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی معاملے میں یہ حدیث فرمائی تھی کہ جس طرح چاندی سے میل کو دور کرنے میں سنار کی بھٹی کا رآمد ہے اسی طرح مدینہ بھی اپنے اندر بے دین کو نہیں رہنے دیتا۔

نقل ہے کہ عمر بن عبد العزیز جب مدینہ میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے غشی ان نکون ممن لفته المدینۃ۔ ترجمہ: خوف کرتا ہوں میں کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جن لوگوں کو مدینہ نکال دیتا ہے۔ اور یہ خاصیت عظیم اس روز ظاہر ہوگی کہ جب اخیر زمانے میں دجال ظہور کرے گا اور مدینہ منورہ میں نہ آسکے گا۔ لیکن جو لوگ بدترین لوگوں میں سے اس میں ہوں گے اس کی تابعداری

کی وجہ سے باہر نکل جائیں گے۔ اور اس باعزت مقام شریف کا میدان شر اور غبارِ کدورت سے مطلقاً صاف ہو جائے گا جیسا کہ ان اول احادیث سے جو اس باب میں آئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ اور مدینہ کی طہارت اس طرح بھی برقرار رہتی ہے کہ مشرکین نیز دوسرے اہل ادیان جو دین اسلام کے مخالف ہیں یعنی یہود و نصاریٰ اور ان کے مثل دوسرے لوگ اور وہ لوگ بھی جو گناہوں کی نجاست سے ملوث ہیں۔ اگرچہ ان کا وجود ہمیشہ اور آخر وقت تک مدینہ منورہ ہی میں رہے۔ لیکن عین ممکن ہے کہ ان کی نفی مرنے کے بعد ہو جائے وہ اس طرح سے کہ فرشتے ان کے اجسام ظلمانی کو اس زمین مقدسہ سے منتقل کر دیں۔ چنانچہ بعض علماء اسی طرح فرماتے ہیں اور حکایات صالحین بھی اس بارہ میں منقول ہیں واللہ اعلم بالصحتہ اور بعضوں نے اس حدیث کے مضمون کو اس طرح سے بھی بیان کیا ہے کہ نفوس کے تزکیہ کے واسطے مدینہ منورہ کی اقامت اور اس کی سختیوں کو برداشت کرنا ایسا ہے جس طرح سُنا چاندی کو گھریہ میں رکھ کر گردش دے تو اس کا میل صاف ہو جائے۔ چنانچہ اس مقدس شہر کی سکونت سے تمام کدورت نفسانیہ اور شہوات رو بہ جاتی رہتی ہیں۔ گناہوں کی کدورت اس لئے باقی نہیں رہ سکتی کہ یہاں سید ابراہیم علیہ السلام کے قرب کی وجہ سے پے درپے برکات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ آیت اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ترجمہ :- نیکیاں بے شک مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔ صفت تزکیہ اور تطہیر جو بیان کی گئیں اس شہر مقدس کے لوازمات میں سے ہیں۔ منجملہ جمیع اوصاف کے ایک یہ بھی ہے کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے حق میں اکثر دعائے خیر و برکت فرماتے رہتے تھے۔ آپ فرماتے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدَكَ وَخَلِيْلَكَ وَنَبِيَّكَ وَ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ وَ اِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَ اَنَا دَعُوْكَ لِمَدِيْنَةٍ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ ترجمہ :- اے اللہ برکت دے ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں اور برکت دے ہمارے لئے ہمارے صاع میں اور برکت دے ہمارے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ تجھ سے مکہ کے لئے۔ اور میں دعا کرتا ہوں تجھ سے مدینہ کے واسطے اُس مقدار میں کہ تجھ سے دعا کی تھی مکہ کے لئے اور

اس کے مثل اُس کے ساتھ۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ مدینہ سے نکلے اور بحرہ سفیاء کہ مقام سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا تھا پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا اور رو بہ قبلہ کھڑے ہو کر فرمایا اے میرے خدا ابراہیم تیرا بندہ ہے اور تیرا خلیل ہے۔ انہوں نے تجھ سے دعا کی تھی اہل مکہ کی بابت کہ یہاں خیر و برکت کر دے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں۔ اہل مدینہ کی شان میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب برکت دے دو ان کے مُد اور صاع میں جیسی کہ برکت دی تم نے اہل مکہ کو لیکن اہل مدینہ کو اہل مکہ کے مقابلہ پر دوسری برکت عطا فرما۔ اس بارے میں اور بہت سی حدیثیں بھی ہیں جس جگہ مُد اور صاع میں برکت کے لئے دعا کی ہے۔ اس سے دینیوی خیر و برکت مراد ہے اور جس جگہ مطلق واقع ہوئی ہے وہ دونوں جہاں کی نعمت کو شامل ہے۔ برکات ظاہر و باطن کے آثار اس شہر مقدس میں معائنہ اور مشاہدہ ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ وبائی امراض اور وبائی بخار اس شہر سے نکل کر جحفہ کی آبادی میں چلے جائیں۔ یہ آبادی مشرکین اور سرکشوں کی تھی۔ آپ کی دعا سے پہلے مدینہ وبائی امراض اور بخار کا جوالا گاہ تھا۔ نقل ہے کہ ابتدائے تشریف آوری میں آپ کے اصحاب معالی نصاب بخار کے عارضہ میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُن کے دو غلام بلالؓ اور عامر اسی عارضہ میں مبتلا ایک مکان میں پڑے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور کی اجازت سے ان کی تیمارداری کو تشریف لائیں اور اپنے والد بزرگوار کو دیکھا کہ مکان کے ایک گوشے میں ہیں اور سخت بخار چڑھا ہوا ہے فرماتے ہیں شعر

کل امرئ مصعب فی اہله

والموت ادنی من اشراك نعله

ترجمہ :- ہر مرد صبح کرنے والا ہے اپنے اہل میں۔ حالانکہ موت قریب تر ہے اس کے جوتی کے تسمہ سے۔ اور دوسرے گوشے میں بلال و عامر کو دیکھا یہ دونوں حضرات کفار قریش پر لعنت بھیج رہے تھے۔ اور مکہ اور اس کے مقامات کو یاد کر کے اشعار پڑھ رہے تھے اور سر زمین مدینہ اور اس کی شدت کی شکایت کر رہے تھے۔ اس موقع پر

کی وجہ سے باہر نکل جائیں گے۔ اور اس باعزت مقام شریف کا میدان شر اور غبارِ کدورت سے مطلقاً صاف ہو جائے گا جیسا کہ ان اول احادیث سے جو اس باب میں آئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ اور مدینہ کی طہارت اس طرح بھی برقرار رہتی ہے کہ مشرکین نیز دوسرے اہل ادیان جو دین اسلام کے مخالف ہیں یعنی یہود و نصاریٰ اور ان کے مثل دوسرے لوگ اور وہ لوگ بھی جو گناہوں کی نجاست سے ملوث ہیں۔ اگرچہ ان کا وجود ہمیشہ اور اخیر وقت تک مدینہ منورہ ہی میں رہے۔ لیکن عین ممکن ہے کہ ان کی نفی مرنے کے بعد ہو جائے وہ اس طرح سے کہ فرشتے ان کے اجسام ظلمانی کو اس زمین مقدسہ سے منتقل کر دیں۔ چنانچہ بعض علماء اسی طرح فرماتے ہیں اور حکایات صالحین بھی اس بارہ میں منقول ہیں واللہ اعلم بالصحتہ اور بعضوں نے اس حدیث کے مضمون کو اس طرح سے بھی بیان کیا ہے کہ نفوس کے ترکیب کے واسطے مدینہ منورہ کی اقامت اور اس کی سختیوں کو برداشت کرنا ایسا ہے جس طرح سنار چاندی کو گھریہ میں رکھ کر گردش دے تو اس کا میل صاف ہو جائے۔ چنانچہ اس مقدس شہر کی سکونت سے تمام کدورت نفسانیہ اور شہوات رویہ جاتی رہتی ہیں۔ گناہوں کی کدورت اس لئے باقی نہیں رہ سکتی کہ یہاں سید ابراہیم علیہ السلام کے قرب کی وجہ سے پے درپے برکات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ آیت اِنِّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ترجمہ :- نیکیاں بے شک مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔ صفت ترکیبہ تطہیر جو بیان کی گئیں اس شہر مقدس کے لوازمات میں سے ہیں۔ منجملہ جمیع اوصاف کے ایک یہ بھی ہے کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے حق میں اکثر دعائے خیر و برکت فرماتے رہتے تھے۔ آپ فرماتے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا اَللّٰهُمَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ وَ اِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَ اَنَا اَدْعُوْكَ لِمَدِيْنَةِ بِمَثَلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ ترجمہ :- اے اللہ برکت دے ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں اور برکت دے ہمارے لئے ہمارے صاع میں اور برکت دے ہمارے مدینہ میں اور تیرے بندے اور تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں تیرا بندہ اور تیرا بنی ہوں۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ تجھ سے مکہ کے لئے۔ اور میں دعا کرتا ہوں تجھ سے مدینہ کے واسطے اُس مقدار میں کہ تجھ سے دعا کی تھی مکہ کے لئے اور

اس کے مثل اُس کے ساتھ۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ مدینہ سے نکلے اور بحرہ سفیاء کے مقام سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا تھا پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا اور روبرو قبلہ کھڑے ہو کر فرمایا اے میرے خدا ابراہیم تیرا بندہ ہے اور تیرا خلیل ہے۔ انہوں نے تجھ سے دعا کی تھی اہل مکہ کی بابت کہ یہاں خیر و برکت کر دے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں۔ اہل مدینہ کی شان میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب برکت دے دو ان کے مُد اور صاع میں جیسی کہ برکت دی تم نے اہل مکہ کو لیکن اہل مدینہ کو اہل مکہ کے مقابلہ پر دوسری برکت عطا فرما۔ اس بارے میں اور بہت سی حدیثیں بھی ہیں جس جگہ مُد اور صاع میں برکت کے لئے دعا کی ہے۔ اس سے دینوی خیر و برکت مراد ہے اور جس جگہ مطلق واقع ہوئی ہے وہ دونوں جہاں کی نعمت کو شامل ہے۔ برکات ظاہر و باطن کے آثار اس شہر مقدس میں معائنہ اور مشاہدہ ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ وبائی امراض اور وبائی بخار اس شہر سے نکل کر جحفہ کی آبادی میں چلے جائیں۔ یہ آبادی مشرکین اور سرکشوں کی تھی۔ آپ کی دعا سے پہلے مدینہ وبائی امراض اور بخار کا جولاں گاہ تھا۔ نقل ہے کہ ابتدائے تشریف آوری میں آپ کے اصحاب معالی نصاب بخار کے عارضہ میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُن کے دو غلام بلالؓ اور عامر اسی عارضہ میں مبتلا ایک مکان میں پڑے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور کی اجازت سے ان کی تیمارداری کو تشریف لائیں اور اپنے والد بزرگوار کو دیکھا کہ مکان کے ایک گوشے میں ہیں اور سخت بخار چڑھا ہوا ہے فرماتے ہیں شعر

کل امرء مصبح في اھله

والموت ادنی من اشراك نعله

ترجمہ :- ہر مرد صبح کرنے والا ہے اپنے اہل میں۔ حالانکہ موت قریب تر ہے اس کے جوتی کے تسمہ سے۔ اور دوسرے گوشہ میں بلال و عامر کو دیکھا یہ دونوں حضرات کفار قریش پر لعنت بھیج رہے تھے۔ اور مکہ اور اس کے مقامات کو یاد کر کے اشعار پڑھ رہے تھے اور سر زمین مدینہ اور اس کی شدت کی شکایت کر رہے تھے۔ اس موقع پر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے بخار اور وبائی امراض حجۃ کو چلے جائیں چنانچہ اس بات کا صادر ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات عظیمہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں جو شخص مدینہ میں داخل ہونے کا قصد کرتا اور چاہتا کہ مدینہ کی دبا سے محفوظ رہے تو اس پر لازم تھا کہ جب مقام ثنیۃ الوداع (ایک مقام کا نام ہے) پر پہنچے تو دس مرتبہ گدھے کی آواز نکالے تب آگے بڑھے اور اس مقام کا نام ثنیۃ الوداع اسی سبب سے پڑ گیا تھا۔ مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص اس جگہ پہنچ کر گدھے کی آواز نہ نکالتا تو لوگ کہتے کہ اس نے اپنی حیات کو رخصت کر دیا یعنی اپنے کو ہلاک کیا۔ لیکن بہ زمانہ سعادت نشان ہجرت حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک عرب شاعر نے جس کا نام عروہ بن الورد تھا مدینے میں داخلے کا ارادہ کیا اور اس مقام پر پہنچا جہاں اُس سنت بد اور عادت شنیعہ پر عمل لازمی تھا۔ تو اس نے انکار کر دیا اور شعر پڑھا۔

لعمری للئن عشرت من خشیتہ الردی

نہات الحمیرانی لجزوع

ترجمہ: قسم ہے مجھے میری عمر کی گدھے کی آواز نکال کر زندہ رہنے سے مرجانا بہتر ہے۔ اور وہ بغیر آواز نکالے مدینہ میں داخل ہو گیا اور کوئی آفت جو عوام کے وہم میں تھی اس کو نہ پہنچی۔ اس کے بعد سے یہ عادت بد بھی متروک ہو گئی ثنیۃ الوداع کا ذکر کتب حدیث میں بہت جگہ آیا ہے۔ لیکن اس کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ ایک تو یہی ہے جس کو اوپر بیان کیا گیا ہے اور دوسری یہ ہے کہ اس کو ثنیۃ الوداع اس لئے کہتے تھے کہ اہل مدینہ اپنے مہمان کو وہاں تک رخصت کرنے کے لئے جاتے تھے۔

مدینہ منورہ کا ایک وصف اور سنئے۔ وہ یہ ہے کہ یہ شہر مقدس دجال کے وجود اور نجاست سے محفوظ رہے گا۔ صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ اُس زمانے میں مدینہ منورہ کی ہر گلی پر فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہوگی کہ اس کی حفاظت کرے اور دجال کے داخلے کو روک دے۔ دوسری حدیث میں یہ آیا ہے کہ روئے زمین پر کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں دجال نہ جاسکے سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ مسلم کی احادیث میں آیا ہے کہ دجال کا خروج مشرق کی جانب سے ہوگا اس کے بعد وہ مدینہ کا ارادہ

کرے گا۔ جبل احد کی پشت پر پڑاؤ ڈالے گا لیکن ملائکہ اُس کے چہرہ کو شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہ خود شام میں ہلاک ہو گا۔ صحیحین میں آیا ہے کہ مدینہ کے بہترین اشخاص میں سے ایک صاحب دجال کے سامنے آئیں گے اور کہیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں تو وہی دجال ہے جس کے خروج کی خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ ابو حاتم معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ یہ خضر علیہ السلام ہوں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث صحیح میں روایت کیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الخلاص کا تذکرہ کیا اور حضور کی زبان مبارک پر بار بار اس کا ذکر آیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یوم الخلاص کیا ہے فرمایا جس دن دجال آئے گا اور جبل احد پر چڑھ کر نگاہ کرے گا اور اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ تم جانتے ہو یہ سفید محل جو دکھلائی دیتا ہے کیا ہے پھر خود ہی جواب دے گا کہ یہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے۔ اس کے بعد مدینہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے گا۔ لیکن مدینہ مطہرہ کے ہر راستہ پر ایک فرشتہ پائے گا جو اس راستہ کی حفاظت کر رہا ہو گا اس وقت دجال وادی کے ان اطراف میں جس طرف شہر کا پانی جاتا ہے خیمہ گاڑے گا تب مدینہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا اس میں جو لوگ کافر۔ فاسق اور منافق ہوں گے وہ دجال کی طرف چلے جائیں گے اور مدینہ ان خبیث و نجس لوگوں سے پاک ہو جائے گا۔ یہی دن یوم الخلاص ہو گا اس کے منجملہ اوصاف کے یہ بھی ہے کہ حکیم مطلق نے اس شہر کی مٹی اور پھلوں میں شفا کی خاصیت رکھتی ہے بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ مدینہ کے غبار میں شفا ہے اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جذام اور برص کو آرام ہو جاتا ہے لیکن بعض اخبار میں یہ ہے کہ بعض مخصوص جگہ کی مٹی جنہیں صعیب اور وادی بطحان کہتے ہیں ان امراض کے لئے خصوصیت رکھتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب سے حکماً فرمایا تھا کہ بخار کے مرض کا علاج اس پاک مٹی سے کرو۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں یکے بعد دیگرے یہ بات منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ دوا کے لئے اس مٹی کو لے جانے کے لئے بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ جو لوگ حرم کی مٹی کو لے جانے کے لئے منع کرتے ہیں۔ وہ بھی اس خاص مٹی کو اس عموم سے تخصیص کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اکثر علماء اس علاج کو مجرب کہتے ہیں۔ شیخ مجد الدین فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ میں نے خود تجربہ کیا ہے میرا ایک غلام

ایک سال متواتر بخار کے مرض میں گرفتار رہا۔ میں نے اس جگہ کی تھوڑی سی مٹی لی اور پانی میں ڈال کر غلام کو دے دی۔ ایک ہی دن میں صحت یاب ہو گیا۔ راقم الحروف بھی اس علاج کے تجربہ اور مشاہدہ سے مشرف ہوا ہے جس زمانہ میں مدینہ پاک کا قیام میرے لئے باعث شرف ہوا تھا میرے پیروں پر ایسا درم ہوا کہ اطباء نے اس کو بالاتفاق ہلاکت اور فنا کی علامت بتویز کیا۔ میں نے اس پاک مٹی سے اپنا علاج کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں سہولت اور آسانی کے ساتھ آرام ہو گیا۔ اس شہر پاک کے پھلوں سے شفا ہونا صحیحین میں آیا ہے کہ جو شخص سات عدد عجوہ کھجوریں نہ سار منہ کھائے اس پر زہر اور جادو اثر نہ کرے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کھجوروں کو دوران سر کے لئے (جو بہت سخت مشہور ہے) حکم فرمایا کرتی تھیں۔ عجوہ ایک قسم کا پھل ہے۔ اہل مدینہ اس سے واقف ہیں لیکن بعض کہتے ہیں کہ عجوہ کی اصلیت اس درخت سے ہے جس کو آنحضرت سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لگایا۔ اور تمر کی قسمیں مدینہ میں اس درجہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا دشوار ہے۔ تاریخ کبیر میں سید علیہ الرحمۃ نے ایک سو انتالیس شمار کی ہیں۔ منجملہ تمر کی قسموں کے ایک صیحانی کھجور ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ ایک روز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے مدینہ کے بعض باغوں میں تشریف لے گئے یکا یک درخت میں سے آواز آئی ہذا محمد سید اکمل نبیاء و ہذا علی سید اکمل ولیاء ابواکلا نعمتا الطاہرین۔ ترجمہ :- یہ محمد ہیں سردار نبیوں کے اور یہ علی ہیں سردار اولیاءوں کے۔ باپ اکمل طاہرین کے۔ اس کے بعد دوسرے درخت کے پاس گزر رہا آواز آئی ہذا محمد رسول اللہ و ہذا علی سید اکمل۔ ترجمہ :- یہ محمد ہیں رسول اللہ کے اور یہ علی سید اکمل ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو صیحانی کہتے ہیں کیونکہ صحیحہ لغت میں بمعنی آواز کے ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کان احب التمر لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العجوة ترجمہ :- فرمایا کہ تمر کی تمام قسموں میں محبوب ترین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عجوہ تھا اور ہم نے تسلیم کر لیا کہ یہ خاصیت مذکور اس کھجور میں بوجہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھی۔ دلیل کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام اقسام کھجور میں عجوہ کو خصوصیت دینا اور خاص سات ہی

عدد کو مخصوص کر دینا منجملہ اسرار کے ہے کہ شارع علیہ السلام کے سوا اس کی حکمت کوئی نہیں جان سکتا ہم کو اسی پر ایمان لانا چاہیئے اور یہی اعتقاد رکھنا چاہیئے اور جو بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ تاثیر وہاں کی ایک خاص زمین کی مخصوص کیفیت ہوائی کے سبب سے ہے۔ یا محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ خاصیت تھی یا امور کثیر الوقوع سے ہے۔ ہمیشہ کے لئے خاص کھجور میں یہ خاصیت نہ تھی۔ جس کا وجود اب اس زمانے میں نہیں ہے۔ یہ تمام احتمالات تکلفات و اہیہ ہیں جو عقل کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں۔ تعجب تو اس مومن پر ہے کہ اس کو یہ حدیث پہنچی ہو اور اس طرح کی خبر سنی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کو جو اقسام تمر سے دوست رکھا ہے اور رغبت سے تناول فرمایا ہے۔ پھر اس کی خاصیت کے سلسلے میں اہل طبیعت کی من گڑھت تاویلوں پر یقین کر لے۔ یہ بات اس شخص کی بے نسبتی کو یاد دلاتی ہے۔ نعوذ باللہ منہ بہت

نہ کوڑہ قطرہ چکدہ چشمہ حیات شود

چولب بکوڑہ نہی کوڑہ نبات شود

منجملہ جمیع اوصاف کے جو اس شہر مقدس کو حاصل ہیں ایک مسجد شریف ہے جو انبیاء کی آخر مساجد میں ہے۔ اور دوسری مسجد قبا ہے جو ابتدائی مسجد ہے اور اس کی بنیاد دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے رکھی گئی ہے۔ اور حضور کی مسجد شریف میں قبر شریف اور منبر شریف کے درمیان جتنی جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جو اپنے مرتبہ میں بہشت عالی مقام کا حکم رکھتا ہے۔ اور جبل احد جنت کے پہاڑوں میں سے ہے جو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب ہے۔ اور بقیع کا مقبرہ کہ آپ کی آل کرام اور صحابہ عظام کا جائے قیام ہے۔ اور مشہد سید الشہداء اور بقیع مشاہد نیز دوسرے مقامات شریف اور مکانات متبرکہ جن میں سے ہر ایک کی فضیلت اور بزرگی میں اخبار و احادیث وارد ہوئے ہیں یہیں ہیں۔ چنانچہ ان اوراق کے صفحات ان کی سرفی سے شرف پائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام شہر شمشیر سے فتح ہوئے ہیں اور مدینہ شریف قرآن سے فتح ہوا۔ چنانچہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ذکر میں یہ بات واضح ہو جائے گی۔ منجملہ اس کے اوصاف کے یہ بھی ہے کہ مدینہ سے بلا وجہ

شرعی نکلنے پر وعید آئی ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم فریضہ حج ادا کرنے کے بعد بہت جلد مدینہ کو واپس آتے تھے۔ مکہ معظمہ میں ضرورت سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے۔ اور ساکنان مدینہ کی یہ عادت باسعادت اب تک اسی روش پر ہے جس سے اس کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ بیت۔

صبر از درت محال بود اہل شوق را	ور زانکہ در بہشت بریں رفتہ جا کنند
--------------------------------	------------------------------------

منجملہ اس کے اوصاف کے ایک یہ ہے کہ اس حرم کی تحریم مثل مکہ کے ہے چنانچہ اس کے ذکر میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اور اس کے حدود کے بیان کرنے اور تحریم کے حکم مرتب ہونے میں علما اختلاف رکھتے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی تحریم کے معنی محض تعظیم اور تکریم کے ہیں۔ بغیر احکام حرم کے ثبوت کے مثل شکار کا حرام ہونا۔ درخت کا کاٹنا۔ جزائر کا لازم ہونا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے کہ مدینہ کی حرمت اور احکام کا مرتب ہونا حرم مکہ کے مثل ہے۔ بلا نقاد کے اور ساتھ ہی اس مسئلہ کی تحقیق فقہ کی کتب میں خلاصہ کر کے لکھی ہے اور خاص کر سید علیہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں انتہا درجہ کی کوشش کر کے اچھی تقریر کی ہے۔ واللہ اعلم۔

از انجملہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے کہ لوگوں کو اس شہر بزرگ کے باشندوں کی تعظیم کرنا چاہیے۔ اس مدعا کا ثبوت اُس وعید سے چلتا ہے جو اہل مدینہ کے ڈرانے اور دھمکانے پر آئے ہیں وہ بھی معلوم ہو جائیگی۔ اور دیگر احادیث بھی جو اس بارے میں لکھی جائیں گی۔ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةُ مُحَاجِرَةٌ۔ ترجمہ: مدینہ میری ہجرت کا مقام ہے وَفِيهَا مَصْنَعِي۔ ترجمہ: اور اس میں میری خواب گاہ ہے۔ (کنایتاً اپنے مزار مبارک کی خبر دی ہے) وَفِيهَا مَصْنَعِي۔ ترجمہ: اور مدینہ میں ہے بعثت میری۔ اور اسی مقام پر شہزادہ رحمت کے فرشتے ہیں جن سے قبر شریف ڈھکی رہتی ہے۔ اور آپ یہیں سے اٹھیں گے۔ حقیقاً علی اُمتی حفظ جبرانی۔ ترجمہ: میری امت پر لازم ہے کہ میرے ہم سایہ کی حفاظت اور حرمت کریں اور ان کے حقوق کی رعایت کرنے میں ذرہ برابر فرو گذاشت نہ کریں۔ اور اگر اہل مدینہ سے اپنے مزاج کے خلاف کوئی بات پاویں تو اس پر مواخذہ نہ

نہ کریں۔ جہاں تک ہو سکے معاف کر دیں۔ مَا اجْتَنِبُوا الْكِبَائِرَ۔ ترجمہ:- جب تک اہل مدینہ کبیرہ کے مرتکب نہ ہوں اس وقت تک شریعت مطہرہ کا جو کچھ حق ہو حق اللہ و حق العباد میں قائم کریں۔ مَنْ حَفِظَهُمْ كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا وَتُفْصِيحًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ترجمہ:- جو شخص ان کی حرمت کی حفاظت کرے گا میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔ وَمَنْ لَمْ يَحْفَظْهُمْ سَفِي مِنْ طِبْنَةِ الْجِبَالِ۔ ترجمہ:- اور جو شخص اہل مدینہ کی حرمت کے حقوق کو نگاہ میں نہ رکھے گا اس کو طینت خیال پلایا جائے گا۔ یہ ایک حوض ہے دوزخ میں جس میں دوزخیوں کا خون اور پیپ جمع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھیں منجملہ اس کے اوصاف کے یہ ہے۔ حدیث صحیحہ میں آیا ہے لَا يَرِيدُ أَحَدُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ بُسُوءَ إِلَّا أَذَابَهُ اللَّهُ فِي النَّارِ مَكَانَ ذَوْبِ الرِّصَاصِ أَوْ ذَوْبِ الْمِلْحِ فِي الْمَاءِ ترجمہ:- جو شخص کہ اہل مدینہ سے بدی کا ارادہ کرے گا اور ان کو ایذا پہنچانے کی غرض سے کسی مقام پر کھڑا ہو گا وہ شہنشاہ جبار کے عذاب میں گرفتار ہو گا۔ اور آگ میں مانند رانگ کے اور نمک کے پانی میں پگھل جائے گا۔ بعضوں نے اس کو آخرت کے عذاب سے خاص کیا ہے لیکن حدیث کے ظاہر الفاظ نیز احوال کے مشاہدات اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ اس لئے کہ عذاب آخرت مستحق قرار پا جانے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ کی فضا و قدر اس طرح پر جاری ہے کہ جو شخص اہل مدینہ سے لڑائی کرے یا ان کی ایذا پر کمر باندھے وہ تھوڑے ہی دنوں میں اس گناہ کے وبال اور عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز تھے۔ آپ نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھا کر فرمایا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَرَادَنِيْ دَوَا اَهْلَ بَلَدِيْ بِسُوءٍ فَجَعَلْ هَلَاكَهُ۔ اے اللہ جو شخص میرے اور میرے اہل شہر کے ساتھ بُرائی کا خیال کرے اس کو جلد ہلاک کر۔ چنانچہ بعض لڑائیوں کے واقعات جو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یا ان کے علاوہ ہوئے ہیں اس بات کی تصدیق پر شاہد ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ صحیح حدیث میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فتنہ پرداز سرداروں میں سے ایک سردار مدینہ میں آیا جابر رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ میں تھے اور آپ کی بینائی کبرسنی کی وجہ سے جاتی رہی تھی۔ ان سے کہا کہ مصلحت وقت اس میں ہے کہ اس ظالم کے مقابلے سے تھوڑے دنوں

کے لئے کنارہ کشی اختیار کی جائے تاکہ اس فتنہ کی آفت اور اس ابتلا کے خوف سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ آپ اپنے دونوں صاحبزادوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مدینہ منورہ باہر جا رہے تھے۔ ضعف پیری اور بینائی کے نہ ہونے کی وجہ سے یکایک زمین پر گر پڑے اس وقت آپ نے کہا ہلاکت ہو اس شخص کی جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا۔ آپ کے ایک لڑکے نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا کس طرح ہے۔ حالانکہ حضور اس دار فانی سے دار بقا کو تشریف لے جا چکے ہیں۔ اس پر جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اہل مدینہ کو ڈرایا بیشک گویا اس نے مجھ کو ڈرایا یا انسانی کی روایتوں میں آیا ہے مَنْ أَخَافَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ ظَالِمًا خَافَهُ اللَّهُ وَكَأَنْتَ عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ترجمہ:- جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے اس کو اللہ ظلماً ڈراتا ہے۔ اور اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس کا کوئی عمل فرض یا افضل مقبول نہیں ہے۔ نیز اس باب میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ سید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر مثنیٰ بن عمارؓ سے جابر رضی اللہ عنہ بھاگے تھے بشر بن ارطاة تھا۔ اس لئے کہ قرطبی ابن عبد البر سے روایت لاتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو حکموں کے فیصلہ کرنے کے بعد بشر بن ارطاة کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا تاکہ اس شہر کے باشندوں سے ان کی خلافت پر عہدِ بیعت لیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس وقت امیر المومنین علی سلام اللہ علیہ کی جانب سے مدینہ میں عامل تھے۔ خوفِ شرار کی وجہ سے جناب ولایت مآب مرتضوی سلام اللہ علیہ سے جا ملے۔ بشر مدینہ میں آیا اور کہا کہ اگر امیر المومنین کا عہد اور ان کا حکم نہ مالو گے تو اس شہر میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا اور سب کو تیغِ سیاست سے ہلاک کر دوں گا۔ اس کے بعد تمام اہل مدینہ منورہ کو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کے لئے طلب کیا اور ایک قاصد بنی سلمہ میں بھیجا کہ اگر تم جابر بن عبد اللہ کو حاضر نہ کرو گے تو میرے ذمہ اور امان میں نہیں ہو۔ جابر رضی اللہ عنہ نے جب یہ خبر سنی تو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی

خدمت میں آئے اور ان سے صورت حال بیان کی۔ اور بشر کی مجلس میں حاضر ہونے کی بابت مشورہ کیا اور کہا کہ یہ بہت ضلالت ہے اس میں فلاح کی امید نہیں ہے لیکن ترک بیعت میں امان بھی نہیں ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جابر کو چارونا چار بیعت کی اجازت دے دی۔ اکثر اہل مدینہ بھاگ کر حرہ بنی سلیم میں جا چھپے۔ علماء رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے یہ لعنت جو اہل مدینہ پر ظلم و فساد کا ارادہ کرنے والوں پر وارد ہوئی ہے لعنت کفار اور اہل شرک کے مثل نہیں ہے جس میں رحمت الہی اور نعمت غیر منتہی سے مطلقاً امید پائی جاتی ہے یا جنت میں داخلہ سے محرومی کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لعنت کا مآل دربار جل جلالہ میں رحمت خاص حاصل کرنے سے دور رہنا ہے۔ اور اول اول اہل قرب اور اصحاب پاکیزہ کے گردہ کے ساتھ بہشت میں داخل ہونے سے محروم رہنا ہے۔ جن کا دامن عصمت ظلم و فساد کی نجاست سے پاک رہا ہے۔ اس لعنت کا مقصد حقیقت میں لوگوں کو بے ادبی پر ڈرانا دھمکانا ہے کہ اس مقام پاک کا احترام کیوں نہیں کیا اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس شہر میں گناہ صغیرہ کبیرہ کا حکم رکھتا ہے جس طرح بعض علماء حرم مکہ میں گناہ کے دو گنا ہو جانے کے قائل ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ تمام برائیوں میں سب سے بڑی بُرائی وہ ہے جو یزید پلید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قتلِ امام حسین ابن علی سلام اللہ علیہما کے بعد واقع ہوئی ہے۔ یہ واقعہ حرہ کا ہے۔ اس کو حرہ واقم اور حرہ زہرہ کہتے ہیں۔ یہ مدینہ پاک کے اطراف میں ایک میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ جو کچھ کہ قتلِ دُخوزیری، بے حرمتی اور فساد اس شہر پاک کی حرہ میں واقع ہوئی ہے۔ اس کا ذکر ہی پاکیزہ قلوب کی کدورت اور رنجش کا باعث ہے لیکن چونکہ اس کا واقعہ ہونا مخبر صادق کے قول کے مصداق ہے۔ آپ نے اس زمانے سے پیشتر ہی خبر دے دی تھی اور اس کا انجام اس شہر کے فضائل و خصائص سے متعلق رکھتا ہے بتقاضائے مضمون حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو شخص اہل مدینہ کو تکلیف پہنچائے گا اور ڈرائے گا تو انجام کار اس کا دُنیا و آخرت میں عذاب اور وبال ہے۔ چنانچہ قصہ کے سیاق سے واضح ہو جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مناسبت سے کچھ تذکرہ کیا جائے آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ بعض علماء کا مذہب ہے اور جو بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مدینہ منورہ انتہائی رونق و جمال اور آبادی کے باوجود تنزلی کی جانب رونا ہو گا اور لوگ اس کی

سکونت ترک کر دیں گے وہ وحشی جانوروں کا مسکن ہو جائے گا۔ اس حدیث کا مصداق یہی خوفناک واقعہ ہے۔ لیکن امام نووی کا فرمانا تحقیق اور پسندیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حال اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب ہوگا اس لئے کہ بعض علامات جو اس حدیث میں آئی ہیں واقعہ حرہ میں ظاہر ہوئیں۔ چنانچہ ابن شیبہ کی روایت میں آیا ہے کہ مقدس شہر چالیس سال تک ویران رہے گا اور وحشی جانوروں کا مسکن ہو جائے گا۔ اس کے بعد دونوں جوان قبیلہ مزینہ سے آئیں گے جب وہ دونوں مدینہ منورہ کو اس حالت میں دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے بطریق تعجب کہے گا یہاں کے آدمی کہاں گئے۔ ان کو یہاں سوائے لومڑیوں اور بھوکے جانوروں کے اور کچھ نہ معلوم ہوگا۔ اس حالت کا وقوع اخیر زمانے میں ہوگا۔ اور اس واقعہ کے متعلق خاص کر اخبار و آثار صحیح اشارتاً و صراحتاً آئے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک دن آئے گا جس میں اہل مدینہ کو مدینہ سے باہر کریں گے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کون شخص ہوگا جو ان کو باہر کرے گا۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ ایک مرد بُرا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ میری اُمت کی ہلاکت قریش کے ایک قبیلہ سے ہوگی۔ عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت میں ہمارے لئے کیا حکم فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مخلوق سے گوشہ نشینی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مدینہ میں لڑائی واقع ہوگی۔ اور وہ دین کو ایسا صاف کر دے گی جس طرح سے سر کے بالوں کو مونڈ دیتے ہیں۔ اس دن مدینہ سے باہر نکل جاؤ اگرچہ ایک منزل کی مقدار ہو اور پھر دوسری جگہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھ کو سنسنہ ہجری کے حوادث اور لڑکوں کی حکومت سے محفوظ رکھ اور اس وقت کے آنے سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھالینا یہ اشارہ یزید کے زمانے کی طرف ہے۔ یزید سنسنہ ہجری میں تخت نشین ہوا اور حرہ کا واقعہ بھی اسی کے زمانے میں وقوع پذیر ہوا۔

واقعی کتاب حرہ میں ایوب ابن بشر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سید ابراہیم علیہ السلام کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے جب حرہ زہرہ میں پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور آیت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھی۔ صحابہ نے سمجھا شاید حضورؐ کو معلوم ہو گیا کہ اس سفر کا انجام مدعا کے موافق نہ ہوگا۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ

آپ نے کیا دیکھا جو استرجاع فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ کوئی ایسا امر جس کا تمہارے اس سفر سے تعلق ہو نہیں ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر کیا چیز ہے ہم بھی جان لیں فرمایا کہ اس حرہ سنگستان میں جو لوگ میری امت کے بہترین ہیں میرے صحابہ کے بعد شہید ہوں گے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جس وقت آپ اس مقام پر پہنچتے تھے تو اپنے دست مبارک سے اشارہ فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس حرہ میں میری امت کے بہترین لوگ شہید ہوں گے رضی اللہ عنہم۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے۔ اور کعب بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا تو ریت میں آیا ہے کہ مدینہ منورہ کے شرقی سنگستان میں بہت سے مقتول ہوں گے کہ جن کے چہرے قیامت کے دن چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اور ابن زبالب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک دن بارش بہت ہوئی اور حضرت عمرؓ اپنے دوستوں کے ساتھ مدینہ کے اطراف میں تفریحاً نکلے جب اس مقام پر پہنچے جس کو حرہ واقف کہتے ہیں تو دیکھا کہ پانی کی رد وادی کی ہر جانب سے رواں تھی۔ کعب احبار بھی آپ کے ہمراہ تھے انہوں نے کہا اے امیر المومنین خدا کی قسم جس طرح یہ پانی بہہ کر آ رہا ہے خون کی رو بھی اس وادی میں اسی طرح رواں ہوگی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نزدیک آئے اور کہا اے ابو اسحق یہ واقعہ کس زمانے میں ہوگا۔ کعب نے کہا اسی ابن زبیر بچو اور ڈرو کہ یہ تمہارے ہاتھ پر سے واقع نہ ہوگا۔ اب اس واقعہ کے باب میں اہل تاریخ بطور تفصیل اور اجمال کے تقریب کرتے ہیں۔ اس مقام پر مورخ کی عبارت اس نے جس طرح پر تقریر کی ہے مجمل یا مفصل اس کا ترجمہ کیا جائے گا تاکہ اصل معاملے میں کوئی تبدل تغیر نہ واقع ہو واللہ اعلم۔

قرطبی کہتے ہیں کہ مدینہ پاک سے اہل مدینہ کے نکلنے کا سبب جو بعض احادیث میں آیا ہے یہی واقعہ حرہ ہے۔ جس زمانے میں یہ شہر مقدس خوبی اور آبادی میں حسن و کمال کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا اس کا یہ حسن و کمال اصحاب مہاجرین و انصار اور علمائے تابعین کے وجود کے سبب سے تھا۔ اس وقت حوادث اور فتنے پلے درپلے اس شہر کی جانب متوجہ ہوئے اس وقت اہل مدینہ نے ان آفات کے خوف سے اس شہر سے جو مقام رحمت اور جائے نزول برکات ہے سفر کرنا اختیار کیا اور یزید ابن معاویہؓ نے

مسلم بن عقبہ مریٰ کو شامیوں کا ایک بڑا لشکر دے کر اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تاکہ ان لوگوں کو مدینہ مطہرہ کے حرہ میں نہایت سختی سے قتل کرے اور جتنی شدت کر سکتا ہو کرے۔ تین روز تک حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرتی کر کے داد بے دینی دی۔ اسی سبب سے اس کو واقعہ حرہ کہتے ہیں اس واقعہ کا وقوع و اقسام حرہ میں ہوا۔ یہ جگہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں پر ایک ہزار سات آدمیوں کو مہاجرین انصار اور علمائے تابعین کے علاوہ شہید کیا اور عورتوں اور بچوں کے علاوہ عوام میں سے دو ہزار آدمیوں کو مار ڈالا۔ سات سو حافظ قرآن نیز قوم قریش کے ستائیس افراد کو ظلم کی تلوار سے ذبح کر ڈالا۔ فسق و فساد اور زنا کو مباح کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے اولاد زنا کی جنی تھی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں گھوڑوں کو جولانی دیتے تھے اور غضب کی بات سننے کہ روضہ شریف و منبر شریف کی درمیانی جگہ میں جس کی بابت صحیح حدیث میں آیا ہے کہ یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یہاں پر ان کے گھوڑے لبد اور پیشاب کرنے تھے۔ اور مسلم بن عقبہ مریٰ تمام لوگوں کو یزید پلید کی بیعت اور اس کی غلامی کے عہد پر اس طرح آمادہ کرنا چاہتا تھا کہ اگر چاہے تو بیچ ڈالے اور چاہے تو آزاد کر دے خواہ وہ اللہ جل جلالہ کی طاعت کی جانب بلائے یا گناہ پر جبر و اکراہ کرے۔ جب یزید پلید کے نزدیک عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے حکم قرآن و حدیث کے موافق بیعت کا ذکر کیا تو فوراً ان کی گردن مار دی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اہل اخبار کا بیان یوں ہے کہ مدینہ منورہ اس زمانے میں مطلقاً آدمیوں سے خالی تھا اور اس شہر پاک کے میوے اور پھل و خوش اور چوپایوں کی غذا ہوتے تھے۔ کتے اور دوسرے جانوروں نے مسجد شریف میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ مخبر صادق نے جس طرح پر یہ خبر دی تھی اس کا اسی طرح ظہور ہوا۔ یہاں تک تو قرطبی کے کلام کا ترجمہ تھا۔ اب طبرانی کا بیان سنئے۔ طبرانی حدیث کے علمائے عظام میں سے ہیں یہ ایک بڑی حدیث میں عودہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے دار فانی سے دار آخرت کو سفر کیا تو عبد اللہ ابن زبیر نے یزید پلید کی اطاعت سے اعراض کر کے اس کے بیعت سے انکار کر دیا اور اس کی دشنام دہی پر زبان کھولی جب یزید کو اس حالت کی خبر پہنچی تو اس نے ایک شخص کو ان کی گرفتاری کے لئے روانہ کرتے ہوئے

اسے قسم دی کہ ان کو گردن میں طوق ڈالے بغیر ہمارے سامنے نہ لانا۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے دوستوں نے کہا کہ اگر آپ یزید کی قسم پوری کرنے کے لئے اپنی گردن میں چاندی کا طوق بنوا کر ڈال لیں اور اوپر سے کپڑے پہن لیں تو بے شک یزید کے ساتھ آپ کی صلح امن اور سلامتی کے قریب ہوگی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خداوند تعالیٰ اس کو اس قسم میں ہرگز سچا نہ کرے گا۔ میں کبھی غیر خدا کے سامنے نرم نہیں ہوتا ہوں بالکل اسی طرح جس طرح سے سخت پتھر دانتوں کے نیچے نرم نہیں ہوتا۔ اس کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کر دیا۔ اور لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف بلایا۔ یزید پلید ابن معاویہ نے مسلم بن عقبہ مریؓ کو اہل شام کی ایک فوج کے ساتھ ساکنانِ مدینہ سے جنگ کے لئے بھیجا اور حکم دیا کہ مدینہ کو فتح کر لینے کے بعد مکہ کی جانب متوجہ ہو جانا اور عبداللہ بن زبیر کو بھی ختم کر دینا۔ جب مسلم بن عقبہ مدینہ میں آیا تو بقیہ اصحاب رضی اللہ عنہم نے جو اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود تھے۔ شہر کو خالی کر دیا۔ مسلم بن عقبہ مدینہ طیبہ کے باشندگان کو قتل کرنے میں حد سے تجاوز کر گیا اور فساد برپا کر کے مکہ معظمہ کی جانب متوجہ ہوا۔ نصف راستہ میں بیمار ہوا اور مر گیا اپنے بعد حصین بن نمیر کو اپنا جانشین بنا گیا دوسری طرف یزید بھی ابن زبیر کے محاصرہ نیز مخبیط کے استعمال اور آگ لگا دینے کی وصیت کر کے مر گیا۔ جب حصین بن نمیر کو یزید کی موت کی اطلاع پہنچی تو بھاگ گیا اور یہ لڑائی اختتام کو نہ پہنچ سکی۔ یہ کلام طبرانی کا تھا۔

اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ جب ۶۲ھ شروع ہوا تو یزید پلید بن معاویہؓ نے عثمان ابن محمد ابی سفیان کو جو اس کا چچا زاد بھائی تھا مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ باشندگانِ مدینہ کو یزید کی بیعت پر دعوت دیں۔ عثمان ابن محمد نے اہل مدینہ سے ایک جماعت کو یزید کی جانب روانہ کیا اس کے بعد جب یہ جماعت یزید کے پاس سے مدینہ طیبہ واپس آئی تو اس نے یزید پلید کی دشنام طرازی پر زبان کھولی اور اس کی بے دینی، شراب نوشی، ممنوعات کے ارتکاب اور کتوں سے کھیلنے کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اس کی دوسری بُری باتیں بھی لوگوں سے بیان کیں اس کی بیعت سے علیحدگی بھی اختیار کر لی اور بقیہ اہل مدینہ کو اس کے قصد بیعت و اطاعت سے روکا۔ منذر ایک شخص تھے جن کا تعلق اسی جماعت سے تھا۔ انھوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ مجھ کو یزید نے

ایک لاکھ درہم دئے ہیں اور میرے ساتھ احسان بھی کئے ہیں لیکن میں سچائی کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔ یزید شراب نوش اور تارک صوم و صلوٰۃ ہے۔ یزید کی بیعت توڑ دینے کے بعد اہل مدینہ نے قرار بیعت عبداللہ ابن حنظلہ غسیل پر دیا اور عثمان بن محمد کو جو یزید شقی کی طرف سے مدینہ کا عامل تھا نکال کر اس شہر پاک کے میدان کو اغیار کی نجاست سے پاک کیا۔ عبداللہ بن حنظلہ کہتے تھے کہ میں اس وقت تک یزید کی بیعت سے باہر نہ ہوں گا اور اس پر خروج بھی نہ کروں گا۔ جب تک کہ ہم کو آسمان سے پتھر برسے کا خوف نہ ہو۔

اور ابن جوزی ابوالحسن بداسنی سے جو ثقہ راوی ہیں نقل کرتے ہیں کہ اہل مدینہ یزید کی علامات فسق و فساد کے ظاہر ہو جانے کے بعد منبر پر چڑھ کر اس کی بیعت سے منکر ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص مخزومی نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر کہا کہ اگرچہ یزید نے مجھ کو صلہ اور انعام دیا ہے نیز میری جائداد میں بھی اضافہ کر دیا ہے لیکن جو خدا کا دشمن اور دائم الحزم ہے میں نے اس کی بیعت کو اس طرح اپنے سے علیحدہ کر دیا جس طرح اپنی دشتار کو۔ دوسرا آدمی اٹھا پاؤں سے اپنی جوتیاں اتار کر اسی طرح یزید کی بیعت توڑ دی۔ یہاں تک کہ عماموں اور جوتیوں سے مجلس بھر گئی۔ اس کے بعد عبداللہ بن مطیع کو قریش پر اور عبداللہ بن حنظلہ کو انصار پر والی بنا دیا۔ اور جس قدر بنی اُمیہ تھے سب کو مروان کے مکان میں محصور کر دیا۔ مروان نے اور جو جماعت اس کے ہمراہ تھی فریاد رسی اور استعانت کے لئے یزید پلید سے شکر طلب کیا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو اہل مدینہ کے ساتھ جنگ کے لئے روانہ کر دیا۔ مسلم بن عقبہ ایک بڑھا معمر تھا۔ ضعف حالی کے باوجود اس نے جرأت اور بہادری سے اہل مدینہ کے باشندوں پر بہت باندھی اور ان کے قتل کا بیڑہ اٹھایا۔ ایک مناد نے یزید کے حکم کو با آواز بلند سنایا کہ جو شخص حجاز کی لڑائی میں قدم رکھنا چاہے وہ سرکار کے دفتر خاص سے اسباب سفر اور اسلحہ جنگ حاصل کر لے۔ اس کے علاوہ سو دینار بھی انعام کے طور پر دئے جائیں گے۔ جس وقت لوگوں نے یہ اعلان سنا بارہ ہزار آدمی آمادہ ہو گئے اور یہ قتل و فساد کے لئے روانہ کر دئے گئے۔ ابن مرجانہ کو حکم بھیجا کہ ابن زبیر سے لڑنے کے لئے جائیں۔ ابن مرجانہ نے اس حکم کی اطاعت میں توقف سے کام لیا اور کہا خدا کی قسم میں ایک فاسق کے لئے فرزند پیغمبر کے قتل اور جنگ بیت اللہ کو پسند نہ کروں گا۔ ایسی صورت میں مسلم ابن عقبہ کو بھیجا اور اس کو وصیت کر دی کہ اگر

تھے کوئی حادثہ پیش آجائے تو حصین بن نمیر کو اپنا جانشین بنادینا اور مزید حکم دیا کہ جن لوگوں کے لئے میں تجھے بھیجتا ہوں ان کو تین مرتبہ مقصد کی طرف بلانا۔ اگر وہ قبول کر لیں تو چھوڑ دینا ورنہ ان سے جنگ کرنا۔ اس کے بعد جب ان پر غالب آجانا تو تین دن تک حرم مدینہ منورہ کو حلال بنادینا اور یہاں سے جتنا مال اور ہتھیار حاصل ہو فوج میں تقسیم کر دینا۔ تین دن کے بعد پھر کسی قسم کا ظلم نہ کرنا۔ لیکن علی ابن حصین سلام اللہ علیہما سے کچھ نہ کہنا اس لئے کہ وہ اس جماعت کے اتفاق میں شامل نہیں ہیں۔ یہ خبر جب اہل مدینہ کو ملی تو باشندگان مدینہ بھی اہل فساد کی مدافعت پر تیار ہو گئے اور بنی اُمیہ کی جو جماعت محصور تھی اس سے کہا کہ ہم سے عہد کرو کہ ہم لوگ مکہ و فساد نہ کریں گے۔ اگر عہد نہ کیا تو اسی وقت تم سب کو تلوارِ سیاست سے ہلاک کر دیا جائے گا۔ بنی اُمیہ نے دفع الوقتی کے لئے اقرار کر لیا اور اہل مدینہ کے ہمراہ ظاہری طور پر مسلم بن عقبہ کے مقابلہ کے لئے باہر آ گئے۔ مروان بن الحکم نے اپنے لڑکے عبدالملک کو خفیہ طور پر مسلم بن عقبہ کے پاس بھیجا اور کہلا دیا کہ حرم کے اطراف سے آ کر ہر دست تین دن تک جنگ کو موقوف رکھنا اور ان دلوں میں مشورہ کے لئے اہل مدینہ سے متوجہ ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ کیا تدبیر کی جائے اور انہوں نے کیا سوچا ہے بسھوں نے کہا بجز لڑائی کے اور کوئی تدبیر نہیں ہے تاکہ یہ فتنہ و فساد اس خیر البسلاہ سے رفع کیا جائے۔ مروان نے کہا فتنہ و فساد کا مادہ برا نگینہ کرنا اچھا نہیں ہے اطاعت فرمان برداری کے لئے گردنیں جھکا دو اور یزید کی بیعت کر لو۔ اسی میں مصلحت ہے۔ اہل مدینہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور وہ لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ عبداللہ بن غنبل سوار ہوئے اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت و مردانگی دی۔ مسلم بن عقبہ کو اس مرض کی وجہ سے جو اس کو تھا ایک تخت پر بٹھلا کر دلوں صفوں کے درمیان میں لائے وہ اپنے لشکر کو ترغیب دیتا تھا۔ عبداللہ بن مطیع نے بھی اپنے سات لڑکوں کے ساتھ جنگ کی اور درجہ شہادت کو پہنچے۔ مسلم ابن عقبہ نے عبداللہ کے سر کو یزید پلید کے پاس بھیج دیا۔ آخر کار یزیدیوں کی فوج کو غلبہ ہوا۔ یزید کے حکم کے بموجب تین دن تک حرم مدینہ مباح رہا۔ لوٹ مار، قتل و غارت گری اور عورتوں کے ساتھ بدکاری ان کا پیشہ ہوا۔

واقعی نقل کرتے ہیں کہ باشندگان مدینہ نے لشکرِ یزید کے قریب ہونے کے بعد

ایک خندق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خندق کی بنیاد پر کھودنے کا مشورہ کیا اور ایک خندق کھودی۔ اس خندق کی کھدائی میں پندرہ روز تک مشقت برداشت کی۔ مدینہ منورہ کے گرد اگر وہ ایک خاردار قلعہ کی بنیاد رکھ کر دشمنوں کے آنے کا راستہ بند کر دیا۔ اور ہر طرف سے تیر و پتھر برسائے شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ دشمن کا حوصلہ لپٹ کر دیا۔ مسلم بن عقبہ ان کے خوف سے حرہ کے گوشہ میں گھس گیا اور مردان کے پاس آدمی بھیجنا تاکہ وہ اپنے تجربہ اور کسی حیلہ سے اس کی مدد کرے۔ مردان بنی حارثہ کے پاس آیا اور بعض لوگوں کو لالچ کے پھندے میں لا کر کہا کہ اگر ایک طرف کا راستہ کھول دو تو میں یہ واقعہ یزید کو لکھ بھیجوں گا۔ وہ تم لوگوں کے ساتھ انعام اور صلہ عظیمہ کے ساتھ پیش آئے گا۔ مردان کے فریب میں آکر بنی حارثہ کی ایک جماعت نے ان لوگوں پر راستہ کھول دیا۔ اور مسلم بن عقبہ کی فوج نے شہر میں داخل ہونے کا راستہ پالیا۔ اہل مدینہ کی جماعتیں جو ہر طرف کھڑی ہوئی تھیں اہل شام کے داخلے کی جگہ پر پہنچ کر جنگ میں مشغول ہو گئیں۔ ابن ابی حاتمہ صحیح روایت بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے بعض بزرگ بیان کرتے تھے کہ معاویہ نے جاں کنی کے وقت یزید پلید کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو اہل مدینہ سے ایک سخت دن پیش آئے گا۔ تجھے چاہیے کہ اس دن اس کی تدبیر مسلم بن عقبہ کے ذریعہ سے کرنا۔ اس لئے کہ میں اپنی رائے میں کسی شخص کو اس سے زیادہ مدبر نہیں دیکھتا ہوں۔ جب باپ کے بعد یزید پلید سخت امارت پر بیٹھا اور اہل مدینہ سے جنگ کا موقع پیش آیا تو اس وقت اس نے باپ کی وصیت ہی پر عمل کر کے اہل مدینہ کی لڑائی کو اختتام پر پہنچایا۔ واللہ اعلم۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت مسلم بن عقبہ کے پاس بغرض فریاد آئی اور اپنے لڑکے کے متعلق جو اس کی قبیلہ میں تھا بہت گریہ و زاری کی۔ مسلم بن عقبہ نے حکم دیا کہ اس عورت کے لڑکے کو بہت جلد قید خانے سے باہر لایا جائے۔ اور اس کی گردن کاٹ کر اس کا سر اس عورت کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ تو اپنی زندگی پر بس نہیں کرتی اور لڑکے کی سفارش میں آئی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے اکثر آدمیوں کو تین دن تک قید خانہ میں رکھا۔ اس طرح کہ پانی اور غذا کی خوشبو بھی ان کے دماغ تک نہ پہنچتی تھی۔ یحییٰ بن یسعد بن المسیب کو جو تابعین کبار میں سے تھے مسلم بن عقبہ کے پاس لائے اور کہا کہ یزید کی بیعت کرو۔

سید ابن المسیب نے کہا کہ میں نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کی سیرت پر بیعت کی۔ مسلم بن عقبہ نے کہا کہ میں ان کی گردن مارنے کا حکم دیتا ہوں۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ یہ مجنون ہیں تو مسلم بن عقبہ ان کے جرم سے درگزر کر۔ مسلم بن عقبہ کو مسرف کہتے ہیں۔ اس اسراف اور تعدی کی وجہ سے جو اس نے قتل و فساد میں برتی ہیں۔

واقعی کتاب اطہہ میں نقل کرتے ہیں کہ یزید پلید مسرف کے پاس آیا اس کو دیکھا کہ فالج کے مرض میں گرفتار بسترِ ہلاکت پر پڑا ہوا ہے۔ یزید نے کہا کہ اگر تجھ میں یہ ضعف اور مرض نہ ہوتا تو اس لڑائی کا حاکم اور والی تجھ کو بناتا اس لئے کہ میں تجھ سے بڑھ کر مخلص اور ناصح دوسرا آدمی نہیں پاتا ہوں۔ امیر المومنین یعنی میرے والد بزرگوار معاویہ ابن ابی سفیان نے مجھ کو اپنے مرض موت میں یہ وصیت کی تھی کہ اگر تجھے اہل حجاز کی طرف سے کوئی لڑائی پیش آئے تو اس کی تدبیر مسلم بن عقبہ کے ذریعہ سے کرنا۔ مسرف اٹھ بیٹھا۔ اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین تجھے خدا کی قسم ہے اگر تو میرے سوا کسی کو متولی بنائے اس لئے کہ اس کام میں اہل مدینہ کا دشمن میرے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس بارے میں ایک خواب دیکھا ہے۔ ایک درخت کو درختانِ غرقہ سے دیکھتا ہوں جو اپنی شاخوں کے ساتھ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقام کے متعلق فریاد کر رہا ہے۔ آگے گیا تو سُنتا ہوں وہی درخت کہتا ہے کہ اس کا انجام مسلم بن عقبہ کے ہاتھ سے ہو گا اس دن سے میں نے اہل مدینہ سے جنگ کی فال لی ہے۔ اور اپنے دل کو قاتلانِ عثمانؓ سے انتقام لینے کی تسلی دی ہے۔ یزید پلید نے جب اس کام کے اجراء میں اس کا نچتہ ارادہ پایا تو کہا کہ ہوشیار رہ اور بہرکتِ خدا اہل مدینہ کی طرف متوجہ ہو تو جن لوگوں کا حریف ہو گا اگر وہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے کو میری بیعت اور اطاعت قبول کرنے میں تیرے سردار ہوں تو تم تیغ بے دریغ قہر و سیاست سے کام لینا اور ان کے چھوٹے بڑوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑنا۔ تین دن تک لوٹ اور غارت کی داد دینا۔ اور اگر یہ لوگ تجھ سے جنگ نہ کریں تو ان سے تم بھی تعرض نہ کرنا۔ ہاں عبداللہ بن زبیر کی مہم پوری کرنے کی طرف متوجہ ہو جانا بیان کرتے ہیں کہ جب یہ مسرف ناعاقبت اندیش مقتولینِ حرم پر نظر ڈالتا تھا تو کہتا تھا کہ ان لوگوں کے مار ڈالنے سے اگر میں دوزخ میں جاؤں تو دنیا میں کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر بد بخت نہیں ہے ذکو ان سے

جو مردان کے غلاموں میں سے ہے روایت ہے کہ مسلم ابن عقبہ نے اس مرض کے سبب سے جو اس کو تھا ایک دوا استعمال کی اور دوا کھاتے ہی فوراً غذا طلب کی۔ طبیب نے کہا اگر غذا میں دوا کے استعمال کے بعد تھوڑی دیر صبر کرو تو بہتر ہے تاکہ جو دوا کھائی ہے کارگر ہو۔ مسلم بن عقبہ نے کہا اب مجھ کو زندگی کی آرزو نہیں ہے۔ اب تک میں حیات کو اس واسطے محبوب رکھتا تھا کہ سینہ کی سوزش کو قاتلان عثمان کے ساتھ آب شمشیر سے ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔ اب جب کہ یہ مُراد حاصل ہو گئی ہے تو کوئی چیز میرے نزدیک موت سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ اور میں اس پر یقین رکھتا ہوں کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھ کو ان ناپاکوں کے قتل کے سبب سے تمام گناہوں سے پاک کر دیا ہے۔ سید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس کی یہ بات حماقت۔ جہالت اور شقاوت سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس جماعت کا قتل موجب حرم اور معصیت ہے اور اس کے وبال اور عذاب سے چھٹکارا پانا نہایت دشوار اور مشکل ہے۔ منجملہ ان صحابہ کے جن کو بہ طریق ظلم قتل کیا ان میں عبداللہ بن حنظلہ الغبیل بھی تھے جو اپنے سات صابراؤں کے ساتھ قتل ہوئے تھے۔ اور عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ بھی وہ شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کرنا بیان کیا ہے۔ اور معقل ابن سنان الاشجعی یہ فتح مکہ معظمہ میں حاضر تھے اور انہی کے ہاتھ میں اپنی قوم کا جھنڈا تھا۔ بیان کرتے ہیں یہی سُرف شقی اور مردان ابن الحکم مقتولین حرم پر بطور سیر و تفریح چکر لگاتے تھے۔ یہ دونوں جب ان مظلوموں کے سر ہانے پہنچے تو عبداللہ ابن الغبیل کو دیکھا کہ کلمے کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے پڑے ہیں۔ مردان نے کہا کہ اگر تم نے موت کے بعد اپنی انگلی آسمان کی جانب اٹھائی ہے تو سمجھ لو ہم نے اپنی جہالت میں اپنی انگلیاں تمہارے ہاتھ کی طرح آسمان کی طرف نہیں اٹھائیں اور خدا کے دربار میں زاری نہیں کی اور بددعا بھی نہیں کی ہے۔ ایک آدمی نے جب یہ بات سنی تو کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر اس جماعت کی حالت واقعی ایسی ہی ہے جیسی کہ تو کہتا ہے تو ہماری رائے میں یہ سب مقتول اہل جنت ہیں اس کو سن کر مردان کہنے لگا کہ یہ لوگ دین کے مخالف تھے۔ اور عہدِ مسلمانی کو توڑتے تھے۔ نقل ہے کہ جب مردان اس واقعہ کے بعد یزید پلید کے پاس گیا تو یزید نے اس کی سعی کا کامل طور پر

شکر یہ ادا کیا جو اس نے اس واقعہ میں کی تھی اور اس کو اپنا مقرب بنایا۔
 ابن جوزی ایسی سند کے ساتھ کہ جو سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے نقل ہے
 بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حرہ کی راتوں میں میرے سوا دوسرا کوئی شخص مسجد نبوی
 صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھا۔ اہل شام جب مسجد میں آتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ دیوانہ
 بڑھا اس مقام پر کیا رہا ہے اور نماز کا کوئی وقت ایسا نہ گزرتا تھا جو میں اذان اور اقامت
 کی آواز حجرہ شریف سے نہ سنتا ہوں پھر اسی اذان و اقامت سے نماز ادا کرتا تھا اور
 کوئی شخص میرے ساتھ مسجد میں نہ ہوتا تھا۔ (رضی اللہ عنہ) اور اس واقعہ کی منجملہ جمیع
 خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کی داڑھی کے
 تمام بال نثار رہیں۔ ان سے دریافت کیا کہ آپ کی یہ صورت کیا ہے شاید آپ اپنی داڑھی
 سے کھیل کرتے ہیں فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اہل شام کا مجھ پر جو ظلم ہوا ہے اس کے
 آثار ہیں۔ اور اس کا تعلق واقعہ حرہ سے ہے۔ ایک گروہ میرے گھر میں گھس آیا اور تمام
 اسباب خانہ داری لے گئے اس کے بعد دوسری جماعت آئی جب گھر میں کوئی چیز نہ پائی
 تو ان لوگوں میں غصہ اور قہر کی آگ شعلہ زن ہوئی کہنے لگے کہ شیخ کو ہلاؤ پھر تو
 ان لوگوں میں سے ہر ایک نے میری داڑھی کا ایک ایک بال اکھڑنا شروع کیا اور اب
 جس حالت پر تم مجھے دیکھ رہے ہو ایسا کر دیا یہ معاملہ عقل سے خارج اور تصور سے
 باہر ہے۔ اور ان ظالموں کا جو انجام کار ہو گا ان کی دنیا اور آخرت کے تباہ ہونے کی اس
 میں واضح دلیل ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ مسرف بدکردار نے اہل مدینہ کو بے یل و پلید کی اطاعت اور غلامی
 پر مجبور کیا اکثر لوگوں نے چار و ناچار بیعت کا اقرار کیا۔ ان لوگوں میں سے ایک
 شخص قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا میں طریقہ طاعت میں بیعت کرتا
 ہوں معصیت میں نہیں۔ مسرف نے اس بیعت کو نہیں قبول کیا اور قتل کا حکم دے دیا۔
 اس مقتول کی ماں نے قسم کھائی کہ اگر میں قدرت پاؤں گی تو اس مسرف کو زندہ یا مردہ
 جلا دوں گی۔ اہل مدینہ کے قتل و غارت کے بعد مسرف نے ارادہ کیا کہ اب عبد اللہ
 ابن زبیر کو تباہ کروں۔ اس مقصد کے لئے مکہ معظمہ کو چلا لیکن دو تین دن کے بعد وہ جس
 مرض میں مبتلا تھا اسی میں مر گیا۔ وہ عورت اپنے چند غلاموں کے ساتھ اس کی قبر پر

گئی تاکہ اس کو قبر سے نکال کر اپنی قسم پوری کرے۔ جب قبر کو کھولا تو اس میں ایک اثر دھا دیکھا جو مسرف کی گردن میں لپٹا ہوا تھا اور اس کی ناک کی ہڈی منہ میں لئے چوس رہا تھا سب لوگ اس کی یہ حالت دیکھ کر ڈر گئے۔ اور عورت سے کہا کہ قادر مطلق نے اس کو اس کے اعمال کی سزا دیدی اور تو نے جس بات کا ارادہ کیا تھا اب اس کے انتقام سے درگزر کر اس کے لئے اتنا ہی عذاب کافی ہے۔ عورت نے کہا ہرگز نہیں میں نے خدا سے جس بات کا عہد کیا ہے جب تک اس کو پورا نہ کروں گی اس مسرف کے پاس سے نہ ہٹوں گی پھر اس عورت نے کہا کہ اس کو پردوں کی جانب سے نکالو۔ دیکھا وہاں بھی ایک اثر دھا اسی طریقہ پر لپٹا ہوا ہے اس عورت نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور نہایت گریہ و زاری کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دربار خداوندی میں دعا کی کہ اے خدائے قہار تو جانتا ہے کہ مسلم بن عقبہ پر میرا غصہ تیری رضا مندی کے لئے ہے مجھ کو موقع اور قدرت دے تاکہ میں اس کو اس گڈھے سے نکال کر جلاؤں۔ اس کے بعد ایک لکڑی لی اور اس سانپ کی دم پر ماری وہ سانپ اس کے سر سے جدا ہو کر باہر چلا گیا۔ عورت نے اپنے غلاموں سے کہا کہ اس کو قبر سے باہر نکال کر جلاؤ۔

واقعی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا ثبوت ہمارے نزدیک اس طرح پہنچا ہے کہ وہ عورت یزید بن عبداللہ بن زمعہ کی ماں تھی۔ جب مسرف مکہ معظمہ کی جانب متوجہ ہوا تو یہ عورت مسرف سے دو تین دن کی مسافت پر اپنی قوم کے لشکر کے ساتھ گشت لگا رہی تھی۔ جب مسرف کے مرنے کی خبر سنی تو آئی اور اس کو قبر سے باہر نکال کر دار پر کھینچا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس کو دار پر لٹکا ہوا دیکھا تھا وہ ہم سے بیان کرتے تھے کہ لوگ اس کو دار پر بھی سنگسار کرتے تھے۔ لیکن اس روایت میں جلانے کا ذکر نہیں آیا ہے۔ چنانچہ اس کا احتمال ہے کہ اس کو جلانے کا فعل دار پر لٹکانے سے دو تین روز کے بعد عمل میں آیا ہوگا اور جس شخص نے جلانے کی روایت نہیں بیان کی ہے ہو سکتا ہے کہ اس نے مسرف کی لاش کو اول حالت میں دیکھا ہو جب کہ وہ دار سے نہیں اتارا گیا تھا واللہ اعلم۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اس کی موت واقعہ کے تین روز بعد مدینہ کے راستے میں واقع ہوئی تھی۔ اس کا پیٹ زرد پانی اور پیپ سے بھر گیا تھا۔ نہایت بُری طرح سے جان نکلی۔ لیکن وہ نہایت بے وقوفی اور قساوت قلبی سے مرنے کے وقت کہتا تھا

کہ اے خدا لا الہ الا اللہ کی گواہی دینے کے بعد میرے محبوب ترین عملوں میں سے جو عمل میرے نزدیک ایسا ہے جو تیرے دربار میں قابل قبول ہو۔ وہ اہل مدینہ کے قتال کے سوا وجود میں نہیں آیا ہے۔ اگر تو مجھ کو اس عمل کے باوجود بھی آتش دوزخ میں ڈالے تو دوسرا کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر بد بخت نہ ہوگا۔ اس کے بعد حبیب بن نمیر سکونی کو بلایا اور کہا کہ امیر المؤمنین نے میرے بعد تجھ کو والی بنانے کو کہہ دیا ہے چنانچہ تو جلد مکہ کی جانب متوجہ ہو اور ابن الزبیر کے کام میں تاخیر مت کر اور ان کے قتال میں کوتاہی سے کام مت لے۔ منجیق نصب کر اور اگر ان کے ساتھی خانہ کعبہ میں پناہ لیں تو ان سے خوف زدہ مت ہو۔ بلکہ اپنے کام کو انجام دو اور منجیق کو کام میں لاؤ۔ حبیب بن نمیر نے اس کی وصیت کے مطابق مکہ پہنچ کر چونسٹھ دن تک اس شہر معظم کا محاصرہ کر کے داد جنگ و قتال کی دی منجیقوں سے کعبہ معظمہ پر پتھر برسائے۔ بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے ایک شخص نیزہ کے سر پر آگ روشن کئے ہوئے تھا۔ ایک ہوا آئی اور خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی۔ اسی اثنا میں یزید پلید کی موت کی خبر پہنچی۔ یزید ذات الجنب کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اہل شام اور بنو امیہ میں پریشانی پیدا ہو گئی۔ سب کے سب خوار و ذلیل ہو کر واپس ہوئے۔ اور سب نے بھاگنا شروع کر دیا۔ واقعہ حرہ کا وقوع بدھ کے دن ستائیس یا اٹھائیس دی الحجۃ ۳۲ھ ہجری میں ہوا۔ اور مسلم بن عقبہ کی موت محرم کی چاند رات کو ۳۲ھ ہجری میں ہوئی اور جنگ مکہ معظمہ اور منجیق سے بیت اللہ پر سنگباری ہفتہ کے روز تیسری ربیع الاول کو ہوئی تھی اور یزید کی موت پہلی ربیع الآخر واقعہ کے بعد جس طرح سید سہم نووی نے کتاب دفا میں ذکر کیا ہے ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ ان نادر واقعات کے منجملہ جو اس شہر مقدس میں واقع ہوتے رہے اور جس کی حضرت سید ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی خبر دی تھی۔ ان میں حجاز کی آگ کا ظہور بھی تھا جو اس شہر کی عظمت اور شان پر اظہارِ شمس ہے۔ اس آگ کے ظاہر ہونے میں حکمت خداوندی صرف خوف دلانا اور شریر لوگوں کو دھمکانا بھی۔ کیونکہ اس جگہ لڑائیاں اور حوادث ظاہر ہو رہے تھے۔ اسی لئے اس جگہ کو خاص کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ یہ شہر محلِ رحمت اور مقامِ شفاعت ہے۔ چنانچہ اس آگ کا اس جگہ داخل ہونا لوگوں کو خوف دلانے اور عبرت کے لئے بہت زیادہ دخل رکھتا ہے۔

اس حکمت کے ظاہر ہو جانے اور مقصود کے حاصل ہو جانے کے بعد نزول رحمت نے جو اس دربار کا خاصہ ہے اپنا کام کیا یعنی غضب الہی کی آگ کو آب رحمت سے ٹھنڈا کر دیا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں شروع جمادی الاولیٰ ۳۵۸ھ ہجری سے تیسری جمادی الاخریٰ تک زبردست زلزلے آئے جن کی آوازیں ایسی تھیں گویا بادل گرج رہے ہیں۔ تمام مکانات اور دیواریں جنبش میں آگئیں۔ ایک رات میں متواتر چودہ یا اٹھارہ مرتبہ زلزلہ آتا رہا۔ اس کے تقریباً تین مہینے بعد جب کہ لوگ عشا کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے ایک آگ حجاز کی جانب سے ظاہر ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آگ ایک بہت بڑا قلعہ بند شہر ہے جس میں بڑے بڑے برج دکھائی دیتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آدمیوں کی ایک بڑی جماعت ہے جو اس کو کھینچے لارہی ہے۔ جو پہاڑ ان کے درمیان آ جانا ہے یہ آگ اس کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اور اکثر پہاڑوں کو رانگ کی طرح پگھلا دیتی ہے اور رعد کے مانند آواز کرتی ہے اور دریا کے مثل موجیں مارتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے اس کے درمیان سے سرخ اور نیلی نہریں نکلتی ہیں لیکن جب آگ مدینہ کے قریب پہنچتی ہے تو ان تمام باتوں کے باوجود ایک ٹھنڈی ہوا اس آگ کی طرف سے مدینہ میں آتی ہے۔ قسطلانی جو اس زمانے میں موجود تھے کہتے ہیں کہ اس آگ کی روشنی تمام اطراف آبادی اور جنگل کو گھیرے ہوئے تھی۔ حرم نبوی اور مدینہ منورہ کے جملہ مکانات کو مثل آفتاب کے روشن کئے ہوئے تھی۔ یہاں تک کہ لوگ راتوں کو اس کی روشنی میں کام کر لیتے تھے۔ ان ایام میں آفتاب و ماہتاب کو گہن لگ گیا تھا اور ان کی روشنی زائل ہو گئی تھی بعض لوگوں نے مکہ معظمہ میں بھی اس آگ کی روشنی کو دیکھا اور تبنا و بصری میں بھی مشاہدہ کیا۔ حضور مجر صادق نے جس طرح سے خبر دی تھی کہ ایک آگ حجاز کی جانب سے نکلے گی اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں بھری میں دکھلائی پڑیں گی۔ مورخوں نے بیان کیا ہے کہ اس آگ کا طول چار فرسنگ کے مقدار تھا اور چوڑائی چار میل۔ گہرائی آدمی کے ڈبڑھ قد کے برابر۔ اس کی رفتار اہلے کی مانند اور اس کی موجیں مثل دریا کے تھیں۔ اس آگ میں ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کی گرمی سے پتھر گھل جاتے تھے اس سے زیادہ اچنبھے کی بات یہ ظاہر ہوئی کہ ایک بہت بڑی دیوار نمودار ہوئی جس نے مدت دراز تک لوگوں کو چلنے سے روک دیا اور مولیشی اور چوپایوں کی رہ گزر بند ہو گئی لیکن یہ دیوار بھی

ایک بڑی حکمت پر متضمن تھی وہ یہ کہ دوسری جانب سے مفسد بدو مدینہ میں پہنچ کر ساکنان شہر مقدس کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اس دیوار کے وجود نے ان کے داخلے کو روک دیا بیت

تو مہندار کہ درکار خداوند خطاست | زانکہ او ہر چہ کند عین صلاح است مہواب

اس آگ کے عجائبات اور اس کی عظمت تحریر سے باہر اور احاطہ بیان سے خارج ہے۔ جمال مطری جو مدینہ کے مورخین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ اس آگ کی عجیب باتوں میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ یہ پتھروں کو خاک کر دیتی تھی لیکن درختوں کو اس سے کچھ نقصان نہ پہنچتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ امیر عبدالدین کے آزاد کردہ غلام مجھ سے کہتے تھے کہ مجھے ایک دوسرے شخص کے ساتھ امیر عبدالدین نے (جو ساکن مدینہ تھے) اس آگ کی تحقیقات کے لئے حکم فرمایا۔ ہم دونوں سوار ہو کر اس آگ کے قریب پہنچے۔ کسی قسم کی گرمی ہم کو اس میں محسوس نہ ہوئی حالانکہ یہ پہاڑوں اور قلعوں کو بھسم کر دیتی تھی۔ میں نے ترکش سے ایک پتھر نکالا اور اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ تیر کے سب پر تو جل گئے لیکن اس کی لکڑی سلامت رہی۔ جمال مطری اس خبر کو سن کر کہتے ہیں کہ اس حالت کے سننے سے میرے دل میں ایک دوسری بات آتی ہے اس آگ کا درختوں کو نہ جلانا گویا علامت ہے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم بنانے کی جس طرح کہ حرم مدینہ کی شان میں آپ نے فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات پر اس کی اطاعت واجب اور کائنات کا اس کے ادب کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔ لیکن قسطلانی کہتے ہیں کہ اس آگ کی شدت حرارت کی وجہ سے کسی شخص کو اس کے قریب جانے کی مجال نہ تھی۔ اور دو تیر کے فاصلے تک اس کی حرارت کے شعلے اور ہیبت پہنچتی تھی اور یہی مورخ یعنی قسطلانی کہتے ہیں کہ ایک صاحب جن کی خبریں وثوق اور اعتماد کے لائق ہیں۔ میں نے ان سے سنا ہے کہ میدان میں ایک بڑا سا پتھر پڑا تھا۔ جس کا نصف حصہ حرم میں داخل تھا۔ اور باقی آدھا خارج از حرم تھا اس آگ نے خارجی حصہ کو تو جلا دیا لیکن جب داخلی حصہ تک پہنچی تو گل ہو گئی۔ جمال مطری کے بیان اور قسطلانی کے کلام میں بظاہر اختلاف ہے سید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ قسطلانی کا کلام زیادہ قابل قبول ہے اس لئے کہ یہ اس زمانہ کے موجود اشخاص میں سے ہیں اور اس آگ کے تمام حالات ان کے چشم دید ہیں اور اس کے جملہ حالات پر علیحدہ ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے اور جو بات اس بڑے پتھر کے متعلق لکھی ہے حضرت سید کائنات کے ابلغ معجزات میں سے ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد ظاہر ہوا اور شاہ عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ یہ فقیر کہتا ہے (عفا اللہ عنہ) جب کہ اس آگ کا وجود حقیقت میں آیات الہی اور معجزات حضرت رسالت پناہی سے تعلق رکھتا ہے تو اگر مختلف اوقات میں مختلف لوگوں پر مختلف آثار اور احوال کے ساتھ ظاہر ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس لئے اس اختلاف احوال میں بھی کمال قدرت خداوندی اور اجلال اعجاز محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت موجود ہے کہ بعض کو اس قدر گرم کر دے اور بعض کو سرد وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ بشیر و نذیر علیہ صلوات اللہ العلیم وخبیر کے مدینہ منورہ کو حرم بنا دینے کی وجہ سے دونوں کلام آگ کے اثر نہ کرنے میں متفق ہیں۔ اور بیان کرتے ہیں مدینہ منورہ کے قاضی امیر نے تمام باشندگان کے ساتھ جمع ہو کر گریہ و زاری شروع کی اور غلاموں کو آزاد کر کے داد سخاوت دی۔ جمعہ اور ہفتہ کی شب میں تمام اہل مدینہ حتیٰ کہ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے سب نے مل کر حرم شریف میں رات گزار دی اور حجرہ شریف کے گرد برہنہ سر گرمیہ و زاری کرتے رہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی وجہ سے اس آگ کا رُخ شمال کی جانب پھیر دیا۔ اور باشندگان شہر پاک کو اپنے کرم کا امیدوار بنایا۔ بڑھتی ہوئی آگ اور اس کے شعلے جنگلوں کو چلے گئے۔ اس آگ کی مدت بقول مورخین تین مہینے تھی۔ اور قسطلانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اس آگ کی ابتدا چھٹی نایح جمادی الاخریٰ جمعہ کے دن سے ہوئی اور ۲۷ رجب الثوار کے دن تک رہی تو اس صورت سے اس کی کل مدت باون روز ہوئی۔ اب ان دونوں کلاموں میں بھی اختلاف پڑ جاتا ہے اس لئے بعض بیان کرتے ہیں کہ یہ آگ کبھی تیز ہو جاتی تھی اور کبھی پست۔ بہت ممکن ہے قسطلانی نے اس آگ کے غلبہ کے زمانے کو معین کیا ہو اور مورخین نے اس کی مدت منقطع ہونے اور گل ہونے کی جس وقت کہ اس کا اثر بھی زمین پر باقی نہ رہا ہو بیان کی ہو۔ اس آگ کے یہ حالات تھے جو اس شہر مقدس میں ظاہر ہوئی تھی۔ اور حضرت سید مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے برکت کی وجہ سے کوئی آفت اس کو نہ پہنچی۔ اسی سال اطراف عالم میں بعض نادر واقعات ظاہر ہوئے۔ وجہ بغداد بہت بڑی طغیانی پر رہا۔ جس نے اس جگہ کے اکثر مکانات غرق کر دیے اور بڑی بڑی عمارتیں منہدم ہو گئیں۔ دوسرے سال کی ابتدا میں اس آگ کے ظاہر ہونے کے بعد جو قیامت کبریٰ آئی

وہ تاریخوں کی یلغار تھی۔ تاریخوں کے خرمج لشکر سے مدینۃ الاسلام بغداد پر چڑھتا ہی آئی اس میں آخری عباسی خلیفہ معتصم باللہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ قتل کر دیے گئے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مہینہ چند دن ان کفاروں کے ظلم کی تلوار اہل اسلام کے قتل میں کھنچی رہی۔ اس کے علاوہ دینی علوم کی کتابوں کو کتب خانوں سے نکال کر گھوڑوں کے پیروں سے روند ڈالا اور مدرسہ مستنصریہ میں بجائے اینٹوں کے کتابیں رکھ کر ناندیں جمائیں (جس میں چوپائے اپنی غذا کھاتے تھے) شہر بغداد اپنے باشندوں سے خالی ہو گیا۔ ان کفار نے آگ جلا کر دار الخلافہ اور اکثر مکانات و مقامات کے مدفن کا اور محلاتِ برامکہ کو بالکل جلا دیا۔ بغداد میں موت اور فنا و بے طر پر نازل ہوئی تھی اسی زمانہ سے خلفائے عباسیہ کے خلافت کی بساط پھٹ لی گئی وَ لِلّٰہِ الْخَلْقُ وَ الْأَمْرُ لَہُ الْحُکْمُ وَ الْیَئِیَہُ تُرْجَعُونَ ترجمہ :- اللہ ہی کے لئے مخلوق ہے اور امر اسی کے لئے حکم ہے اور اسی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قدرتِ خداوندی کے ان عجائبات کے منجملہ جو اس سال میں واقع ہوئے یہ ہے کہ اس آگ کے فرو ہو جانے کے بعد کسی خارجہ سبب سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں آگ لگی تاکہ لوگ جان لیں کہ حضرت رب العزت جل جلالہ کے افعال کی حقیقت اور اس کی حکمت کا ادراک بشر کی قدرت سے باہر ہے ہم کو بجز تفویض و تسلیم کے چارہ نہیں ہے ع کندہرچہ خواہد بود حکم نیست لَا یَسْأَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْأَلُونَ ۝ ترجمہ :- نہیں سوال کیا جاتا ہے اس چیز سے کہ کرتا ہے اور وہ سوال کئے جائیں گے جبکہ آگ کسی خارجی سبب کے بغیر عالم غیب سے تھی تو مدینہ مقدسہ کو اس آگ سے محفوظ رکھنا اس کی خاص امتیازی صورت اظہار شرافت پر وکیل ہے جس سے اس کی دوسرے شہروں پر فضیلت اور بزرگی ظاہر ہے۔

تیسرا باب

اس باب میں مدینہ پاک کے قدیم ساکنان کے زمانے سے حضور سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک کی خبروں کا بیان ہے :-

علماء سیر و تواریخ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نوح

علیہ السلام کی کشتی سے جو لوگ اترے ان کی مجموعی تعداد اسی تھی ان سب نے بابل کے اطراف میں سکونت اختیار کی۔ ان کی آبادی کا طول دس روز کی دوری اور عرض بارہ میل کی دوری تھا۔ ان سب کی اولاد سے ایک کثیر جماعت ہو گئی۔ یہ سب کے سب یحجار بنے لگے۔ نمرود بن کنعان حام ان کا بادشاہ مقرر ہوا لیکن جب ان لوگوں کے درمیان مذہب کفر اور سرکشی ظاہر ہوئی۔ ان لوگوں میں اختلاف نے جگہ پکڑی اور ہر ایک نے ایک نیا طریقہ اختیار کیا۔ اور یہ بہتر زبانوں میں منقسم ہو گئے۔ ان میں سے ایک جماعت نے جو سام بن نوح کی اولاد تھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے الہام سے عربی زبان وضع کی۔ اور سرزمین مدینہ پاک پر سکونت اختیار کی جس نے سب سے پہلے اس زمین پر زراعت کی اور کھجور کے درخت لگائے یہی لوگ تھے ان کو عمالقمہ اور عمالقم کہتے ہیں۔ اس لفظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ عملاق بن افرخشہ بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے۔ عمالقہ کو ایک مدت کے بعد اموال اور ملکیت میں وسعت عظیم حاصل ہوئی۔ بحرین، عمان اور حجاز سے شام اور مصر تک ان کے قبضہ میں آگیا۔ شام کے جبارہ اور مصر کے فرعون انہیں کے ذریعات سے تعلق رکھتے تھے۔ حجاز میں ان کا بادشاہ ارقم ابن ابی الارقم ہوا ہے۔ ان کی عمریں دراز ہوتی تھیں۔ انہیں زمانہ کی موافقت اور خوش عیشی پوری پوری حاصل تھی۔ کہتے ہیں کہ چار چار سو برس گزر جاتے تھے جنازہ کی صورت تک نہ دکھلائی پڑتی تھی نہ نوحہ کی آواز سنی جاتی تھی۔ اس سرزمین کے اطراف عمالقہ کے بعد یہود کے قدموں سے پائمال ہوئے اور اس قوم کا وطن بنے۔ علمائے تاریخ یہودیوں کی اور ان کے متوطن ہونے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ زبیر جو اکابر حدیث سے تعلق رکھتے ہیں ابوالمنذر شرقی سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی بنیاد کے متعلق میں نے ایک حدیث سلیمان بن عبد اللہ بن حنظلہ الغبیل رضی اللہ عنہ سے سنی ہے اور اسی کے موافق حدیث بعض قریش کے ذریعہ عبد اللہ بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے بھی پہنچی ہے۔ دونوں حدیثوں کا مادۃ اتفاق مؤرخین کی صورت اختلاف سے زائد ہے۔ میں نے دونوں مضمونوں کو یہاں پر ایک دوسرے کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور یہ اس طرح ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام ارکان حج ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے تو اس سفر میں بنی اسرائیل کی کثیر جماعت تھی۔ آپ کے ہمراہ تھی۔ حج سے لوٹتے وقت ان لوگوں کا گزر مدینہ طیبہ کی زمین پر ہوا اور اس مقام میں وہ تمام آثار و اوصاف موجود دیکھے جو نبی آخر الزماں کے وطن میں توریت کی

پیش گوئی کے مطابق ہونا چاہیے تھے تو ان میں سے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی ترک کرنے کے متعلق مشورہ کیا اور جدا ہو کر اسی مقام پر مقیم ہو گئے۔ بدوؤں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو گئی۔ یہ جماعت حجاز کے اطراف میں سکونت پذیر تھی اس جماعت نے انہیں کا مذہب بھی اختیار کر لیا اس قول کے مطابق جو لوگ پہلے پہل اس جگہ آباد ہوئے وہ یہود ہیں لیکن اصحاب فن تاریخ کے نزدیک یہ بات راجح ہے کہ اس مقام پر یہود سے پہلے عمارت سکونت رکھتے تھے۔ اور یہود ان کے بعد پہنچے ہیں واللہ اعلم۔

ابن زبالہ عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ جب عمالیق اس شہر میں منتشر ہوئے اور مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، حجاز اور ان کے علاوہ دوسرے شہران کے قبضہ میں آ گئے تو تکبر کشی اور نافرمانی پیدا ہو گئی۔ یہ برائیاں سلطنت اور ملک کے لوازمات میں سے ہیں چنانچہ یہ برائیاں ان میں بھی آ گئیں۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد ملک شام کو فتح کر لیا اور جو کنعانی یہاں موجود تھے انہیں ہلاک کر دیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر عمالیق کے قلع قمع کے لئے ایک بڑی فوج ملک حجاز روانہ کر دی اور ان لوگوں کے استیصال کے علاوہ عورتوں اور بچوں کے لئے آپ نے فرمایا کہ ان پر جبر اور زیادتی نہ ہو۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق اس قوم کو ان کے بادشاہ ارقم بن الارقم سمیت قتل کر دیا۔ لیکن ان لوگوں میں ارقم کی اولاد میں ایک جوان دیکھا گیا جو نہایت ہی حسین و جمیل تھا۔ اس کی حین صورت دیکھ کر اس کے قتل میں توقف سے کام لیا۔ یہ انسان کی بشری کمزوری ہے اور اس کے لئے حضرت موسیٰ کے جدید حکم کے متمنی ہوئے۔ یہ لوگ جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف چلے۔ ان لوگوں کے منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کا طاہر روح پُر فتوح پرواز کر گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے فتح کی خبر بنی اسرائیل کے کان میں پہنچی تو فرط خوشی میں ان کے استقبال کو آئے اور کیفیت حال دریافت کی۔ ان لوگوں نے کہا کہ بجز اس جوان کے جس کا قتل بنی اللہ کے حکم پر موقوف کر رکھا ہے اور اپنے ساتھ لائے ہیں اس قوم کے کسی فرد کو عورتوں اور بچوں کے سوا زندہ نہیں چھوڑا ہے۔ بنی اسرائیل نے یہ بات سن کر فوج سے کامل علیحدگی اختیار کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ گناہ ہے جو تم لوگوں نے اپنے پیغمبر کے حکم کے خلاف راستہ اختیار کیا ہے لہذا تم لوگوں کی ہمارے درمیان کوئی جگہ

نہیں ہے۔ اس فوج کے لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ موجودہ صورت میں ہمارے لئے دوسرا کوئی مقام اس مقام سے بہتر نہیں ہے جس مقام سے ہم لوگ آ رہے ہیں اس لئے وہ لوگ سرزمین حجاز کو واپس چلے گئے اور وہیں مستقلاً بو دو باش اختیار کر لی۔ یہ ہے سرزمین حجاز میں عمالقتہ کی ہلاکت اور یہود کے مستقلاً سکونت اختیار کر لینے کی تاریخی حقیقت۔

ابن زبالبہ کہتے ہیں کہ صحیح تروہی بات ہے جو طبری نے کہی ہے کہ سرزمین حجاز میں بنی اسرائیل کی آمد بخت نصر کے زمانہ میں تھی۔ جس وقت بخت نصر نے ملک شام کو پر باد کیا اور بیت المقدس کو ویران کر ڈالا اور بعض اصحاب تنایخ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل بخت نصر کے ظلم میں گرفتار ہوئے اور اس قوم میں ذلت نے قبضہ جمالیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور ملک عرب کے سوا سکونت کی کوئی تدبیر نہ پائی۔ ان کے علماء اور احبار اپنی کتاب میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پڑھتے تھے کہ پیغمبر آخر الزماں ان صفات کے ساتھ عرب کے شہروں میں سے کسی ایک شہر میں کہ اس کو ذات نخل کہتے ہیں ظہور فرمائیں گے۔ چنانچہ شام کی آبادی سے نکلنے کے بعد عرب کی بستیوں میں سے جس بستی میں بھی لغت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار پاتے تھے اسی مقام کو اپنا وطن بنا لیتے تھے یہاں تک کہ یثرب کو جمع صفات مذکورہ سے موصوف پایا۔ اور ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک جماعت یہاں پر مقیم ہو گئی۔ ان کی دوسری جماعتیں اس کے اطراف خیبر وغیرہ میں رہ گئیں۔ جب ان کے بزرگ اس دنیا سے سفر کرتے تو اپنی اولاد کو وصیت کر جاتے تھے کہ جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آئے تو ان کی اتباع کو لازم اور واجب جاننا اور ان کی بیعت و طاعت سے منہ نہ پھیرنا لیکن طلوع آفتاب نبوت کے بعد مشرق بطحی کے مقابلے میں انصار نے سید ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کی سعادت حاصل کر لی۔ اس کی تفصیل آگے وضاحت سے آئے گی۔ یہود نا عاقبت محمود اپنے حسد اور عداوت کفر کی قید میں گرفتار ہو کر عذاب ابدی میں پھنس گئے۔ ورنہ اس وقت سے پہلے جب یہود و انصار میں لڑائی ہوتی تھی تو یہود کہتے تھے کہ کل جب بنی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ظہور فرمائیں گے تو ہم تم کو درست کر دیں گے۔ لیکن سعادت ازلی انصار کی

طرف سبقت کر گئی اور معاملہ یہودی کی توقع کے خلاف ہوا۔ مصرع
 ایں کار دولت است کنوں تا کر اسد

بیت سعادت بہ بخشایش داور است بہ برکت و بازوئے زور اور است

ابن شیبہ جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ جب موسیٰ اور ہارون علیہم السلام ارکان حج ادا کرنے کے بعد ملک شام کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کا گزر سرزمین مدینہ پر بھی ہوا۔ آپ نے یہود بے بہبود سے کچھ خوف محسوس کیا اور آپ نے اپنا سامان اقامت یہودیوں کے ساتھ سے علیحدہ کر کے کوہ احد پر فروکش ہوئے اسی مدت میں ہارون علیہ السلام نے دار فانی کو چھوڑ کر دار بقا کو لبیک کہا۔ ہارون علیہ السلام کی وفات کا واقعہ اس طرح ہے کہ جب قاصد اجل دربار سلطانی سے ان کے لئے آیا تو موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے کوہ احد پر ان کے لئے ایک قبر کھودی اور فرمایا کہ اے میرے بھائی تمہاری موت قریب آگئی ہے اب اس عالم کی طرف متوجہ ہو جاؤ ہارون علی نبینا وعلیہ السلام زندگی کی حالت میں ہی قبر کے اندر اتر کر لیٹ گئے اور اسی مقام پر آپ کی روح پاک قبض کی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام آپ کی قبر کو مٹی سے ڈھانک کر رخصت ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

اکثر قبائل یہودی کی سکونت مدینہ کے اطراف میں تھی۔ یہ لوگ مسجد قبا کے بالائی حصہ اور اس کے اطراف میں نہایت فارغ البالی اور خوش حالی سے زندگی گزارتے تھے یہاں تک کہ پروردگار عالم کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی اور اوس و خزرج (انصار کے قبائل انہیں کی اولاد سے ہیں) ان پر غالب آئے اور انہیں ہلاک کیا۔

فصل - اس فصل میں یہودی پر انصار کے غلبہ کا بیان ہے۔ یہاں پر اختلافی روایات کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور ان سے قطع نظر کیا گیا۔ بعد حذف کرنے روایات اور قطع نظر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یورب بن قحطان کی اولاد میں سے ایک قوم اور اکثر مورخین کے بقول شلخ بن ارغشند بن سام بن نوح کی اولادوں نے یمن کے ملک میں سکونت اختیار کی یہ علاقہ سبا کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی صفت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے اور جو بلدہ طیبہ سے موسوم ہوا ہے۔ یہ لوگ یہاں عیش و عشرت کی زندگی گزارتے تھے یہاں ما عرب سے لے کر زمین شام تک (جیسا کہ کلام الہی کا بیان ہے) مواضع اور

اور بستیوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ یہ بستیاں مسلسل باغات و عمارات سے آراستہ تھیں۔ اس راستہ پر چلنے والے کے لئے اسباب سفر اور زاد راہ کی فکر یا منزل کے لئے کوئی تدبیر کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب اس ملک کے کمزور آدمی گھر سے باہر نکلے اور سڑوں پر ٹوکریاں رکھ لیتے اور اپنے ہاتھوں کو سوت بٹنے میں مشغول رکھتے تو ایسی حالت میں جب وہ درختوں کے نیچے سے گزرتے تو بغیر بیوہ توڑے ہوئے ان کی ٹوکریاں بیووں سے بھر جاتی تھیں۔ اس قسم کی آباد اور شاداب زمین جس کی صفت تم نے سنی اپنے طول اور عرض میں دو مہینے کی راہ کے مقدار میں تھی اس ملک کے رہنے والے سب کے سب ایک مذہب پر متفق ہو کر امن و امان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ چونکہ کفرانِ نعمت اور ناحق شناسی ابنِ آدم کی فطرت میں ہے۔ اس لئے اس نعمت کی قدر نہ کرتے ہوئے انہوں نے خدا سے درخواست کی کہ اس ملک کی آبادی کم ہو جائے تاکہ سواری کے ذریعہ منزل کو قطع اور مسافت کو طے کیا کریں اور زاد راہ لے کر سفر میں سیر و تفریح حاصل کریں۔ اس دعا کی اجابت میں قادرِ مختار جلّالہ نے عجلت فرما کر قہر و بلا کی فوجیں ان کے شہر کی طرف بھیج کر جمائی صورتِ منتشر اور متفرق کردی۔ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابَ ابْنِ لَسْدٍ يُدُّ ط۔ ترجمہ :- بے شک اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔ سبیلِ عرم (بعض مفسرین نے اس کو بارانِ شدید سے تفسیر کی ہے اور بعضوں نے سبیلِ فنا سے) ان کے ملک پر بھیجا بقول لقمان اکبر آبادی اس سبیلِ عرم کا بند طول میں ایک فرسنگ تھا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے۔ سبا بن لیث جب کے تمام ملک یمن کے نالوں پر بندھا ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا۔ بیان کرتے ہیں کہ اس کے ایک پیچھرو پچاس تو انا آدمی اس کی جگہ سے حرکت نہ دے سکتے تھے لیکن اس کو ایک ٹڈی اس بند سے کھو کر علیحدہ کر دیتی تھی۔ کہلان بن سبا کی اولاد جو یمن کی رئیس تھیں ان لوگوں میں عمرو بن عامر مار السمار نامی شخص سب سے بڑا رئیس تھا۔ اور اموال و اولاد کی کثرت میں بھی ان سب پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کی بیوی جس کا نام طریفہ جیسرہ تھا بہت بڑی کاہنہ تھی۔ بند کے واقعہ کے وقوع ہونے سے پہلے بعض ایسی علامات کو جن کا پہچاننا کاہنوں کے ساتھ مخصوص ہے اس نے دریافت کر کے اپنے شوہر کو اس سے آگاہ کر دیا تھا۔ عمرو نے اپنی بیوی کی پیشگوئی کی وجہ سے اس شہر سے نکلنے کا پختہ ارادہ کر لیا لیکن اس کا اپنی اقوام کے درمیان سے بغیر کسی

سبب کے نکلنا جو ان کو معلوم نہ ہو بعید تھا اس لئے اس معاملے میں ایک قبیلہ سے کام لیا تاکہ یہ قبیلہ اس کی جلا وطنی کا ذریعہ بنے اس کے پاس ایک یتیم تھا جس نے برسوں اس کے سایہ میں پرورش اور تعلیم پائی تھی اس سے خلوت میں بطور صلاح کے کہا کہ جس وقت قبیلہ کے رؤسا میرے پاس موجود ہوں اس وقت تم مجھ سے سخت کلامی کے ساتھ پیش آنا۔ اور اگر اس وقت میری زبان سے تیری نسبت ابانت آمیز الفاظ نکلیں تو تجھے اس کی اجازت ہوگی کہ حد اعتدال سے تجاوز کر جانا کہ مجھ کو جلا وطنی کے لئے لوگوں کے سامنے ایک عذر صریح حاصل ہو جائے۔ اس صلاح کے بعد اس نے رؤسا قبیلہ کی دعوت کر دی۔ اثنائے کلام میں اس صلاح مشورے کے مطابق جو اس نے یتیم کو سکھارکھا تھا کوئی بات سخت کہہ دی۔ یتیم نے اس کے مقابلے میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ استعمال کئے اور ایک طمانچہ بھی اس کے چہرے پر رسید کیا۔ عمر و مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں اس ملک میں نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ جس یتیم کو میں نے برسوں اولاد کی طرح پرورش کیا ہے۔ آج اس نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا تو خدا جانے دوسرے لوگ کیا کریں۔ تمام سامان اور زمین جو اس کی ملکیت میں تھی فروخت کر دی۔ اہل قبیلہ میں جو لوگ اس سے عداوت رکھتے تھے اس کو غنیمت سمجھا اور کل اسباب اور جہاد کو خرید لیا۔ عمر و اپنے تیرہ لڑکوں کے جو سب کے سب طریقہ حمیریہ کی اولاد تھے اور مع دوسرے جماعت اولاد کہلان بن سبا کے باہر نکل آیا اس طرح اس نے عذاب غرق اور ہلاکت سیل عام سے نجات پائی۔ اس ملک کے بقیہ باشندے طوفان نافرمانی میں غرق ہو گئے۔ لیکن ان سب کی نجات کا اصل سبب یہ ہے کہ حضرت سید مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کا وجود انہیں لوگوں سے مقدر ہو چکا تھا لہذا ان تنصروا اللہ ینصرکم کے حکم الہی نے ان کی بقا اور سلامتی کا تقاضا کیا جب عمر و بن عامر نے سفر کر کے ہر ایک شہر کی صفت اپنی اولاد سے بیان کی تو ہر ایک نے اپنی خواہش اور میلان طبیعت کے موافق ایک شہر کو اختیار کیا۔ ان کے بڑے لڑکے نے جن کا نام ثعلبہ بن عمرو ہے (یہی مورث اعلیٰ اؤس و خزرج کے ہیں) ملک حجاز کو پسند کیا۔ جب ان کی اولاد کثیر ہوئی تو یثرب کی جانب متوجہ ہوئے اور یہودیوں کے درمیان سکونت اختیار کی اس وقت تک یثرب یہودیوں کا مسکن تھا۔ ان کو یہاں رہتے ہوئے جب ایک زمانہ گزر گیا اور یہودیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تو اؤس و خزرج کو بھی دولت و ثروت حاصل ہو گئی اب قریظہ و نصیر نے جو یہود کے قبائل

تھے۔ ان کے ساتھ ستم ظریفی شروع کی اور ان کا مال بھی غصب کرنے لگے۔ اس صورت میں ان کا باہمی عہد اور حلف ٹوٹ گیا۔ بڑھتے بڑھتے یہودیوں کے مظالم ان کے ساتھ اس درجہ کو پہنچ گئے کہ کوئی نئی دہن اپنے شوہر کے گھر اس وقت تک نہ جاسکتی تھی تا وقتیکہ یہود کا دست تصرف اس کی مہر امانت کو پارہ پارہ نہ کر دے۔ اؤس اور خزرج اپنی فریاد ابو حبیہ کے پاس لے گئے۔ ابو حبیہ ان کا ہم قوم تھا اس نے زمانہ انتشار میں ملک شام پر قبضہ کر کے ایک سلطنت قائم کر لی تھی ابو حبیہ نے اؤس اور خزرج کی حمایت میں ایک فوج عظیم مدینہ کی طرف روانہ کر دی جس نے اؤس و خزرج کی مدد کرتے ہوئے قبائل یہود سے ان کے ظلم کا بدلہ لے لیا۔ اور یہ اپنے استقلال کی وجہ سے مدینہ کی ہر بلندی اور پستی پر قابض ہو گیا۔ یہود کا مال اور جائیداد چھین لیا جب یہود کو اس جنگ و جدل سے فراغت ہوئی تو ایک دوسرے سے نسبت اخوت قائم کر کے ایک مدت تک اتفاق کے ساتھ رہتے رہے۔ آخر کار اؤس اور خزرج کے درمیان بھی آتش جنگ مشتعل ہوئی اور یہ دونوں قبائل ایک سو بیس سال تک آپس میں لڑتے رہے یہاں تک کہ دولت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اور کلمہ توحید اور اسلام کی سعادت حاصل کرنے کے سبب ان میں محبت اور الفت کا تعلق مضبوط اور استوار ہو گیا۔ چنانچہ آیت کریمہ ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ**۔ ترجمہ :- اے ایمان والو! تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب کہ تم آپس میں دشمن تھے۔ پس ہم نے الفت پیدا کر دی۔ تمہارے دلوں کے درمیان میں اؤس و خزرج کی عداوت کا محبت سے بدل جانا حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے اور مدینہ طیبہ میں انصار کی سکونت کی کیفیت جس طریقہ پر مشہور ہے وہ بھی خبروں میں سے ہے۔ بعض مورخین بیان کرتے ہیں کہ جب بنی نضیر ممالک شرقیہ کی تسخیر کو نکلا تو اس کا گزر مدینہ منورہ میں ہوا اپنے لڑکوں میں سے ایک کو اس مقام پر خلیفہ بنا کر خود شام و عراق کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اہل مدینہ نے اس کے لڑکے کو دغا اور بد عہدی سے مار ڈالا۔ بنی نضیر اپنے لڑکے کا انتقام لینے کی غرض سے پھر مدینہ واپس آیا اور ان لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس معرکہ میں خود اس کا گھوڑا مارا گیا اس پر اس نے قسم کھائی کہ جب تک اس شہر کو خراب نہ کر لوں گا قدم آگے نہ اٹھاؤں گا اس وقت یہود کے بعض علماء اس کے سامنے آئے اور کہا کہ یہ شہر حفاظت الہی میں محفوظ ہے

اس کو کوئی شخص برباد نہیں کر سکتا۔ ہم نے اپنی کتاب میں اس کے اوصاف پڑھے ہیں اور اس کا نام طیبہ ہے۔ یہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالہجرت ہے جو حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے۔ آپ اس کی دیرانی کا خیال تک دل میں نہ لائیں اور اپنے ارادہ سے باز رہیں۔ تبّیح اس بات کو سن کر اپنے خیال سے باز آیا اور اپنے ہمراہ علماء کی ایک جماعت لے کر یمن کو روانہ ہوا اور علماء یہودی کی باتوں سے نصیحت پکڑی۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ تبّیح نے ایک مکان بنی آخر الزماں کے لئے بنوایا اس کے ساتھ چار سو علمائے توریت تھے لیکن انہوں نے اس کا ساتھ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی اقامت اس آرزو میں اختیار کی کہ بنی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل کریں۔ تبّیح نے ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک مکان تعمیر کرا دیا۔ اور ان کی خدمت کے لئے باندیاں مقرر کر دیں نیز مال کثیر دے دیا اور ایک کتاب لکھی جس میں اپنے اسلام کی شہادت کا اظہار کیا۔ اس کتاب میں سے چند ابیات یہ ہیں شعرا

رسول من اللہ بای النسم

شہدت علی احمد انه

لکنت وزیر الہ وابن عم

فلو مد عمری الی عمرہ

ترجمہ :- گو اہی دیتا ہوں میں اوپر احمد کے کہ بے شک۔ وہ رسول ہیں اللہ کی جانب سے وہ اللہ جو پیدا کرنے والا ہے رحوں کا۔ پس اگر دراز ہو میری عمر ان کے وقت تک تو البتہ ہو جاؤں گا میں ان کا وزیر اور بھائی۔

اور اس کتاب کو مہر کر کے اس جماعت کے سب سے بڑے عالم کے سپرد کی اور وصیت کر دی کہ اگر وہ بنی آخر الزماں کا زمانہ پاوے تو اس کتاب کو ان کی خدمت میں پہنچا دے ورنہ اپنی اولاد کو اور وہ اولاد اپنی اولاد کو اسی ہدایت کے ساتھ منتقل کرتی رہے اور ایک مکان خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تعمیر کرایا تاکہ تشریف آوری کے وقت اس میں نزول فرمائیں۔ علمائے یہودی میں سے ایک کو اس کا متولی بنا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوب النصارىؓ کے مکان میں قدم رنجہ فرمایا یہ ابوالیوب النصارى رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں اور اہل مدینہ میں سے جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور اعانت کی وہ انہی علماء کی اولاد میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ کتاب حضورؐ کی تشریف آوری کے زمانہ تک حضرت ابوالیوبؓ

انصاریؒ کے پاس موجود تھی اور انہوں نے یہ کتاب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی واللہ اعلم۔

باب چہارم

اس کتاب میں ذکر ہے جن ذرائع سے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر جامع البرکات میں تشریف لائے۔ حضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ وامل التحيات قوانین شرعیہ کی کثرت کے بعد قریش کی شدید جہالت اور عداوت کے پیش نظر تبلیغ رسالت کے لئے سنت الہی کے قطعی فیصلہ کے منتظر تھے تاکہ حضرت مسبب الاسباب کوئی سبب پیدا کر دیں۔ اور کسی قوم کو مقرر فرمادیں جو دین کی مددگار اور دشمنوں کو دفع کر دینے والی بنے۔ اور احکام شرعی کو حکم خداوندی کے طریقے پر ظاہر کیا جاسکے۔ اسی لئے ان مجبوں و مریلوں میں جہاں پر اقوام عرب اور ان کے قبیلے جمع ہوئے تھے تبلیغ دین اور اپنی رسالت منوالے کے لئے حضور تشریف لے جاتے کہ شاید کسی شخص کو قبول کر لینے اور اعانت کی توفیق حاصل ہو۔ تمام عرب قبائل اس سعادت کے حاصل کرنے اور آپ کی حقانیت کو قبول کرنے میں متردد تھے۔ وہ لوگ آپس میں یہ کہتے تھے کہ جو لوگ آپ کے کئے قبیلے سے ہیں ان کو ہم سے زیادہ حقانیت پر متوجہ ہونا چاہیے تھا۔ جب وہی ان کے حلقہ اطاعت میں نہ آسکے تو دوسروں کو کیا غرض پڑی ہے۔ اسی اثنا میں قبیلہ بنی عبد الاشہل قریش سے معاہدہ کرنے کی غرض سے مدینہ سے مکہ میں آئے ہوئے تھے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت فرمائی ان میں سے ایک جوان نے جس کا نام ایاس بن معاذ تھا اپنی قوم سے کہا اے ہماری قوم کے لوگو ان سے بیعت کر لو۔ خدا کی قسم یہ عہد اس معاہدہ سے بہتر ہے جو تم قریش سے کر دو گے اور یہ کام اس کام سے بہت ہی اچھا ہے جس کے لئے تم آئے ہو۔ اس نو جوان کے بعد ایک دوسرا آدمی جو اس قوم کا سردار تھا کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہرگز نہیں، ہم اس دعوت کو قبول نہ کریں گے۔ دوسروں نے بھی اس خوف سے سکوت اختیار کیا۔ یہ لوگ عہد نامہ قریش اور بیعت اسلام دونوں باتوں پر غور کرتے ہوئے اپنے شہر کو واپس چلے گئے۔ بعد میں ایاس بن معاذ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس نے حالت اسلام میں انتقال کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت مسیب الاسباب جل ذکرہ کی مشیت کا تقاضا یہ ہوا کہ مدینہ منورہ سے اوس خزرج کی جماعت حج کے زمانے میں آئی ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا کے حکم سے اہل عرب کے مجمع اور مجلسوں میں اظہار حق فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس جماعت پر بھی آپ کا گزر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگ مدینہ سے آئے ہو ان لوگوں نے عرض کیا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ بیٹھو تو ہم تم سے ایک بات کہیں وہ سب کے سب بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ پروردگار عالم نے مجھ کو مخلوق میں رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب بھی نازل کی ہے میری قوم اور امرا الہی کی تبلیغ سے مانع ہوتی ہے اگر تم لوگ ایمان لاؤ اور دین اسلام کی تائید کرو تو سعادت ابدی کو پہنچ جاؤ گے۔

یہ لوگ اس بات کو سن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور آپس میں کہا کہ یہ وہی پیغمبر آخر الزماں ہیں جن سے یہود و ہم کو ڈرایا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امروز فردا میں آفتاب رسالت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم طلوع ہوگا اور ہم ان کے سایہ حمایت میں تم کو اس طرح قتل کریں گے جس طرح عا دارم کو قتل کیا تھا۔ ان پر جلد از جلد ایمان لے آؤ تاکہ دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہو چنانچہ اوس خزرج نے بیعت اسلام کی سعادت حاصل کی اور دین حق کی اعانت و عہد کو قبول کر کے اپنے شہر کو واپس ہوئے۔ تاریخ میں اس بیعت کو بیعت العقبتہ الاولیٰ کہتے ہیں اس لئے یہ بیت پہلی مرتبہ عقبہ کے نزدیک (جو مناکا ایک پہاڑ ہے) واقع ہوئی ہے اس وقت یہاں پر لوگوں نے ایک مسجد بنائی تھی۔ وہاں کی حاضری اور اس قصہ کو یاد کرنا آج بھی مشتاقوں کو نور اور ایمان بخشتا ہے۔ عقبہ اولیٰ کے لوگ بقول صحیح آدمی ہیں انہی میں اسعد بن زرارہ و جابر بن عبد اللہ شامل ہیں۔ جب یہ جماعت مدینہ منورہ واپس پہنچی اور اپنی قوم کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی خبر پہنچائی تو انصار کا کوئی گھر اور کوئی مجلس ایسی نہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے منور اور معطر نہ ہوئی ہو۔

دوسرے سال زمانہ حج میں بارہ شخص آئے ان میں چھ آدمی مذکورہ بالا بھی شامل تھے اور عبادہ بن الصامت اور عویم بن ساعدہ بھی انہیں میں سے ہیں۔ یہ لوگ حاضر ہو کر اسی عقبہ کے قریب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف بیعت سے مشرف ہوئے لیکن اس زمانے میں قرآن اسلام میں سے بجز توحید و نماز کے کوئی چیز واجب نہ تھی۔ ان لوگوں

کی درخواست پر آنحضرتؐ نے مصعبؓ بن عمیر کو تعلیم قرآن، فقہ دین اور اقامت جماعت کے لئے ان کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ مصعبؓ بن عمیر جب ان بارہ آدمیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچے اور ایک روایت کے مطابق چالیس آدمیوں کے ساتھ گئے تو سعد بن زرارہ کی اعانت سے مدینہ منورہ میں جمعہ قائم کیا یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو اس شہر معظم میں ادا کیا گیا۔ اس کے بعد دعوت اسلام اور مسائل شرعیہ کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ ایک دن بنی عبدالاشہل کے ایک باغ میں مجمع ہوا۔ مصعبؓ بن عمیر نے تلاوت قرآن پاک فرمائی اور احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا یہ خبر سعد بن معاذ تک پہنچی۔ سعد بن معاذ کا بر قوم میں سے تھے اور سعد بن زرارہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے اس باغ کے دروازے پر آکر کھڑے ہو گئے اور جیسا کہ رؤسا اور بڑے لوگوں کا قاعدہ ہے زجر و توبیخ شروع کی اور کہا کہ اپنے شہر کا نکالا ہو ایہ غیب کس لئے ہمارے مکان کے دروازے پر آیا ہے اور احمقوں کو راہ سے بے راہ کرتا ہے۔ جو باتیں کسی نے آج تک نہیں سنی تھیں یہ کہتا ہے۔ اگر آج کے بعد یہ یہاں دوبارہ آئے گا تو سزا پائے گا سعد بن معاذ کی اس تقریر سے مجمع میں جو امید افزا صورت پیدا ہوئی تھی وہ ٹوٹ گئی۔

دوسرے دن مصعبؓ بن عمیر سعد بن زرارہ کے ہمراہ اسی مقام کے قریب دعوت اسلام اور تلاوت قرآن کے لئے دوبارہ پہنچے یہ خبر سعد بن معاذ کو پہنچائی گئی وہ فوراً آگئے آج بھی اگرچہ وہ منکر تو تھے لیکن اس درجہ کا غصہ نہ تھا جیسا کہ کل رکھتے تھے سعد بن زرارہ نے جب ان کو کسی قدر نرم دیکھا تو سامنے آئے اور کہنے لگے کہ اے میرے خالہ زاد بھائی پہلے سن لو کہ یہ آدمی کیا کہتا ہے اگر بُری بات کہتا ہو یا گمراہی کی راہ پر بلاتا ہو تو آپ کوئی اس سے بہتر چیز پیش کیجئے اور راہ راست دکھلائیے۔ اگر یہ اچھی بات کہتے ہیں اور ہدایت پر ہیں تو کس لئے ان کو بُرا کہتے ہو اور ان کے وجود کو غنیمت کیوں نہیں سمجھتے۔ سعد بن معاذ نے کہا کہ اچھا کہیں کیا کہتے ہیں۔

مصعبؓ بن عمیر نے یہ سورۃ تلاوت کی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ حَمْدُ الْکِتَابِ الْمُبِیْنِ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِیًّا لِّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّہٗ فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ لَدُنْیَا لَعَلَّ حَکِیْمًا اَنْضَرِبَ عَنْکُمُ الذِّکْرَ صَفْحًا اِنْ کُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ط وَکَمْ اَمْرًا سَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ط وَاٰیَاتِہُمْ مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا کَا نُوْدِیْہِ یَسْتَفْضِیُوْنَ ط فَاَهْلٰکُنَا اَشَدَّ مِنْہُمْ بَطْشًا وَ مِثْلُ الْاَوَّلِیْنَ ط

ترجمہ :- قسم ہے اس کتابِ واضح کی، ہم نے رکھا اس کو قرآن عربی زبان کا۔ شاید تم

بوجھو اور یہ بڑی کتاب میں ہم پاس ہے اونچا اور محکم۔ کیا پھر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ سمجھوتی موڑ کر، اس سے کہ تم ہو لوگ جو حد پر نہیں رہتے اور بہت بیچھے ہیں ہم نے بنی پہلوں میں اور نہیں آنا لوگوں کو کوئی پیغام لانے والا، جس سے یہ ٹھٹھا نہیں کرتے۔ پھر کھپا دئے ہم نے ان سے سخت زور ٹالے اور چلی آئی ہے حقیقت پہلوں کی۔ (سوال: خوفِ پارتہ)
 سعد بن معاذ یہ کلمات سن کر اپنی جگہ سے اٹھے اور عبرت پکڑ لی اگرچہ فوراً کلمہ شہادت کا اظہار تو نہیں کیا لیکن ان کے دل میں نور ایمان نے جگہ پکڑ لی تھی۔ سعد بن معاذ جب اپنی قوم میں واپس پہنچے تو تمام قبیلہ بنی عبد الاشہل کو بلا کر اظہار اسلام کیا اور ان لوگوں کو بھی دین اسلام کی دعوت دے کر کہا کہ جس شخص کو بھی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس میں اگر کوئی شک ہو تو بسم اللہ اس سے بہتر چیز لا دے تاکہ میں بھی جان لوں کہ کیا لانا ہے قسم خدا کی یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس پر جانیں قربان ہوں گی اور سر اس کے راستے میں رکھے جائیں گے اس کے بعد دریافت کیا اے بنی عبد الاشہل اپنی قوم میں مجھ کو کس درجہ کا سمجھتے ہو اور مجھے کتنا عاقل و دانا شمار کرتے ہو لوگوں نے کہا کہ اَنْتَ سَيِّدُنا دَا فَضَلْنَا بِہِ سَنَ کر کہنے لگا کہ تمہارے زن و مرد سے مجھ پر کلام کرنا۔ اس وقت تک مجھ پر حرام ہے جب تک خدا و رسول پر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے۔

اس کے بعد اسلام نہایت تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا اور انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو لوہر اسلام سے متور نہ ہوا ہو۔ اشراف قبائل اور اکابر قوم ایمان لے آئے۔ اور بتوں کو توڑ کر توحید و اسلام کے سایہ عاطفت میں آ گئے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ جناب رسول خدا کے فرمان کے مطابق احکام اور قوانین شرعیہ کی تعلیم دینے لگے۔

فصل مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بعد موسمِ حج میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس تشریف لائے ان کے ہمراہ جماعت کثیر شوقِ ملاقات اور شرفِ بیعتِ سیدِ برابرہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنے کی غرض سے اپنے ہم قوم مشرکین حجاج کے قافلے کے ساتھ مکہ میں پہنچی۔ اس جماعت نے سعادتِ ملاقات سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کی اور تشریق کی درمیانی راتوں میں عقبہ مذکور میں جمع ہونے کا وعدہ کیا۔ جب وعدہ کی رات آئی تو دو تہائی رات گزرنے کے بعد نہتہر آدمی خفیہ طریقے سے اپنے ہم قوم مشرکوں کے درمیان سے نکل کر چلے آئے اور عقبہ کے قریب پہاڑ کے درہ میں جمع ہو کر طلوعِ جمال سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کے منتظر ہو بیٹھے۔ آنحضرتؐ بھی اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے ہمراہ جو اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے مقام مذکور میں تشریف لائے تاکہ اس جماعت سے بیعت لیں۔ عباس نے کہا اے قوم تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں عزت و شرف کی حیثیت سے بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ ہم نے ہرچند ان کو منع کیا لیکن انہوں نے ہمارے بات نہیں سنی اور آپ لوگوں کے اجتماع سے باز نہ آئے۔ اب اگر آپ لوگوں کے وفائے عہد کا بخت اور مضبوط ارادہ ہے تو فہو المراد ورنہ اسی وقت کہہ دو تاکہ پھر پشیمان نہ ہو اور ہم کو عداوت و دشمنی کے مقام پر مت آنے دو۔

لوگوں نے کہا کہ اے عباس جو کچھ تم نے کہا ہم نے سنا اور جان لیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ اپنے یا اپنے پروردگار کے لئے جو اقرار ہم سے لینا چاہتے ہیں وہ لے لیجئے۔ بسم اللہ ہم تیار ہیں۔ حضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوات نے قرآن عظیم کی تلاوت فرمائی اور انھیں دین اسلام کی ترغیب دی۔ اور فرمایا خدا کا عہد یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ اور میرا عہد یہ ہے کہ رسالت کی تبلیغ میں میری امداد اور اعانت کرے رہو۔ جو کوئی اس امر میں رکاوٹ پیدا کرے اس کے ساتھ جہاد اور قتال سے پیچھے نہ ہٹو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا سے لڑائی اور جنگ کا کام چلا آتا ہے۔ لیکن ہمارے اور یہود کے درمیان عہد و حلف کا رشتہ ہے لیکن اب ہم اس کو بھی قطع نظر کرتے ہیں۔ البیانہ ہو کہ آپ اپنے وطن کو واپس آئیں، اپنی قوم سے رجوع کر لیں اور ہم کو تنہا چھوڑ دیں۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا کہ البیانہ ہو گا۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے۔ جان جان کے ساتھ اور تن تن کے ساتھ۔ میری زندگی تمہیں میں گزرے گی اور میری موت بھی تمہارے ہی ساتھ ہوگی وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اگر ہم آپ کی محبت میں مار ڈالے جائیں اور ہماری جان و مال آپ پر قربان ہوں تو اس کا کیا بدلہ ہے۔ فرمایا جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ ترجمہ (جنتیں ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں) سب نے عرض کیا کہ یہ بیع نافع ہے۔ بسم اللہ یا رسول اللہ۔ البسط یدک فقد بالینا ک۔ ترجمہ (بسم اللہ یا رسول اللہ بڑھائیے اپنے ہاتھ کو ہم نے آپ کی بیعت کی) اس کو بیعت عقبہ کبریٰ کہتے ہیں اور بعض مورخین اس کا نام عقبہ ثانیہ رکھتے ہیں لیکن یہ مقتضائے سیاق کلام سید علیہ الرحمۃ

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے اس کا نام عقبتہ ثالثہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جب عہد بیعت انصار عالی مقدار رضوان اللہ عنہم اجمعین مستحکم ہو گیا آیت کریمہ ان
 اللہ اشترى من المؤمنین أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة ترجمہ: (بیشک
 اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو بعوض اس بات کے کہ ان
 کے لئے جنت ہے) نازل ہوئی اس کے بعد ان کے بارہ گروہ کئے اور ہر گروہ پر ایک نقیب
 اور ایک سردار مقرر فرمایا تاکہ ان کی حالتوں کا نگران رہے اور دنیا و آخرت کے جملہ امور درست
 ہو جائیں اور یہ بارہ نقیب انصار کے رؤساء تھے۔ اسرار الرجال کی کتابوں میں ان کے اوصاف
 درج ہیں انھیں لوگوں میں سے ایک انصاری نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ فرمائیں تو ان
 تمام مشرکین کو جو اس وقت منا میں جمع ہیں ہم قتل کر ڈالیں تاکہ ان میں سے کسی ایک کا کوئی اثر
 باقی نہ رہے فرمایا وَلَمْ اُدمِ بَذَالُكَ تَرْجَمَہ (مجھ کو میرے پروردگار سے حکم نہیں ہوا ہے
 کہ تلوار اٹھاؤں اور مشرکین سے جہاد کروں) اس کے بعد گروہ انصار اپنی جگہ پر آرام سے بیٹھ
 گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اب ہمیں واپسی کی اجازت دیجئے اور
 یہ بھی عرض کیا کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں اور
 ہمارے شہر کی طرف توجہ فرمائیں تو ہماری خوش نصیبی ہوگی۔ ہم لوگ آپ کے فرمان
 پر ہیں آپ جیسا حکم کریں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی تک میرے لئے اللہ کی طرف سے
 مکہ سے باہر نکلنے کا حکم نہیں ہوا ہے۔ اور ہماری ہجرت کے لئے کوئی مقام مقرر نہیں فرمایا گیا
 ہے۔ جس وقت اور جس جگہ کے لئے حکم ہوگا میں ہجرت کروں گا۔ یہ فرما کر انصار کو رخصت کیا۔
 (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

پانچواں باب

اس باب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے
 ہجرت فرما کر سرزمین مدینہ منورہ میں پہنچنے کا ذکر ہے
 جب قبائل انصار عہد اور اقرار کر کے اپنے شہر کو واپس ہوئے اسی وقت آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دربارِ خداوند کی میں متوجہ ہو گئے تاکہ مقامِ ہجرت متعین فرمایا جائے۔ پہلے آپ نے ان مقامات پر غور فرمایا جن کے صفات دوتین مقامات میں مشترک معلوم ہوتے تھے اول، بحرِ جو بحرین کے شہروں میں سے ہے دوسرے قنسرولن جو ملک شام میں ہے تیسرے یثرب جو سرزمینِ حجاز میں ہے۔ اس کے بعد مدینہ نہایت ظہور اور انتیاز کے ساتھ متعین ہوا۔ لیکن سفر کا وقت ابھی تک نہیں بتایا گیا تھا آپ نے وحیِ آسمانی کے تقاضے کے سبب اپنے بعض اصحاب کو مدینہ کی طرف رخصت فرمایا۔ چند روز گزرنے کے بعد اصحاب کرام کثرت سے مدینہ کو رخصت ہوئے۔ ان میں عمر بن خطاب ان کے بھائی زید بن خطاب، حمزہ بن عبدالمطلب، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبد اللہ، عثمان بن عفان، زید بن حارثہ اور صہیب وغیرہ رضوان اللہ عنہم اجمعین شامل تھے۔ آپ کے اصحاب میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ میں کوئی نہیں رہا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس کلام کا مقصد یہی ہے کہ اکابرینِ صحابہؓ میں سے سوائے صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے کوئی شخص آپ کے ساتھ نہیں رہا۔ لیکن بہت سی روایتوں میں آیا ہے کہ سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ سے تشریف لے جانے کے بعد ابوسفیان اور دیگر مشرکین نے کمزور صحابہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں جاسکتے تھے قید کر دیا نیز انھیں ڈانٹ ڈپٹ کر اور طرح طرح کے عذاب میں گرفتار کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب کی بلندی کو قوت سے فعلیت کی طرف مشاہدہ کرتے تھے۔ اور دین کے انتظام کا احساس کرتے ہوئے ان بد بختوں کی آتشِ حسد و عداوت رسولِ محنتار صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے خلاف شعلہ زن ہوتی تھی۔ صحابہ کرام کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے سے وہ خیال کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آج ہی کل میں ہجرت کریں گے۔ آپس میں ایک جلسہ مشاورت قائم کیا۔ جلسہ کا سرگروہ ابو جہل ملعون تھا اور ابلیس لعین بھی آکر ان لوگوں کا شریک حال ہوا۔ بعضوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جلا وطن کر دینے کی رائے دی۔ اور بعض نے قید کرنے کا مشورہ پیش کیا ابو جہل لعین نے کہا کہ پانچ آدمی قبیلے سے لے لو اور ان کے ہاتھ میں تلواریں دو تاکہ یہ سب یکبارگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیں۔ ان متفرق قبائل سے بنی ہاشم کو

قصاص یا خون کا بدلہ لینے میں دقت ہوگی فوراً جبریل امین تشریف لائے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت لا کر ان بد بختوں کی خبیث حالت سے خبر کر دی۔ وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ اَوْ يَقْتُلُوكَ اَوْ يَخْرُجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ط وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ترجمہ (اور جب کہ وہ لوگ آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے جنہوں نے کفر کیا تا کہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلا وطن کریں۔ اور وہ تدبیریں کرتے تھے اور اللہ بھی تدبیر کرتا تھا اور اللہ ہی تدبیر کرنے والا ہے۔)

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کے مشاہدہ کرنے کے بعد سفر کی طرف متوجہ ہو کر ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے اختیار کرنے کی اجازت اس آیت سے ہوئی ہے۔ قُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ترجمہ :- (فرمادیجئے اے میرے رب داخل کر تو مجھ کو سچائی کی جگہ میں اور بنا دے تو میرے لئے اپنے نزدیک سے غلبہ مدد کرنے والا) اس کے بعد علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم رات کو ہمارے بستر پر آرام کرو تا کہ مشرکین اشتباہ میں پڑ کر حقیقت حال سے فوراً واقف نہ ہو سکیں لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوڑنے کی اصل غرض یہ تھی کہ آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ کفار قریش کی امانتیں واپس کی جاسکیں کیونکہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے اور اپنی امانتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے اور حضور کو امین صادق کہتے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو ہجرت کے حکم سے آگاہ کیا ابوبکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بھی آپ کی خدمت میں رہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ ابوبکر صدیق کو دو اونٹنیاں بہت محبوب تھیں اور چار مہینے سے ان کو چارہ وغیرہ دے کر خوب تندرست کیا تھا۔ ان دونوں کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا اور عرض کیا ایک کو حضور قبول فرمائیں آپ نے فرمایا کہ میں نے قبول کیا لیکن بشرط بیع۔ لہذا آٹھ سو درم میں اس اونٹنی کو ان سے خرید لیا۔ اس خریداری میں باوجود سچی محبت اور انتہائی دوستی کے یہ حکمت تھی کہ آپ نے خدا کی راہ میں کسی سے مدد نہ لینی چاہی۔ چنانچہ اس آیت کا اشارہ یہی ہے وَلَا يَتَزَكُّ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحَدًا ترجمہ :- (اور نہ شریک کیجئے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو)

اس اُونٹنی کا نام صبحِ روایت کے مطابق قصوا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جدِ عاتقا۔ اس کے بعد بنی دیل میں سے ایک شخص کو جس کا نام رقیط تھا اور رہبری کے کام میں ماہر تھا یہ امانت اور اسرار کے محفوظ رکھنے میں بھی مشہور تھا مزدوری پر رکھ لیا تاکہ دونوں اونٹوں کو پہاڑِ ثور پر حاضر کرے یہ رقیط کفار کے دین میں تھا امام نووی کہتے ہیں کہ اس کا اسلام معلوم نہیں ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر حضرت یسٰء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان کو واپس تشریف لائے آپ کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آئے اب تو تمام قریش کا ہجوم دروازہ پر آکر جمع ہو گیا تاکہ اپنے ارادہ میں کامیابی حاصل کریں اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک چادر مبارک سے اوڑھ کر باہر تشریف لائے ابو جہل ملعون نے استہزاء کے طور پر کہا کہ یہ محمد ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر تم ہمارے تابع ہو جاؤ تو ملکِ عرب و عجم تمہارا ہو جائے۔ اور بہشت بریں تمہارا گھر بن جائے اگر میری تابعداری نہ کرو گے تو دنیا میں میرے ہاتھ سے قتل کئے جاؤ گے اور آخرت میں تمہارا ٹھکانہ ہاویہ جہنم میں ہوگا۔

اس کو سن کر سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں یہی کہتا ہوں اور ایسا ہی ہوگا اور منجملہ ان دونوں کے جن کی میں نے خبر دی ہے ان میں ایک تو بھی ہوگا۔ اور دستِ اقدس میں ایک مٹھی خاک لے کر سورہ لیس فہم لایبصرون تک اور وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِیْنَ کَاٰبُوْهُمِنْ بَلَاٰخَرَةٍ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا - پڑھی۔ اور کفار کی طرف پھینکی اور اسی حالت میں سامنے سے نکلے ہوئے چلے گئے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور جو کھڑکی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی اس میں سے نکل کر پہاڑِ ثور کی جانب روانہ ہو گئے اور بقول صبحِ تبین دن تک اس غار میں (جو اس پہاڑ میں تھا) اقامت فرمائی۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے آنحضرت کے مکان کا محاصرہ کرنے والے کفار کی جماعت سے آکر کہا کہ یہاں کیوں کھڑے ہو اور کس کا انتظار کر رہے ہو کفار کہنے لگے ہم صبح ہو جانے کے منتظر ہیں تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کریں وہ شخص کہنے لگا کہ تمہاری حالت پر افسوس ہے۔ وہی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو ابھی تمہارے سامنے سے گئے ہیں ابو جہل اور تمام کفار اپنے سروں پر خاکِ ندامت ڈالتے ہوئے واپس چلے گئے۔ حفاظتِ الہی اپنے حبیب کی حفاظت میں کام کر چکی تھی۔ صبح کے وقت جب علی بن ابی طالب کو دیکھا تو کفار نے دریافت کیا کہ تمہارے سردار کہاں گئے۔ حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ اعلم بحالِ رسولہ - ترجمہ (اللہ خوب جانتا ہے اپنے رسول کے حال کو)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے روانگی بیعت عقبہ کے ڈھائی مہینے بعد ہوئی یہ ربیع الاول کی چاند رات اور دن پنجشنبہ کا تھا لیکن صبح تریہ ہے کہ دو شنبہ تھا ان دنوں روایتوں کے جمع ہو جانے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ گھر سے روانگی کی ابتدا پنجشنبہ کو ہوئی ہوگی اور غار سے دو شنبہ کے دن۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی پر حضرت علیؓ، اہل بیت اور حضرت ابو بکرؓ کے سوا کوئی مطلع نہ تھا۔ مواہب لدینیہ میں ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ ہر روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پہاڑ پر کھانا لے جاتی تھیں اور محمد بن ابی بکرؓ تمام کافروں کی خبریں پہنچاتے تھے۔ مکہ معظمہ میں آنحضرتؐ کی مدت اقامت مشہور روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تیرہ سال ہے۔ اور دوسری روایت میں پندرہ سال۔ لیکن ان معجزات کی تفصیل جو ابتدائے روانگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک ظہور میں آئی ہیں۔ مثلاً مکہ میں کاجالاتاننا۔ کبوتر کا انڈے دینا۔ کفار کا انتہائی کوشش کے باوجود آپ کو نہ پانا، غار کی تفتیش کرنا، سراقہ کے گھوڑے کا پاؤں زمین میں دھنس جانا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کیا تھا۔ آپ کا ام مہاجر کے مکان میں نازل ہو کر ان بکریوں کو دوہنا جن کے دودھ لاغری کی وجہ سے خشک ہو گئے تھے اور کفار قریش کا جبل ابی قیس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی آواز غیبیہ کا سُنا اور ان کے علاوہ دوسرے معجزات جن کی تفصیلات کتب تاریخ و احادیث سے معلوم ہوں گی۔ چونکہ یہاں پر مقصود اُصلی احوال مدینہ منورہ کا ذکر ہے لہذا بعض حکایتوں کی فرو گذاشت بلکہ اکثر روایتوں کا ترک کرنا جو ہجرت کے متعلق منقول ہیں۔ تنگی وقت کے سبب مناسب معلوم ہوا۔ ابوسلیمان خطابی بیان کرتے ہیں کہ جب سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب پہنچے تو بُریدہ سلمیٰ مع شتر آدمیوں کے جو اس کے ہم قوم تھے کفارِ قریش کے اشلایے پر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گرفتار کرنے پر قریش کی طرف سے مامور ہوا تھا اور اس کو اس صلے میں سواونٹ بھی دینے کا اقرار تھا۔ یہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے نکلا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تیرا کیا نام ہے اور تو کون شخص ہے؟

اُس نے کہا میرا نام بُریدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شگون کے طور پر نام کے مادہ اشتقاقی سے کہ سلامتی اور جمعیت سے بُردہ ہے۔ ابو بکر سے کہا کہ قَدْ بُردَا عِزًا وَصَلَحَ۔ یعنی خوش اور ٹھنڈا ہے کام، ہمارا انجام بھلائی کا رکھتا ہے۔ پھر دریافت فرمایا کہ تو کس قبیلہ سے ہے اس نے کہا بنی اسلم سے۔ آپ نے فرمایا کہ خیر اور سلامتی ہے۔ پھر دریافت فرمایا کہ کون سے بنی اسلم اُس نے جواب دیا کہ بنی سہم سے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو نے اپنا حصہ اسلام سے پالیا۔ اس کے بعد بُریدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کون شخص ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں محمد ابن عبد اللہ رسول اللہ ہوں۔ بُریدہ فوراً نام مبارک آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم کا سُن کر ایمان لے آیا اور اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمدًا عبده و رسولہ پڑھ لیا۔ اور اس کے ساتھ جو جماعت تھی سب کے سب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ بُریدہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس وقت آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوں ایک جھنڈا آپ کے ہمراہ ہونا چاہیے۔ یہ کہہ کر بُریدہ نے اپنے عمامہ کو سر سے اتار کر نیزہ پر باندھا اور سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلا اور التماس کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون سا مکان ہے جس کو اپنے نزول سے مشرف فرمائیے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے جس جگہ بیٹھے گی میرا مکان وہی ہو گا۔ بیت

رشتہ در گردنم افگندہ دوست	می بُرد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست
---------------------------	---------------------------------

بخود رہ نیست در کویتو مشتاقان شیدا را

خم زلفت بقلاب محبت میکشد مارا

بعض صحابہ کرام بغرض تجارت ملک شام کو گئے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام کا یہ گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک منزل میں اتفاق سے مل گیا۔ انہوں نے آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے سفید کپڑے ہدیہ پیش کئے اس جانب انصار قدوم مسرت لزوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر رہا کرتے تھے۔ اور ہر روز صبح کو مدینہ کے ٹیلوں پر چڑھ کر طلوع آفتاب تک جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں کھڑے رہتے تھے۔ جب دھوپ تیز ہو جاتی تو اپنے مکالوں کو واپس چلے

آئے۔ اسی طرح ایک دن اپنے مکانوں کو واپس ہو رہے تھے کہ اچانک ایک یہودی کی نظر جو اس ٹیلہ پر کھڑا تھا قدم لشکر محمدی پر پڑی اس نے سمجھ لیا کہ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تشریف لا رہے ہیں انصار کا وہ قبیلہ جو اس کے قریب تھا اُن سے بہ آواز بلند کہنے لگا کہ اب تمہارا مقصد اور مقصود حاصل ہو گیا۔

نظم

اینک آل سر و خراماں میرسد	اینک آل گلبرگ خنداں میرسد
شاد باش اے خستہ ہجراں بلا	کزیے درد تو درماں میرسد
شوق کن اے بلبل گلزار عشق	کاں گل نواز گلستاں میرسد
درد دل افسردہ روئے میدہد	مردہ تن را مژدہ جاں میرسد
تازہ باش اے تشنہ وادی غم	کز برایت آب حیواں میرسد
دور شو اے ظلمتِ شام فراق	کا قتاب وصلِ تاباں میرسد

(مترجم)

آؤ وہ سر و خراماں آگئے	آؤ وہ گلبرگ خنداں آگئے
خوش ہو خوش ہو خستہ حالان فراق	وہ تمہارے دکھ کے درماں آگئے
مست ہو اے بلبل گلزار عشق	خوش ادا جان گلستاں آگئے
قلب افسردہ کو راحت جن سے ہے	وہ تن بے جان کی جاں آگئے
سیر ہو اے تشنگانِ دشتِ غم	وہ زلال آب حیواں آگئے
شام ہجراں کی سیاہی دور ہو	وصل کے خورشیدِ تاباں آگئے

اہل اسلام اپنے بدن پر ہتھیار لگا کر آپ کے استقبال کے لئے نکلے سب سے پہلی برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے کی بنی عمر بن عوف کے مکانوں کو حاصل ہوئی۔ یہ مسجد قبا کے اطراف میں تھے۔ یہ دو شبہ کا دن بارہویں ربیع الاول سنہ اول ہجری تھا۔ منجملہ فضائل دو شبہ کے یہ ہے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

آپ کی ابتداءے بعثت اور ہجرت، آپ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری اور آپ کی روح پاک کا قبض ہونا یہ سب دو شبہ کے دن ہوا اسی طرح سے شرف المصطفیٰ لابن جوزی میں ہے اور بعض مورخین کے نزدیک تاریخ لکھنے کی ابتداء بھی اسی دن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ تاریخ لکھنے کی ابتداء ماہ محرم سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے تین دن ایک روایت میں ہے کہ چار دن تک اور دوسری روایت میں ہے کہ اس سے زائد دنوں تک اسی مقام پر قیام فرما کر مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور مدت قیام میں اسی مجلس کے اندر نماز ادا فرماتے تھے۔ اور اسی مقام پر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تین روز کے بعد مکہ معظمہ میں لوگوں کی امانتیں پُر و کر کے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تھے۔ اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں سے ملنے اور ان کے حالات دریافت کرنے میں مشغول تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سکوت کی حالت میں بیٹھے تھے جب آفتاب جہاں جہاں آئے روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل آیا تو اس وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر کو پھیلایا۔ اور سامنے کھڑے ہو گئے تاکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ ہو جائے اور یہ روایت بھی ہے کہ بعض آدمیوں کو بھیڑ کی وجہ سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید ابو بکر صدیق پیغمبر خدا ہیں۔ آنحضرت اور ابو بکر صدیق ہونے پرے زیب تن کئے ہوئے تھے وہ بھی یکساں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک کو نیچے کئے ہوئے خاموش بیٹھے تھے۔ ابو بکر صدیق اللہ عنہ نے اپنی دانائی سے لوگوں کے شبہات کو سمجھ لیا آپ اٹھے اور اپنی چادر کو پھیل کر صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر کے کھڑے ہو گئے تاکہ لوگوں کا شبہ رفع ہو جائے۔

فصل :- سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت مدت معلومہ کے بعد جمعہ کے دن جب کہ آفتاب کچھ بلند ہو چکا تھا مدینہ منورہ میں داخلہ کا ارادہ فرمایا انصار کے قبائل سوار و پیادہ جمع ہوئے اور ہتھیار بند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہوئے بنی عمرو بن عوف جو قبا کے باشندے تھے عذر خواہی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا ممکن ہے یہاں کوئی صدمہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا ہو جس کی وجہ سے آپ نے دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی

جانب سے اس آبادی کے لئے مامور ہوں جو اکالہ قری ہے یعنی مدینہ طیبہ اکالہ قری اس شہر کے ناموں کے بیان میں اس کے معنی گزر چکے ہیں، آفتاب رسالت کے روانہ ہونے کے بعد انصار کے قبائل اس امید اور انتظار میں راستے میں سامنے آکر کھڑے ہو گئے کہ شاید آپ کی نظر ان امیدواروں پر پڑ جائے۔ انہوں نے التماس کیا کہ ہمارے گھر نزول ہوا اور دعا لغمت وغیرہ کی کرائی۔ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے دعائے خیر کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری اونٹنی مامور ہے جس جگہ یہ بیٹھ گی وہیں پر میرا مقام ہو گا۔ یہاں تک کہ قبیلہ بنی اسلم آگیا جو وادی کے بطن میں قبا کے قریب واقع ہے۔ جمعہ کی نماز کا وقت آچکا تھا اقامت جمعہ اسی مقام پر فرمائی جو جگہ اب مسجد جمعہ کے نام سے مشہور ہے اور ایک خطبہ پلغ ادا کر کے اہل ایمان کے دلوں کو منور کیا۔ آپ کا یہ خطبہ خوشخبری اور ڈرانے کے مضامین پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد اس نائے کی طرف کا راستہ اختیار کر کے مدینہ منورہ کو متوجہ ہوئے ہر قبیلہ آپ کے سامنے آکر آپ کی اونٹنی پر ہاتھ رکھتا اور آپ کے نزول کی درخواست کرتا تھا۔ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعائے خیر فرماتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے اور اونٹنی کے بیٹھنے کا انتظار کرتے تھے کہ کہاں بیٹھتی ہے۔ آخر کار آپ اس مقام پر پہنچے جہاں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف ہے اونٹنی بے اختیار وہیں پر بیٹھ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹنی ہی پر وہ حالت خاص طاری ہو گئی جو نزول وحی کے وقت ہوتی تھی۔ پھر اونٹنی یکایک اس مقام سے جہاں بیٹھ گئی تھی اٹھی اور وہاں سے چند قدم آگے چل کر خود بخود واپس ہوئی اور اسی مقام اول پر واپس آکر بیٹھ گئی اور ایک روایت میں ہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پشتِ ناقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباب اور سامان کو اتارا اور آپ کو دکھلا کر اپنے مکان میں لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المرء مع رجليه یعنی مکان ہر شخص کا وہاں ہے جہاں پر اس کا اسباب اور اشیاء ہوں لہذا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کو شرفِ نزول بخشا ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ بیت

مبارک منزلے کا نخانہ راما ہے چنیں باشد	ہمایوں کشورے کا عرصہ اشاہے چنیں باشد
--	--------------------------------------

مترجم

ایسی جو مبارک منزل ہو تو ماہ بھی اس کا ہو لیا | اور ملک ہمایوں لیا ہو تو شاہ بھی اس کا ہو لیا

اس سے پہلے جہاں انصار کے نسب کا بیان لکھا گیا ہے اس میں گزر چکا ہے کہ ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ ہی کا وہ مکان تھا جو تبع نے علماء یہود سے سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تشریف آوری کی خبر سن کر آپ کے لئے بنوایا تھا۔ ابن جوزی کتاب شرف المصطفیٰ میں بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی ابوالیوب رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر بیٹھی اس وقت بنی نجار کی لڑکیاں ایک جماعت ہو کر سید ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد میں دف بجاتی اور گاتی چھوٹی نکلیں۔ شعر

نحن جوار من بنی النجار | یا حبذا محمد من جار

ترجمہ: ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہوئے

آپ نے فرمایا کہ اے قبائل انصار کیا تم مجھے دوست رکھتے ہو سبھوں نے بیک آواز عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا کہ قسم خدا کی میں بھی تم کو دوست رکھتا ہوں۔

رزیں، جو کہ بڑے علماء حدیث میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت قبائل انصار کی عورتیں گلیوں اور دروازوں پر نکل کر گارہی تھیں۔ شعر

طلع البدر علینا من ثنیت الوداع | وجب لشکر علینا ما دعا اللہ داع

ترجمہ:- (ہمارے اوپر چودھویں رات کا چاند ثنیت الوداع سے طلوع ہوا۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ جب تک کہ اللہ کے نام لینے والے باقی رہیں۔)

غلام اور آزاد خورد و کلاں مرد اور عورت سب کے سب آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری سے خوش ہو کر کہتے تھے جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ وَجَاءَ نَبِيُّ اللَّهِ۔

ترجمہ :- (اللہ کے رسول تشریف لائے اور اللہ کے نبی تشریف لائے) اور فوجیں بھی اپنی عادت کے موافق نیزہ بازی کرتی ہوئی خوشی کی داد دیتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کی عمر اس وقت نو برس کی تھی فرماتے ہیں کہ مجھے خوب یاد ہے جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے مدینہ منورہ کے در و دیوار آپ کے چہرہ انور سے ایسے روشن ہوئے جیسے کہ طلوع آفتاب سے چمک پیدا ہو جاتی ہے اور جس دن کہ اس عالم سے تشریف لے گئے ہر جگہ نیزہ و تار یک ہو گئی تھی۔ جیسی کہ غروب آفتاب کے وقت ہو جاتی ہے۔ محمد بن اسحاق ابو ایوب انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مکان کو اپنے نزول سے مشرف کیا تھا تو مکان کے نیچے والے حصہ کو پسند فرمایا اور میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ بالا خانے پر رہتا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں میں اوپر کی رہائش میں بہت تکلیف پاتا ہوں۔ یہ کس طرح جائز ہے کہ سرور انبیاء تو نیچے رہیں اور ہم بالا خانہ پر رہیں۔ یا رسول اللہ آپ بالا خانہ پر تشریف لے جائیے اور ہم لوگ نیچے آجائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے لئے نیچے کا حصہ بہت مناسب ہے اس لئے کہ ہمارے ساتھ ایک جماعت ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ ہم سے ملنے آتے ہیں وہ بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ تم اپنے گھر والوں کے ساتھ بالا خانے پر ہی رہو۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن جس جگہ ہم لوگ رہتے تھے وہاں پانی کا گلاس ٹوٹ گیا۔ اس وقت رات میں اوڑھنے کا بس ایک کپڑا ہمارے پاس باقی تھا اور سوائے اس کے کوئی کپڑا نہ تھا جلد جلد پانی کو اسی کپڑے سے خشک کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ پانی چھت کے نیچے گرے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا باعث ہو اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمیشہ بالائی حصہ میں منتقل ہو جانے کی درخواست کرتے رہے یہاں تک کہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانہ پر تشریف لے گئے۔ اور ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نیچے آ گئے۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ اور دوسرے انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لئے کھانا بھیجتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے کھانے میں بہت تکلف

کر کے کچھ سبزیاں یعنی پیاز اور لہسن ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بھیجا۔ آنحضرت صلوات اللہ علیہ نے اسے تناول نہ فرمایا اور کراہیت کا اظہار کیا لیکن اپنے اصحاب کو حکم فرمایا کہ تم کھاؤ قریب تمہاری طرح نہیں ہوں میرے ایک دوست ہیں کہ اس کھانے کی بو سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے دوست کو ایذا دوں۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ سے اور بھی روایت ہے کہ ایک دن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا تیار کیا جس میں لہسن پڑا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول نہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا لہسن کھانا حرام ہے آپ نے فرمایا حرام نہیں ہے لیکن میں مناجات کرتا ہوں اور اپنے دوست سے بہت قریب ہو کر باتیں کرتا ہوں اس لئے اس کا کھانا مکروہ سمجھتا ہوں۔ تم کھاؤ کوئی خوف نہیں ہے۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لہسن پھر کبھی نہ کھایا اور میں ہر اس چیز کو مکروہ سمجھتا تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کراہیت فرماتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں اقامت صحیح روایت کے اعتبار سے سات مہینے ہے۔ دوسری روایت میں مدت اقامت کم و بیش بھی آئی ہے اتنے دنوں کے قیام کے بعد آپ نے ابو رافع وزید بن حارثہ کو پانچ سو درہم دئے اور دواؤں پر مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا وام کلثوم و ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا، ام ایمن زید بن حارثہ کی بیوی اور اسامہ بن زیدؓ کو لے آئیں۔ ان کے ہمراہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی گئے تاکہ وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال کو یعنی حضرت عائشہؓ ان کی والدہ ام رومان اسماء بنت ابی بکرؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کو بھی لے آئیں۔ جب رسول خدا صلوات اللہ علیہ کو ظاہری اور باطنی دل جمعی حاصل ہوئی تو دعوت دین کے مقاصد اور رسالت رب العالمین کی تبلیغ میں مشغول ہوئے وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ترجمہ:- (نہیں ہے مدد مگر اللہ عزیز حکیم کے نزدیک سے) مصرع

کجا حد است حسنت را ہنوز آغاز می بینم

بیت باش تا پیش جمال تو بہار دگر است | یک گل از صد شگفتہ است گلستان ترا
اور جب اس صبح سعادت کا طلوع انصار کے مکانوں سے ہو چکا اور ان کی گمراہی کی

تاریکی اور ہدایت سے بدل گئی تو یہود و نابہود و حدود و عداوت کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح کی خباثتیں اور فساد کرنے لگے بعضے دشمنی کے اظہار میں حتی الامکان کوشش کرتے اور اپنی ہلاکت میں تقصیر نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حنی بن اخطب جس کا بھائی یاسر بن اخطب تھا اور جو یہودیوں میں عداوت اور بد باطنی میں اسی کی طرح مشہور تھا۔ صفیہ بنت حنی رضی اللہ عنہا جو فتح خیبر میں ان لوگوں کی مخالفت کر کے شرف اسلام سے مشرف ہو گئی تھیں۔ روایت کرتی ہیں کہ میں جملہ اولادوں میں اپنے باپ اور چچا کے نزدیک بہت محبوب تھی جس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے۔ یہ لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کو گئے۔ اول صبح سے غروب آفتاب تک آپ کے پاس رہے رات کو یہ لوگ جب گھر واپس آئے تو میں نے ان لوگوں کو دیکھا یہ لوگ سُستی اور غم و محنت کے بار میں ایسے دبے ہوئے تھے کہ اس سے زائد کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ مکان میں آ کر گر پڑے۔ میں اپنی عادتِ معینہ کے مطابق ان لوگوں کے پاس گئی ان پر اس قدر بارِ غم طاری تھا کہ ان میں سے کسی میں اس بات کی طاقت نہ تھی کہ میری طرف رخ کرے میرا چچا میرے باپ سے کہنے لگا کہ کیا یہ وہی ہیں۔ یعنی کیا یہ وہی پیغمبرِ آخر الزماں ہیں جن کے اوصاف ہم نے توریت میں پڑھے ہیں۔ میرے باپ نے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی ہیں پھر چچا نے کہا کیا تم یہ یقیناً جانتے ہو کہ یہ وہی ہیں باپ نے کہا کہ ہاں قسم خدا کی یہ وہی ہیں۔ چچا نے کہا تم اپنے دل میں ان کی نسبت عداوت پاتے ہو یا محبت؟ باپ نے جواب دیا کہ عداوت۔ اور واللہ جب تک میں زندہ رہوں گا ان کی عداوت میں میں کوشش کرتا رہوں گا۔

پس وہ دونوں ازلی بد بخت سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت اور حسد رکھنے کی وجہ سے عذابِ ابدی میں گرفتار رہے نعوذ باللہ منہا۔ انہی بد بختوں کے گروہ میں سے بعض دوسرے لوگوں نے بھی بہانہ اور نفاق کو سامان دنیوی کے جمع کرنے کا ذریعہ بنایا اور حیاتِ فانی کی حفاظت کو بہتر جانا اوس و خرزج کی ایک جماعت نے بھی نفاق کے مرض میں مبتلا ہو کر ان کے ساتھ اتفاق کیا اور جہنم میں گرے لیکن انہی میں ایسے یہود اور ان کے علماء بھی تھے کہ ازل ہی میں رحمتِ الہی نے

ان کی پیشانیوں پر حرفِ سعادت لکھ دیا تھا اور یہ اس شناخت کے سبب جو تو رہت
 ہیں آپ کی صداقت و رسالت پر موجود تھیں۔ دین اسلام کی طرف سبقت کر گئے۔
 اور بغیر کسی تردد کے اپنی گردنِ اطاعت حلقہٴ اسلام میں ڈال دی۔ چنانچہ عبداللہ بن
 سلام جو علماءِ یہود میں سے تھے اور ان میں شریف ترین تھے۔ نیز پیغمبرِ یوسف علیہ السلام
 کی اولاد میں سے تھے۔ جس روز آل سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوالیوب کے
 گھر میں نزول فرمایا ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور فوراً کلمہ شہادت سے مشرف
 ہوئے شعر مدتے بود کہ مشتاقِ تقایت بودم

لا جرمِ روئے ترا دیدم داز جارفتم

لیکن آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے تھے کہ میرے اسلام
 کے ظاہر ہونے اور یہودیوں کے کان تک پہنچنے سے پیشتر میری حالت کو ان سے
 دریافت فرما کر یہودیوں کی خیانت کا امتحان کر لیجئے۔ ان سے دریافت فرمایا کہ
 تم عبداللہ بن سلام کی نسبت کیا کہتے ہو اور اس کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ یہود کی جماعت کو بلاؤ۔ جب وہ
 حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے گروہِ یہود تم پر افسوس ہے کہ تم ایمان
 نہیں لاتے۔ باوجودیکہ تم مجھ کو یقیناً پہچانتے ہو اور بالتحقیق جانتے ہو کہ میں
 خدا کا رسول ہوں اور سچی بات لایا ہوں۔

یہودیوں نے کہا خدا کی قسم ہم آپ کو نہیں پہچانتے اور نہ اپنی کتب میں آپ کا
 تذکرہ پاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا عبداللہ بن سلام کی نسبت کیا کہتے ہو اور
 وہ تم لوگوں میں کس درجے کے آدمی ہیں سمجھو نے عرض کیا ہوسیدنا وابن سیدنا
 واعلمنا وابن علمنا یعنی وہ ہمارا سردار اور سردارِ زادہ ہے اور عقلمند و
 عقلمندِ زادہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں اور میری سچائی پر گواہی دیں
 تو قبول کر لو گے یا نہیں۔ سمجھو نے کہا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں اور آپ کی سچائی پر
 گواہی دے دیں حاشا وکلا۔ آپ نے تین مرتبہ اس کلام کو دہرایا۔ یہود نے
 بھی اسی طرح جواب دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ عبداللہ بن سلام سے کہو کہ باہر آئیں

عبداللہ بن سلام باہر نکلے۔ اور اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا کہ اے قوم تم خوب جانتے ہو کہ آپ سچے رسول ہیں اور خدا کے بھیجے ہوئے ہیں پھر تم کیوں انکار کرتے ہو اور کیوں اپنے کو جہنم میں ڈالتے ہو۔ یہود نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو ہم نہیں جانتے کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔ اس کے بعد عبداللہ بن سلام کی شان میں کہنے لگے ہو شرنا و ابن شرنا و اجهلنا و ابن اجهلنا۔ یعنی عبداللہ بن سلام بدترین اور بدترین زادہ اور جاہل ترین اور جاہل زادہ ہے۔ یہود کی مکاری اور خباثت کی تفصیلات کتب تاریخ اور تفاسیر سے معلوم ہو سکتی ہیں فی الحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور رسالت کی حقیقت کا جاننے والا یہود سے بڑھ کر دوسرا کوئی نہ تھا اور آسمانی کتب میں آپ کے احوال اور اوصاف پڑھتے رہے تھے اور آپ کی بعثت و ہجرت کے منتظر تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو آپ پر ایمان لانے کی وصیت بھی کرتے رہتے تھے اور خوشخبری سناتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

مَا قَالِ اللَّهُ تَعَالٰی اٰیَحٰی فُوْنَهُ لَمَّا اٰیَحٰی فُوْنِ اٰبْنَاءِ هٰمْ تَرْجَمُوْهُ (آپ کو پہچانتے تھے جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)۔ انھیں کی شان میں ہے۔ باپوں کو بیٹوں کی شناخت یقینی ہے اسی طرح سے یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اوصاف کی شناخت تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا جیسا کہ اپنے باپوں کو پہچانتے ہیں اس علم کے باوجود شقاوت ازیلی میں گرفتار ہے۔ لَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ۔ ترجمہ :- ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں اس علم سے جو نہ نفع دے اور اس قلب سے کہ جو نہ ڈرے) مصرع علم کے رہ بحق نماید جہالت است

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ میں مدت اقامت بالفاق علماء مورخین دس سال تھی۔ مدت مذکور کی تفصیل، سوانح اور واقعات جہاد اور فتوحات فیوضات و قوانین شریعت اور وہ احکام جن سے عالم کو نوید ہدایت و اسرار حکمت سے منور کیا اور جہالت کی تاریکیوں اور گمراہی اور جہالت کے فساد سے پاک کیا تاریخ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ اوراق مدینہ منورہ کے حالات کے لئے مخصوص ہیں اس لئے زبان وقت اس کی شرح و بسط کے لئے موافقت نہیں کرتی۔ ان تفصیلات کو ایک علیحدہ تالیف میں کسی دوسرے وقت کے لئے موقوف کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے لیکن اس کے باوجود اگر اجمالاً ان واقعات کی طرف جو ہجرت کے زمانہ میں

واقع ہوئے ہیں اشارہ کر دیا جائے تو نامناسب نہیں ہے تاکہ یہ اوراق بھی ان بعض حالتوں سے خالی نہ رہیں فہماکاً بِدْرُكْ کَلہ کا یَتْرُکْ کَلہ ترجمہ اس لئے جو چیز کل نہ حاصل ہو اس کو کلیتاً چھوڑنا چاہیئے چونکہ ہمارا مقصد اختصار ہے اس لئے یہاں پر اختلافی روایات کو ترک کر دیا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے اول سنہ میں جب مسجد قبا اور مدینہ طیبہ کی مسجد شریف کی بنیاد رکھ چکے اور پردہ گارِ عالم کے حکم کے بموجب مہاجرین و انصار کے درمیان عقدِ مواخات فرما چکے تو جہاد کے لئے آمادہ ہوئے تاکہ عالم کو شر و فساد کے مادہ سے پاک کر کے تاریکی کفر و جہالت کو نورِ علم اور ایمان سے تبدیل کریں۔ گیارہ ماہ کے بعد صفر کی دوسری تاریخ غزوہ ابوا پیش آیا۔ ابوا مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام ہے۔ آپ ساٹھ آدمیوں کو لے کر کفارِ قریش کی تلاش میں وہاں پہنچے۔ ابوا کے قریب ایک اور مقام ہے جس کا نام ودان ہے یہاں پر کفار سے ملاقات ہو گئی لیکن آپ بغیر جنگ کے ہی مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ پھر اسی سال حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا دے کر تیس مہاجرین سواروں کے ساتھ سیف البحر کی جانب روانہ کیا یہاں سے ابو جہل لعین تین سو سواروں کے ساتھ گزر رہا تھا۔ اہل عرب کی ایک جماعت نے ان دونوں کے درمیان پڑ کر فریقین میں صلح کرادی۔

عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کو ساٹھ اور بعض کے بقول اسی آدمی مہاجرین میں سے دیکر ایک جھنڈے کے ساتھ ایک بہت بڑی جماعت پر روانہ کیا اس جماعت کا سردار ابوسفیان اور بعض کہتے ہیں کہ عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ بعض مورخین کے بقول یہ سب سے پہلا جھنڈا ہے جو اسلام میں تیار کیا گیا اس موقع پر بھی لڑائی نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے سعد بن ابی وقاصؓ نے کفار کی جانب تیر پھینکے یہ پہلا نیز تھا جو خدا کی راہ میں پھینکا اور یہی بات سعد بن وقاصؓ کے مناصب میں سے ہے (رضی اللہ عنہ) اسی سال کے ابتدا میں عبد اللہ بن سلام جن کا پیچھے ذکر آچکا ہے۔ اسلام لے آئے اور اسی سال سلمان فارسی بھی مسلمان ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت ان کی عمر ۳۵ برس اور ایک روایت سے دسویں پچاس برس کی تھی۔ اس مدت میں دین حق کی طلب اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے شوقِ ملاقات میں پھرتے تھے۔

آپ ابتدا میں فارس کے مجوس تھے۔ اس کے بعد دین نصاریٰ اختیار کیا۔ آخر میں ایک نصرانی عالم کی وصیت کے بموجب دین محمدی حاصل کرنے کے شوق میں مدینہ منورہ آئے اور اس مدت میں دس جگہ سے زیادہ فروخت ہوئے اور غلام بنے۔ بعد ظہور نور نبوت اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے (رضی اللہ عنہ) اسی سال شہر مدینہ سے باہر ایک بھیڑیا گویا ہوا اور سید ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقت نبوت کی خبر دی۔ اور اسی سال میں سودا اور عائشہ رضی اللہ عنہما جو اس وقت آپ کے نکاح میں تھیں اور فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا نیز دوسری صاحب زادیاں مع عیال ابی بکر رضی اللہ عنہ کے مکہ سے مدینہ منورہ میں طلب فرمائیں اور اسی سال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے سات مہینے بعد شب زفاف فرمایا۔ ایک اور روایت میں زفاف کا واقعہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہے لیکن قول اول صحیح تر اور معتبر تر ہے اور اسی سال میں ہجرت کے ایک ماہ بعد حضرت چار رکعت نماز فرض ہوئی حالانکہ ہجرت سے پہلے دو رکعت نماز فرض تھی۔ جیسا کہ اب سفر میں ادا کرتے ہیں اور اسی سال اذان کی ابتدا ہوئی اور یوم عاشورا کے روزے کا حکم دیا۔ لیکن بعد نزول روزہ رمضان کے جو اہتمام صوم عاشورا کا تھا جاتا رہا لیکن اس کا مستحب ہونا اب بھی باقی ہے۔ اور آپ نے اخیر عمر میں فرمایا تھا کہ اگر آئندہ سال تک ہماری حیات نے وفا کی تو لوہیں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔

ہجرت کے دوسرے سال ربیع الاول کے مہینے میں غزوہ بواط میں دو سو صحابہ کو قریش کے قافلے سے جنگ کے لئے روانہ کر دیا۔ ان میں امیہ بن خلف تھا۔ یہ لوگ رضوی کے اطراف میں پہنچ گئے۔ یہ جگہ مدینہ سے تین منزل مکہ کی طرف ہے۔ یہ لوگ بھی جنگ کے بغیر مدینہ مشرقہ واپس آ گئے۔ جمادی الاولیٰ میں غزوہ عشرہ (یہ ایک مقام کا نام ہے) کو بنی مدلیح سے روانہ ہوئے اور بنی مدلیح و بنی ضمرہ سے صلح کر کے بغیر حرب و قتال کے واپس آئے اس کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آٹھ مہاجرین کے ہمراہ روانہ فرمایا وہ بھی لڑائی کے بغیر واپس آئے۔ پھر کربلا جابر نہری نے مدینہ کے جانوروں پر لوٹ مار کی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی جستجو میں روانہ ہوئے۔ اور اسے داد کی بدر کے قریب تک ڈھونڈا۔

لیکن وہ نہیں ملا۔ اس غزوہ کو بدر اولى کہتے ہیں اور اسی دوسرے سال جمادی الاخریٰ کے آخر میں عبداللہ بن جحش اسدی کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ آٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک اور روایت میں ہے کہ بارہ آدمیوں کے ہمراہ قافلہ قریش کے انتظار میں روانہ فرمایا مکہ کے قریب قریش کے قافلے سے جو شام کی تجارت سے واپس آرہے تھے ملاقات ہو گئی۔ رجب کی پہلی تاریخ کو اور بعض کا خیال ہے کہ تیس جمادی الاخریٰ کو لڑائی ہوئی اور مال غنیمت قبضہ میں آیا اسلام میں یہ پہلا غنیمت ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جنگ اس لئے پسند نہ آئی کہ یہ رجب کے مہینے میں ہوئی تھی اور رجب کا مہینہ حرمت والا ہے اس میں لڑنا مناسب نہ تھا اس لئے آپ نے مال غنیمت بھی قبول نہ فرمایا جی کہ آیت یَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ إِلَى آخِرَتِهَا نَازِلٌ هُوَ تَبِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی مال غنیمت لے کر تقسیم فرمایا۔ اس لشکر میں عبدالرحمن بن جحش کو امیر المومنین کہتے تھے اور بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلا شخص جس نے امیر المومنین کا خطاب فرمایا ہے عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ مراد یہ ہے کہ خلفاء میں سے اول وہ شخص کہ جن کو امیر المومنین کہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اسی طرح سے علماء نے تشریح فرمائی اور آپ نے اسی سال صفر کے مہینے میں نیز دوسری روایت میں رجب کا مہینہ آیا ہے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمادیا۔ اس وقت حضرت زہرا کی عمر شریف سولہ سال اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اٹھارہ سال تھی اور حضرت مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ کی عمر شریف اکیس سال پانچ ماہ کی تھی۔ اور اسی سال ہجرت کے سترہ مہینے بعد قبل بھی بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی جانب مقرر ہوا اور اسی سال شعبان کے مہینے میں فریضہ رمضان اور صدقہ فطر کے احکام نازل ہوئے۔ آپ نے مدینہ منورہ کی عید گاہ میں نماز عید ادا فرمائی۔ عبداللہ بن زہیر ہجرت سے بیس ماہ بعد پیدا ہوئے۔ آپ اول بچے ہیں جس نے ہجرت کے بعد عالم وجود میں قدم رکھا اور اسی سال مشہور غزوہ بدر کبریٰ پیش آیا۔ یہ رمضان شریف کی سترھویں تاریخ صبح کو واقع ہو کر کفار کی ذلت اور اسلام کی عزت کا باعث ہوا۔ اس جنگ

میں ابو جہل ملعون، دوسرے رؤسائے قریش اور ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمی قید ہوئے انہیں قیدیوں میں عباس بن عبد المطلب اور عقیل بن ابی طالب بھی تھے ابو لہب بھاگ کر مکہ پہنچا۔ اور وہاں عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوا۔ مسلمانوں میں سے انصار کے آٹھ مہاجرین میں سے پانچ آدمیوں نے شرف شہادت حاصل کیا اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی جن میں ستر مہاجرین اور دو سو چھتیس انصار تھے ان کے پاس ستر اونٹ دو گھوڑے، چھ زرہ اور آٹھ تلواریں تھیں اب مشرکین کی تعداد ستر سو پچاس مشرکین اور سو گھوڑے تھے۔ قابل بیان یہ ہے کہ منجملہ دیگر سامان غنیمت کے شمشیر و الفقار اسی غزوہ میں ہاتھ آئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اپنی ذات خاص کے لئے مال غنیمت سے پسند فرمائی تھی اور اسی دن رومیوں کو فارسیوں پر فتح ہو کر مسلمانوں کی زیادتی خوشی کا باعث ہوا انہیں ایام میں رقبہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں مدینہ منورہ میں وفات پا گئیں اسامہ بن زیدؓ اور عثمان بن عفانؓ ان کے دفن میں مشغول تھے کہ اس فتح عظیم کی خوشخبری مدینہ منورہ پہنچی اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سات دن قیام فرما کر غزوہ بنی سلیم کے لئے روانہ ہو گئے جب اس مقام پر پہنچے جس کو کہتے ہیں تو یہاں تین روز قیام فرما کر بغیر جنگ و قتال کے واپس ہوئے اور اسی سال اسما بنت مردان جو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتی تھی اور مسلمانوں کی ہجو کرتی تھی مار ڈالی گئی اور اسی سال پندرھویں شوال کو ہفتہ کے دن غزوہ بنی قینقاع (یہودیوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے) روانہ ہوئے اور پندرہ دن تک محاصرہ کر کے عبداللہ بن ابی منافق کی سفارش پر قتل و غارت نہ کیا۔ اور درگزر فرما کر انہیں جلاوطن کر دیا۔ اسی سال آپ نے نماز عبد الضعیف ادا فرمائی اور اسی سال شاعر امیہ بن صلت کا انتقال ہو گیا۔ یہ جاہلیت میں بھی دینداری کا خیال رکھتا تھا۔ اور کتب متقدمہ کے پڑھنے اور نصاریٰ کے دین میں داخل ہونے کی وجہ سے بنوں کی عبادت سے متنفر تھا اور اہل کتاب کے علماء سے بنی آخر الزماں کی خبر سن کر آپ کے ظہور کا منتظر رہا کرتا تھا اور اپنی ذات میں ان فضائل کو محسوس کر کے اپنی نبوت اور رسالت کا گمان رکھتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور نبوت کی خبر سنی تو بوجہ کینہ و

و حسد اذلی کے متکرم ہو گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شعر کو سنا جس میں علم و حکمت کے مضامین تھے تو اس کے متعلق فرمایا امن لسانہ و کفر قلبہ یعنی اس کی زبان مومن اور اس کا قلب کافر ہے۔ ایک اور روایت میں امن شعرہ و کفر قلبہ آیا ہے۔ واللہ المہادی و هو المصل و نعوذ باللہ من الضلال اور سترہ ہجری میں پانچویں ذی الحجہ کو غزوہ سویق واقع ہوا۔ ابوسفیان نے غزوہ بدر کی شکست کے بعد قسم کھا کر اپنے اوپر روغن اور غسل جنابت کو حرام کر لیا تھا۔ اس نے عہد کیا تھا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مقتولین بدر کا بدلہ نہ لے لوں گا آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ اس نے دو سو سواروں کے ہمراہ مکہ سے چل کر مدینہ ستین میل کے فاصلے پر آ کر ایک انصاری کو جو اس اطراف میں رہتے تھے شہید کر ڈالا اور چند مکان جو ان کے قریب تھے ویران کر کے بھاگ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دو سو آدمیوں کے ہمراہ اس کے پیچھے روانہ ہوئے لیکن اس کی جماعت نہایت ہی خوف زدہ ہو کر ستوں کی جھولیاں جسے وہ اپنے ہمراہ کھانے کے لئے لائی تھیں راستہ میں پھینک کر بھاگ کھڑی ہو گئی اسی لئے اس غزوہ کو غزوہ سویق کہتے ہیں۔ پانچ دن کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ واپس آ کر بقیہ ذی الحجہ میں اقامت فرمائی۔ اس کے بعد غزوہ نجد کے لئے روانہ ہوئے اور صفر کے مہینے تک وہاں اقامت فرمائی۔ یہاں سے بھی بغیر جنگ کے واپس ہو کر ربیع الاول کا اکثر حصہ مدینہ منورہ میں گزارا پھر قریش کی جستجو میں نجد ان کی سمت روانہ ہوئے۔ ربیع الاخریٰ اور جمادی الاولیٰ میں وہاں اقامت فرمائی اور بغیر جنگ کے مدینہ منورہ کو واپس آئے۔ اس کے بعد شوال کے مہینے میں زید بن حارثہ کو ذی قعدہ روانہ فرمایا۔ اور قریش کے قافلے کو جس میں ابوسفیان بھی تھا شکست دے کر بہت سی چاندی غنیمت میں حاصل کی اور اسی سال محمد ابن مسلمہ کو دوسرے چار آدمیوں کے ساتھ اور کعب ابن اشرف کو جو اکثر مسلمانوں کی ہجو کرتا رہتا تھا اور غزوہ بدر کے مقتولین پر رو کر مشرکوں کو مسلمانوں کے قتال کی ترغیب دیتا تھا قتل کیا گیا۔ اور اسی سال عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا۔ اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ

بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہا سے ماہ شعبان میں نکاح فرمایا۔ اس سے پہلے حضرت حفصہ جلیش ابن حدیبہ بدری کے نکاح میں تھیں جن کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ رمضان میں زینب بنت خزیمہ کے ساتھ نکاح فرمایا۔ چونکہ مسکینوں کو کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لئے ان کو اُم المساکین کہتے ہیں۔ یہ اٹھارہ دن کے بعد دوسری روایت ہے کہ دو ماہ بعد اور ایک تیسری روایت کے مطابق تین ماہ کے بعد وفات پا گئیں۔ اور اسی سال امام المومنین حسن ابن علی بن ابی طالب پندرہویں ماہ رمضان کو تولد ہوئے۔ امام شہید حسین بن علی سلام اللہ علیہما کی ولادت ہجرت کے چوتھے سال میں ہوئی۔ شعبان کی چوتھی یا پانچویں تاریخ تھی۔ اسی سال چوتھی شوال کو غزوہ احد واقع ہوا۔ اس میں آپ کے دندان مبارک اور ہونٹ شریف زخمی ہوئے اور سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب دوسرے ستر صحابیوں مہاجرین اور انصار کے ساتھ شرف شہادت کو پہنچے۔ مشرکین کے بائیس آدمی مارے گئے مشرکین کا سردار ابوسفیان تھا۔ غزوہ احد کے بعد غزوہ حمرہ الاسد ہوا جو مدینہ کے قریب ایک مقام ہے۔ جب آپ غزوہ احد سے واپس ہوئے اس کی صبح سولہویں شوال کو اسی حالت میں اور انھیں آدمیوں کے ہمراہ جو جنگ احد سے واپس آئے تھے دشمنان دین کے پیچھے روانہ ہوئے تاکہ کفار یہ نہ سمجھیں کہ مردان دین کمزور پڑ گئے ہیں۔ آٹھ میل تک بچھا کر کے اور وہاں تین روز قیام کر کے واپس ہوئے۔ اور اسی سال حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حاملہ ہوئیں۔ ولادت امام حسن سلام اللہ علیہ کے پچاس روز بعد حسین ابن علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے بطن شریف میں قرار پکڑا تھا۔ چوتھی ہجری میں سریہ برمحوہ ہوا۔ انصار کے ستر جوان جن کو قرار کہتے ہیں اس مقام پر شہید ہوئے۔ اور ان قبائل عرب پر جنہوں نے ان کو شہید کیا تھا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس دن تک قنوت فجر میں بددعا فرمائی۔ اسی سال سریہ رجیع ہوا اس میں مشرکوں کی ایک جماعت نے آکر اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ صحابہ کی ایک جماعت بغرض تعلیم احکام دین ان کے ہمراہ کر دی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔ اور صحابہ کی ایک جماعت ان کے ہمراہ کر دی۔ جب یہ لوگ رجیع نامی جگہ پر

بہنچے تو مرتد ہو گئے اور قبیلہ بنی ہذیل کو آواز دی اور ان کے ساتھ مل کر ان اصحاب میں سے بعض کو تو شہید کر ڈالا۔ اور بعض کو قید کر کے کفار مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ تاکہ اہل مکہ مقتولین بدر کے انتقام میں ان کو بھی قتل کر دیں۔ ان شہدائے رجب میں عاصم بن ثابت بھی تھے انہوں نے حق سبحانہ تعالیٰ کی درگاہ میں شہادت سے پہلے کفار کے ہاتھوں سے اپنے جسم کی حفاظت چاہی تھی ان کی دعا مقبول بارگاہ ہوئی اور حق تعالیٰ شانہ نے اس خدمت پر پوروں کو مقرر کر دیا انہوں نے عاصم بن ثابت کے جسم کا احاطہ کر لیا جس سے کسی شخص کی مجال نہ ہو سکی کہ ان کے نزدیک آنا۔ جب رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا سیلاب بھیج دیا۔ پانی اُن کے جسم کو اس مقام سے بہا کر لے گیا۔

اسی سال ربیع الاول کے ماہ میں غزوہ بنی النضیر واقع ہوا۔ یہ یہود کا ایک قبیلہ تھا۔ یہاں کے لوگوں کو چھ روز تک محصور رکھا گیا۔ آخر کار جب یہ لوگ شام اور صنمیر کی جانب جلا وطنی پر راضی ہو گئے تو انہیں جانے کی اجازت مل گئی۔ اسی سال ذی قعدہ کی چاند رات کو بدر صغریٰ ہوا۔ ابوسفیان جب جنگ احد سے واپس ہوا تھا تو اس نے آواز دے کر کہا تھا کہ ہمارے تمہارے درمیان میں یہ افتراء ہے کہ آئندہ سال کے شروع سے بدر میں جمع ہو کر لڑیں گے۔ لیکن جب وعدے کا وقت قریب آ پہنچا تو ابوسفیان ڈرا۔ اس نے نعیم بن مسعود کو سونے کے تین ٹکڑے دے کر کہا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو لڑائی کے نتائج سے خوفزدہ کرے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار پانچ سو اصحاب اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور صبح سالم مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ آیہ کریمہ اِذْ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ اَلَا يَتَذَكَّرُ (جب کہ کہا لوگوں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ بہت سے لوگ جمع ہوئے ہیں تم سے لڑنے کے لئے پس تم ان سے ڈرو) کا شان نزول یہی واقعہ تھا۔

اسی سال زید بن ثابتؓ نے حضرت رسالت مآب کے حکم سے یہودیوں کی خط و کتابت کو سیکھا۔ تاکہ ان کے خفیہ امور کی حفاظت کی جاسکے۔ اور اسی سال کے ذی قعدہ میں یہودی اور یہودیہ کے رجم کا مقدمہ ہوا اور اسی سال بنی النضیر کے حصار

کے قضیہ میں شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ بعضے مؤرخ کہتے ہیں کہ شراب کی تحریم ہجرت کے تیسرے سال میں ہوئی ہے لیکن بالتحقیق بات یہ ہے کہ شراب کی حرمت چند مرتبہ پہلے بھی نازل ہوئی تھی لیکن بقول صحیح آخری بار اسی سال اُتری۔ ایک اور قول میں ہجرت کے چھٹے سال کا ذکر ہے۔ اس درمیان غزوہ حدیبیہ ہوا۔ شراب کی تحریم کا اعلان بدرجہ آیہ کریمہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَلْهَاءُ نَجَسٌ وَكَاذِبٌ** اور بت اور فال کے تیرنجس اور عمل شیطانی ہیں پس بچتے رہو اس سے۔ ہوا اور شراب کی قطعی حرمت ہو گئی۔ اور اسی سال شوال کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔ اور ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ، ام المومنین زینب بنت خزیمہ اور فاطمہ بنت اسد ام علی بن ابی طالب نے اسی سال وفات پائی۔

پانچویں سنہ ہجری۔ ربیع الاول کے مہینے میں جنگ کے بغیر غزوہ دومت الجندل واقع ہوا۔ محرم کے مہینے میں غزوہ ذات رقاہ ہوا اسی غزوہ میں صلوٰۃ خوف مشروع ہوئی۔ غزوہ کا نام ذات رقاہ رکھنے کے متعلق بہت سے قول ہیں۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ابی موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برہنہ پا ہونے کی وجہ سے کپڑے کے چلتھڑے پیروں میں لپیٹ لئے تھے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں ذات رقاہ ایک درخت یا کسی مقام کا نام ہے۔ اس مقام کی بعض جگہ سیاہ تھی اور بعض سفید۔

اسی سال شعبان کی دوسری تاریخ کو غزوہ مُریسع ہوا۔ مُریسع بنی خزاعہ کے ایک نالاب کا نام تھا۔ اس غزوہ کو غزوہ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں جو یہ بنو الحارث جن کا اصلی نام برہہ ہے۔ اسی غزوہ کے قیدیوں میں آنی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد شرفِ زوجیت بخشا۔ اسی سال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کا قصہ پیش آیا اور زینب جث سے آپ نے نکاح فرمایا۔ حضور کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور اس سے پہلے یہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں تھیں۔ ایک روایت کے مطابق آیت تیمم کا نزول بھی اسی سال میں ہوا۔ اس سال کے ذی قعدہ میں غزوہ خندق واقع

ہوا۔ جس کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ اسی غزوہ میں سید ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کی مکر سے شمشیر ذوالفقار باندھی تھی اور نعیم بن مسعود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ اور پھر آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قبائل یہود اور کفار ان قریش کے درمیان ایک بہترین تدبیر سے پھوٹ ڈلوادی تھی۔ کفار ان قریش کا سردار ابوسفیان تھا۔ اس پھوٹ سے دونوں ذلیل ہو گئے تھے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کے چھ اور مشرکین میں سے تین مقتول ہوئے تھے۔ اور کفار پر ہوا کا لشکر غالب کر دیا گیا تھا۔ پھر اس کے بعد کبھی کفار ان قریش نے مدینہ منورہ کا رخ بھی نہ کیا۔ اس غزوہ کی واپسی پر اس وقت جبریل امین نے آکر غزوہ بنو قریظہ کے لئے براہیگختہ کیا۔ پچیس روز تک بنو قریظہ کو محاصرہ میں رکھا گیا۔ اور سعد بن معاذ کے فیصلہ رضا مندی کے بعد سب کو قتل کر دیا گیا۔ انہی میں جی بن اخطب یہودی بھی مقتول ہوا۔ ابولبابہ کا معاملہ اور اس کا اپنے تئیں مسجد سے باندھ دینا۔ چاند گرہن ہونا اور صلوٰۃ خوف کا شروع ہونا اسی سال شروع ہوا اور اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سے گرے۔ جس سے آپ کی ران مبارک پر خراش آگئی۔ آپ پانچ روز تک گھر کے اندر ہی تشریف فرما رہے اور بیٹھ کر نماز ادا فرماتے رہے۔ اور اسی سال میں بقول اصح اور بقول جمہور کے چھٹی سال اور بقول علماء کی ایک اور جماعت کے نویں سال فریضہ حج نازل ہوا۔

چھٹی سنہ ہجری۔ اس سال غزوہ بنی لحيان واقع ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو سواروں کو لے کر اصحاب ربیع کی جستجو میں روانہ ہوئے ان اصحاب کو کہ پیڑوں پر ترار کو شہید کیا تھا آپ نے عنفان داری کے قریب نزول فرمایا۔ بنو لحيان بھاگ کر پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ اسی غزوہ میں آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور رونے لگے آپ کے رونے سے اصحاب بھی رونے لگے جیسا کہ مشہور ہے اور اسی سال میں غزوہ غابہ ہوا۔ جس میں قبیلہ عطفان کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیتوں کو لوٹ لیا تھا۔ سلمہ بن الاکوع نے ان کیٹروں پر حملہ کیا اور ان سے اذیتوں کو چھڑا لیا۔ اسی سال نماز استسفا کا واقعہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا فرمانے سے سات روز تک برابر بارش ہوتی رہی تھی۔ اسی سال

شوال میں واقعہ غزینہ ہوا۔ اور اسی سال میں غزوہ حدیبیہ ہوا۔ ایک روایت کے مطابق غزوہ بنی المصطلق، جو یہ نہت الحارث کا حاصل ہونا، واقعہ افک کا پیش آنا بھی۔ نیز مہر کا تیار کرنا۔ یہ سارے اس سال کے واقعات ہیں اور اسی سال دنیا بھر کے بادشاہوں کے پاس قاصد روانہ کئے گئے۔ جواب میں اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے آپ کی خدمت میں ہدیے روانہ کئے۔ اس ہدیے میں ماریہ قبطیہ، ان کی بہن سیرین، یعفور گدہا اور خچرہ دلدل شامل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ قبطیہ کو اپنے لئے پسند فرمایا اور سیرین کو حسان بن وہب کو بخش دیا یعفور گدہا حجۃ الوداع کی واپسی میں مرگیا اور دلدل حضرت معاویہؓ کے زمانہ تک باقی رہا۔ اسی سال سورج گرہن پڑا۔ نماز کسوف مشروع ہوئی اور خولہ نے اپنے خاوند کے ظہار کرنے کی شکایت کی۔ سورہ قد سمع اللہ قول اللہ تعالیٰ لك في ذوجها۔ نازل ہوئی۔ اور اسی سال میں ام رمان یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اور عبدالرحمن بن ابی بکر نے وفات پائی اور ابو ہریرہ نے اسلام قبول کیا۔ یہ قبیلہ اوس کے ہمراہ مدینہ منورہ آئے تھے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ خیر میں رونق افروز تھے۔ ابو ہریرہ بھی وہیں تشریف لے گئے اور غزوہ خیبر میں حاضر رہے۔ یہ اس سال کے اخیر کا واقعہ ہے۔

سنہ سات ہجری۔ غزوہ خیبر ہوا۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک سے جب سپر گرہ پڑی تو آپ نے خیبر کے دروازے کو اکھڑ کر سپر بنائی اور جب تک کہ یہ فتح نہ ہو گیا اپنے ہاتھ ہی میں اس کو رکھا۔ یہ اتنا وزنی دروازہ تھا جس کو سات آدمی بقوت کاہل اور ایک دوسرے قول کے مطابق چالیس آدمی بھی اتنی قوت نہ رکھتے تھے کہ اس کو ہلا جلا سکتے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی طرف سے گیارہ آدمی شہید ہوئے اور یہودیوں کے ترالوئے جہنم واصل ہوئے اور صفیہؓ نہت حئی جو اُمہات المومنین میں شامل ہیں (یہ بارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں) اسی غزوہ کے قیدیوں میں ہاتھ آئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح کا شرف بخشا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں زہر ملا دینے کا واقعہ جو ایک یہودیہ کے ہاتھ سے ہوا تھا اور آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد دوبارہ پھر طلوع ہو جانا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تھی اس لئے کہ

سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک کو دجی کی حالت میں ان کی گود میں رکھے ہوئے تھے۔ یہ بھی غزوہ خیبر ہی کا واقعہ ہے۔ اور اس غزوہ میں پالو گدھا اور صاحب دانت کا کھانا، مال غنیمت کو قبل از تقسیم بیچنا اور باندیوں سے وطی کرنا اسنبر سے پہلے منع فرما دیا۔ اسی غزوہ میں متعہ کا نکاح حرام ہوا جو ابتدائے اسلام سے اس وقت تک حلال تھا۔ اور دوسری مرتبہ اوطاس کے دن بعد فتح مکہ پھر حلال کر دیا۔ اور تین دن کے بعد بحر مت قطعی ابدی باتفاق جمیع علما پھر حرام ہو گیا۔ اور اس مسئلہ میں بجز روا افض کے کوئی مخالف نہیں ہے اسی سال واقعہ لیلۃ التغریس اور خیبر کی واپسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم کی نماز کا قضا ہو جانے اور پھر نماز کو مع اذان و اقامت و جماعت کے ادا کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ اسی سال ام حبیبہ بنت ابوسفیان کا ملک حبش میں انتقال ہو گیا۔ یہ اپنے شوہر کے ہمراہ ملک حبش گئی ہوئی تھیں۔ جب ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کر دیا۔ اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نکاح چھٹی سال ہجری میں ہوا تھا۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہزار ایک سو سواروں کے ہمراہ عمرہ قضا ادا کیا۔ اور واپسی کے وقت میمونہ بنت الحارث سے بمقام سرف نکاح فرمایا۔ سرف مکہ معظمہ کے قریب ہے اور اسی مقام پر آپ نے خلوت فرمائی۔ میمونہ بنت الحارث کی وفات ہجرت کے تریسٹھ برس بعد اسی مقام پر ہوئی اور اب تک آپ کی قبر شریف اس مقام پر موجود ہے۔ (رضی اللہ عنہا) آپ بحیثیت نکاح سب سے اخیر بیویوں میں ہیں اور ایک قول سے وفات میں بھی آخری ہیں۔ لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ وفات میں سب سے آخری حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں واللہ اعلم۔

سنہ آٹھ، ہجری۔ میں صفر کے مہینے میں عمرو بن العاص و خالد بن الولید اور عثمان بن ابی طلحہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ بعضوں کے نزدیک ان حضرات نے سنہ سات ہجری کے آخر میں اسلام قبول کیا تھا۔ اسی سال دی الحج میں ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اسی سال مسجد نبوی میں منبر قائم کیا گیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق قیام منبر ساتویں سال میں ہوا اور اسی سال سریہ مونتہ ہوا اور حارث بن عمیر

کو بصرہ کے بادشاہ کے بعد مع خط کے روانہ فرمایا۔ حارث بن عمیر کو شرح بیل بن عمرو غسانی نے شہید کر دیا اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارث کو تین ہزار سواروں کے ہمراہ شرح بیل پر روانہ کیا۔ شرح بیل نے ایک لاکھ سے زائد آدمی جمع کر لئے تھے۔ اس لئے جنگ نے بہت سختی اختیار کی۔ جھنڈا زید کے ہاتھ میں تھا۔ جب زید شہید ہو کر گر پڑے تو جھنڈا جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جب یہ بھی شہید ہو گئے تو جھنڈے کو عبد اللہ ابن رواحہ نے سنبھال لیا۔ اس ترتیب کا حضرت عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارتاً پہلے سے حکم فرمایا تھا۔ آخر کار اس لڑائی کی فتح خالد بن ولید کے ہاتھ پر ہوئی اور ان کو اس غزوہ میں سیف اللہ کا خطاب ملا اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو طیار کا لقب حاصل ہوا اسی سال سر پہ خبطہ واقع ہوا۔ عبیدہ بن جراح قریش کے ایک قافلہ کی جستجو میں گئے ہوئے تھے کہ سامان خوراک ختم ہو گیا۔ ایک جالور جس کا نام غمر تھا اور یہ نہایت عظیم الجسد تھا (جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے اس کو دریا سے باہر ڈال دیا۔ نصف مہینے تک اور ایک قول کے مطابق تقریباً ایک ماہ تک یہی جالور ان لوگوں کی غذا رہا۔ اسی سال مکہ فتح ہوا۔ آنحضرت دسویں رمضان المبارک کو دس ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں بمقام حجفہ جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے عیال کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات فرمائی۔ عباس بن عبد المطلب اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ میں حاجیوں کو پانی پلانے کا کام انجام دیتے تھے۔ اسی سال معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ ان کی بیوی ہندہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ نے اسلام قبول کیا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل کے قتل کا حکم صادر فرمادیا تھا لیکن عکرمہ کی بیوی حکیمہ بنت حارث نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے شوہر عکرمہ کو ساتھ لے کر امن طلب کرنے دربار رسالت پہنچ گئیں وہاں عکرمہ بھی ایمان لے آئے اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں اجبا ذین کے دن شہید کئے گئے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ابو قحافہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا حضور نے ان کو بٹھا

لیا اور اپنے دست مبارک کو ان کے سینہ پر پھیرا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ فوراً ایمان لے آئے۔ جس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے باپ ابو قحافہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم نے بوڑھے آدمی کو کیوں تکلیف دی۔ میں خود ان کے پاس چلا چلتا۔ مکہ بیسویں رمضان کو فتح ہوا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں پندرہ روز اقامت فرمائی۔ اس دوران یہیں سے مکہ کے اطراف میں فوج و لشکر روانہ فرماتے رہے اور ہر جانب سے فتح کی خوشخبری آتی رہی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزمی کے توڑنے پر عمرو بن العاص کو سواع کے اور سعد بن فیروز کو منات کے توڑنے پر مقرر فرمایا یہ تینوں بڑے بتوں کے نام ہیں۔ اس طرح خانہ کعبہ سے شرک کی بنیاد اُکھڑ دی۔ اس کے بعد دسویں شوال کو بارہ ہزار کے ہمراہ جو اہل مدینہ اور شرفاء مکہ تھے جنہن کی جانباً نہ ہوئے۔ جب صحابہ کی نظر اپنی شوکت و کثرت پر پڑی تو آپس میں فخر یہ کہنے لگے کہ اب تو ہم ہرگز مغلوب نہ ہوں گے۔ خداوند تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور غیرت خداوندی نے ان حضرات پر بمقتضائے امتحان ایک قسم کی شکست ڈال دی۔ وہ دیہاتی عرب کہ جن کے دلوں میں ابھی تک پورے طور سے ایمان نے گھر نہیں کیا تھا آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے ابو سفیان نے کہا کہ یہ شکست دریا کے کنارے تک نہ پہنچے گی۔ دوسروں نے کہا کہ جادو کی ملمع سانپاں آخر کار باطل ثابت ہوں گی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے مدد طلب کر کے چند کنکریاں اٹھا کر کفار کی جانب پھینک دیں کنکریوں کا پھینکنا تھا کہ کفار کے تمام لشکر شکست کھا گئے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کے لشکر میں سے صرف چار آدمی شہید ہوئے اور مخالفین کے ستر آدمی فنا فی السار سقر ہوئے۔ اس کے بعد ابو عامر کو ایک لشکر کے ہمراہ اوطاس بھیجا گیا وہاں سے بہت سا مال غنیمت قبضہ میں آیا۔ چھ ہزار آدمی تو قید کر لئے گئے۔ اور چوبیس ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار سے کچھ زیادہ بھیڑ بکری۔ چار ہزار اوقیہ چاندی اور ان قیدیوں کے درمیان میں شیما بنت الحارث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں وہ بھی قید ہو کر آئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اکرام کیا اور انھیں اُن کے اہل و عیال کی طرف واپس بھیج دیا۔ اس کے بعد

طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے باشندوں کو اٹھارہ روز تک محاصرہ میں رکھا اس کے بعد فرمایا کہ اعلان کر دو کہ جو شخص باہر آجائے گا آزاد ہے۔ اس اعلان کو سن کر دس آدمیوں سے زائد باہر نکل آئے۔ ابو بکرہ بھی ان کے درمیان تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو قلعہ سے کنوئیں کے ذریعہ چرخی سے نیچے اتار تھا۔ صحابہ میں سے بارہ آدمی طائف میں شہید ہوئے۔ اور یہاں سے کامل فتح اور لقطاع جنگ کے بغیر واپس ہوئے اور جعرانہ سے احرام باندھ کر چھٹی ذیقعدہ کو عمرہ ادا فرمایا پھر اسی جگہ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا گیا۔ ہوازن سے ایک وفد آیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے قیدی اور مال واپس دے دیئے گئے اس کے بعد مالک بن عوف جو ہوازن کا سردار تھا آکر مسلمان ہوا۔ آپ نے تنواذنت اس کو انعام میں دئے اور اس کے اہل و عیال بھی واپس کر دئے۔ مزید برآں اس کو طائف کا عامل مقرر کر دیا۔ اسی مقام پر سخت دل اہل عرب غنیمت کی تقسیم اور اس کی طلب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخانہ پیش آئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک درخت کے نیچے بٹھلا کر آپ کی چادر شانہ مبارک سے اتار کر لے گئے اور لعنہ جو انان النصار بھی غنیمت کے معاملے میں چہ میگوئیاں کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انان النصار کو دنیا کی ذلت بتاتے ہوئے آخرت کے ثواب اور اپنی مخصوص عنایت کی بشارت فرما کر درجہ خصوصیت میں ممتاز فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سامان دنیا حقیر ہے چونکہ یہ لوگ میری قوم کے ہیں اور ضعیف الایمان بھی ہیں۔ ان کے مال و اسباب غارت ہو گئے ہیں۔ ان کی ملکیت اور ان کے شہر قبضہ سے جاتے رہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس مال غنیمت کے ساتھ ان کو مخصوص کر دوں۔ اور ان کے مال بھی انہیں کو واپس دے دوں تاکہ یہ ان کے ایمان کے زوال کا سبب نہ بنے۔ اس کے بعد عتاب بن اسید اور معاذ رضی اللہ عنہ کو مکہ میں خلیفہ بنا کر مدینہ منورہ کو واپس ہوئے اور اسی سال کعب بن زہیر نے قبضہ بابت سعاد لکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا اور قتل سے محفوظ ہوئے۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ رضی اللہ عنہا کے طلاق کا ارادہ کیا۔ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو بخش دی اور ازواجِ مطہرات کے سلسلے میں منسلک رہیں اور اسی سال زینبؓ نے جو حضور کی بڑی صاحبزادی اور ابی العاص کی بیوی تھیں وفات پائی۔

(رضی اللہ عنہما)۔

سنہ نو ہجری عیینہ بن حصین کو مع پچاس سواروں کے روانہ فرمایا۔ عیینہ دشمنان دین کے تقریباً پچاس آدمیوں کو گرفتار کر لائے۔ اقرع بن جابس اور ایک جماعت نے جو ان کی سفارشی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دروازہ کے باہر سے آواز دی اور آیتہ **إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنْ دَارِ الْحُجْرَةِ** - نازل ہوئی ترجمہ (بے شک جو لوگ آپ کو آواز دیتے ہیں مکان کے باہر سے) آخر تک۔ ولید بن عقبہ کو صدقات کے وصول کرنے کے لئے قبیلہ خذاعہ پر بھیجا۔ جب خذاعہ کے لوگ پیشوائی کے لئے آئے تو ولید بن عقبہ نے خیال کیا کہ شاید خذاعہ کے لوگ جنگ کے لئے نکلے ہیں چنانچہ مدینہ منورہ واپس ہو کر ان کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ اور آیہ کریمہ **إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا** ترجمہ (اگر آپ کے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کو تحقیق کیجیے) نازل ہوئی اور اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ کے لئے اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اسی سال میں غزوہ بتوک کے لئے نکلے اور امیر المومنین علیؑ کو مدینہ میں اہل و عیال پر خلیفہ بنایا جب انہوں نے آنحضرتؐ کی جدائی اور منافقین کے طعنہ دینے کے سبب مدینہ کے قیام میں کلفت ظاہر فرمائی تو بذریعہ احادیث انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ ترجمہ (تم میرے نزدیک بمنزلہ ہارون کے ہو موسیٰ علیہ السلام سے) کے تسلی و تشفی دے کر اس منقبت عظمیٰ کے ساتھ ممتاز کیا۔ اسی غزوہ بتوک میں صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام مال اور عمر فاروقؓ نے نصف مال لاکر حاضر کر دیا تھا۔ عثمان ذی النورین کا حبشہ عسرہ کو اور پیچھے رہ جانا ان تین صحابیوں کا۔ جس کی آیہ کریمہ **وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا** (اور ان تین آدمیوں کو جو پیچھے رہ گئے ہیں) (آخر) نے خبر دی ہے اسی غزوہ بتوک میں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مہینے وہاں پر قیام فرمایا اور بغیر لڑائی کے واپس آ گئے اور وہیں پر صاحب ایلہ، اہل حربی اور اندرج آئے۔ اور جزیہ قبول کیا اور یہیں سے آپ نے خالد کو مع چار سو سواروں کے اکیدر پر جو ذمتہ الجندل کا بادشاہ تھا روانہ فرمایا اس کو قید کر لیا اور اس کے بھائی کو قتل کر ڈالا پھر اس کو بھی جزیہ کی شرط پر رہا کر دیا اور سفر کی واپسی میں مسجد حزارہ پر گزر ہوا۔ یہ مسجد منافقوں نے بوجہ حد اہل قبا کے بنائی تھی تاکہ اس مسجد کی جماعت کم ہو جائے۔ آپ نے اس مسجد

کو وحی الہی کی وجہ سے خراب کر کے جلا دیا۔ قرآن مجید اس واقعہ کی خبر دیتا ہے وَالَّذِينَ
 ۱ تَخَذُوا مَسْجِدًا ضَرَارًا لَا بَهْرَ لَهُ (جن لوگوں نے کہ مسجد ضرار تیار کی ہے
 (الآخرہ) رمضان کے مہینے میں مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت وقیف کا وفد آکر
 مسلمان ہوا اور آپ نے ان پر یہ شرط عائد کی کہ وہ جب تک لات و طافیہ کو منہدم
 نہ کریں گے اور نہ توڑیں گے اور نماز نہ ادا کریں گے مسلمان کامل نہ سمجھے جائیں گے۔ ان
 شرائط کو پورا کرنے کے بعد حلقہ اسلام میں داخل ہو کر رسم اطاعت بجالائیں۔ اس شرط
 فاسد کو ان سے رد کر کے واپس لیا اور آیہ کریمہ وَلَوْ لَا اَنْ تَبْتَغُوا لَقَدْ كُنْتُمْ تَرْكُوْنَ
 الْيَهُودَ الْاٰیۃ ترجمہ۔ اور اگر ہم نہ ثابت رکھتے آپ کو۔ الینہ قریب تھا کہ آپ ان کی
 طرف مائل ہو جائیں (الآخرہ) کا شان نزول یہی واقعہ ہے۔ عثمان بن ابی العاص کو
 ان کے اوپر امیر بنایا۔ ان کے پیچھے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ کو اس کے اہتمام
 اور اس بُت کے توڑنے کے لئے جو طائف میں تھا روانہ فرمایا۔ اسی سال حمیری بادشاہوں
 کے خط اور قاصد دربار رسول میں آئے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کے اسلام کی بھی خبر
 لائے اور اسی سال ابوبکر صدیق کو حج کے لئے بھیجا۔ ان کے پیچھے علی مرتضیٰ کو بھی
 روانہ فرما دیا تاکہ سورہ برأت پڑھ کر سنا دیں اور مشرکین کے عہد کو توڑ دیں اور
 لوگوں کو برہنہ طواف کرنے سے منع کر دیں کسی مشرک کو حج نہ کرنے دیں اور خبر
 دے دیں کہ جنت میں سوائے مومن کے کوئی نہ داخل ہوگا اور اسی سال غامدیہ زانیہ
 کو رجم فرمایا اور عویم بن الحارث نے اپنی عورت کے ساتھ لعان کیا اور اسی سال
 رجب کے مہینے میں نجاشی نے حبشہ میں وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی شافعیہ اسی سے یہ دلیل پکڑتے ہیں۔
 کہ غائب میت پر نماز جنازہ جائز ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ
 وسلم کے لئے مخصوص ہے اور نجاشی کا جنازہ آپ پر منکشف کر دیا گیا تھا اس لئے
 حقیقت میں آپ نے نماز حاضر میت پر ادا فرمائی نہ کہ غائب پر۔

اور اسی سال ام کلثوم (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بیوی) نے وفات پائی
 اور اسی سال کے ماہ ذی قعدہ میں عبداللہ بن ابی منافق جہنم روانہ ہوا تو آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعدہ کے بموجب جو اس سے آپ فرما چکے تھے اپنا پیرا ہن اس

پر ڈال دیا۔ آپ کا خیال تھا کہ ہمارے ایسا کرنے سے شاید اس کی قوم پر اچھا اثر پڑے اور وہ مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ حضور کے خیال کے مطابق ہی اثر ظاہر ہوا اور جب اس کی قوم نے یہ دیکھا کہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیرا ہن اس پر ڈال دیا ہے تو ایک ہزار آدمی ایمان لے آئے اور اسی سال عرب کے وفود ہر چہار جانب سے آنا شروع ہو گئے اسی لئے اس سال کا نام عامل وفود ہے۔ تمام عرب مہم اسلام کو مکہ معظمہ کی فتح پر موقوف رکھے ہوئے تھے۔ جب ان لوگوں نے یہ دیکھا کہ پیشوائے عرب یعنی قریش نے بھی اطاعت قبول کر لی ہے اور اسلام لے آئے ہیں تو سب نے یقین کر لیا کہ اب کسی میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں رہ گئی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی دین کا بھی سچا ہے اور بت پرستی باطل ہے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ ترجمہ (حق آیا اور باطل بھاگا۔ باطل تو بھاگنے ہی والا ہے) جماعتوں پر جماعتیں ہر جانب سے آئیں اور اپنی گردنوں میں حلقہ اسلام ڈال لیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ترجمہ (جس وقت اللہ کی مدد اور فتح آئے گی تو آپ دیکھیں گے کہ جماعتوں کی جماعتیں اللہ کے دین میں داخل ہوں گی)

سنہ دس ہجری۔ ربیع الآخر کے مہینے میں قبیلہ بنی حارث پر نکلے اور ان کو مشرف باسلام کیا اور اسی سال سلامان، غسان، عامر دازد اور زبید کے وفود حاضر ہوئے۔ انہیں کے درمیان میں عمرو بن معدیکرب بھی تھے جو اسلام لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے۔ اس کے بعد پھر اسلام لائے اور اسی سال وفد عبدالقیس و اشعث و وفد بنی حنیفہ آئے انھیں میں سیلمہ کذاب بھی تھا جس نے مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا شریک بنایا ہے۔ اور اسی سال میں نجران کے انصاریوں سے مباہلہ ہوا۔ اور اسی سال میں وفد نجیلہ آیا۔ جریر بن عبداللہ بجلي نے اپنے ہم قوم ایک سو پچاس آدمیوں کے ہمراہ اسلام قبول کیا آپ نے۔ اس کو ذی الخلصہ کی جانب روانہ فرمایا تاکہ وہاں جو بت ہے اس کو منہدم کر دے۔ اسی سال میں جام کا مقدمہ ہوا جس کو یمین داری اور عدی نصرانی نے چرایا تھا اور آپ نے اسی سال علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

کو یمن کی طرف بھیجا۔ واقعہ حجۃ الوداع بھی اسی سال کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد اس کے علاوہ کوئی حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ اعلان نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے بہت سے حج کئے تھے۔ علماء کو ان کے شمار کی اطلاع نہیں ہے اسی وجہ سے ان کی تعداد کو احاطہ ضبط میں نہ لایا جاسکا۔ لیکن ہجرت کے بعد عمرے بالاتفاق چارہ کئے ہیں۔ اور اسی سال حجۃ الوداع کے دن آیہ کریمہ **الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ** آخر تک نازل ہوئی۔ حج کی واپسی میں غدیر خم کی منزل پر امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت سے من کنت مولاہ الحدیث (جس کا میں مولا ہوں اس کے علی بھی مولا ہیں) سے مخصوص کیا۔ اور اسی سال ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اسی سال ضمام بن ثعلبہ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام دین دریافت کئے۔ اور پھر اپنی قوم میں واپس جا کر ان کو مشرف بہ اسلام کیا۔ اور اسی سال حاتم طائی کے قبیلہ بنی طی کو قید کر کے لائے۔ ان قیدیوں میں حاتم طائی کی لڑکی بھی تھی۔ اس کا بھائی بہن کو چھوڑ کر ملک شام کو بھاگ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاتم طائی کی لڑکی کو رہا کر کے خلعت بخشی اور وہ اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس واپس بھیج دی گئی اور پھر دونوں نے واپس آکر اسلام قبول کر لیا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق حاتم کی اولاد کا واقعہ نویں سال ہجری کا ہے اور اسی سال خالد بن حارث پر جو بخران میں تھے بھیجا گیا وہ سب کے سب اسلام لے آئے۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ کی نظر مبارک ان کے وفد پر پڑی تو فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں گو یا ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں۔ اسی سال باذان جو دالی یمن تھا انتقال کر گیا۔ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن و حضرموت کی طرف بھیجا ان کی سواری کے ہمراہ پیادہ چل کر۔ آپ نے انھیں شرف رخصتی سے مشرف فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اے معاذ! شاید ہم کو اس سال کے بعد تم نہ پاؤ اور یہی ہماری تمہاری آخری ملاقات ہو یہ سن کر معاذ رو پڑے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت کیا اور اسی سال حمزہ بن عبد اللہ کو ذی الکلاع بن ناکور پر روانہ فرمایا وہ اور اس کے امراء مسلمان ہو گئے۔ اور اسی سال فروہ بن عمر الجذامی جو شاہ روم کی طرف سے ان

حدود عرب پر جو روم سے متصل ہیں عامل تھا مسلمان ہو گیا۔ روم کے بادشاہ نے اس کو گرفتار کر لیا۔ اور اس کے مزید ہونے کا باعث ہوا۔ فروہ نے کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ وہی رسول ہیں جن کے ظہور کی بشارت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے دی ہے۔ لیکن تو اپنی سلطنت کے زوال سے ڈرتا ہے۔ اور اسلام کی سعادت سے مشرف نہیں ہوتا۔ شاہ روم نے فروہ کو قید کر کے مار ڈالا۔

گیارہویں سنہ ہجری - سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خدا اہل یقین کے لئے استغفار کی اور فرمایا کہ اے اہل یقین تمہارا وقت بہت ہی اچھا تھا کہ اس دنیا سے گذر گئے فتنے ظاہر ہو رہے ہیں جو اندھیری رات سے بھی زیادہ تاریک ہیں۔

اسی سال دوشنبہ کے دن چھبیس صفر کو اسامہ بن زید ایک بڑے لشکر کے ہمراہ بابل اپنی کو روانہ فرمائے گئے۔ جس میں ان کے والد زید بن حارثہؓ شہید ہوئے تھے۔ اور چہار شنبہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بخارا اور سردرد پیدا ہوا۔ پنجشنبہ کے روز ایک جھڑا اپنے دست مبارک سے تیار کر کے جروت میں تشریف لائے۔ جروت مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ آپ نے ایک لشکر تیار کیا اس میں بڑے بڑے مہاجرین و انصار مثل ابو بکر و عمر اور سعد بن ابی وقاص و ابو عبیدہ اور انہیں کی طرح دوسرے شامل تھے۔ ان حضرات کو اسامہ بن زید کے ہمراہ کیا۔ بعض لوگوں کو اس مقام پر کچھ قیل و قال پیدا ہوئی آپ نے ایک مبلغ خطبہ اسامہ اور ان کے باپ کی تعریف میں پڑھا۔ پھر فرمایا کہ خدا کی قسم ان کے باپ امارت و ریاست کے لائق تھے۔ اور یہ بھی اپنے باپ کے بعد اس کام کے لائق ہیں۔

شنبہ کے دن دسویں ربیع الاول کو گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ یکشنبہ کے دن مرض نے شدت اختیار کی۔ مسیلمہ کذاب اور اسود عسیٰ لعنتہ اللہ علیہما کے ظہور کی خبر پہنچی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی الہی اسود کے مارے جانے کی خبر دی۔ اور یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ اسود عسیٰ نے صنعاء یمن میں خرچ کیا اور شہر بن باذان کو قتل کر کے اس کی عورت سے نکاح کر لیا۔ یہ عورت فیروز کے چچا کی لڑکی تھی جو نجاشی کی بہن کا بیٹا تھا۔ فیروز کے بیٹے نے جیلہ کر کے اس کے محل میں لقب لگائی اور اندر گھس گیا وہاں پہنچ کر اسود عسیٰ کو ہلاک کر دیا۔ اس نے مرتے

وقت ایک بلند آواز نکالی۔ یہ آواز ان پاسپالوں کی آواز کے مشابہ تھی جو اس کے مکان کے گرد اگر دمتنعین تھے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ اسود عُنسی کی عورت نے جو اس کے قتل میں شریک تھی لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اپنی حالت پر قائم رہو۔ یہ آواز دُجی کی ہے۔ جو تمہارے پیغمبر پر نازل ہوئی ہے۔

اسود ملعون کا نام عبہلہ بن کعب تھا اور اس کو ذوالحمار بھی کہتے تھے یہ کاہن تھا اور لوگوں کو عجیب و غریب باتیں دکھاتا تھا اس کے خروج کی ابتدا حجتہ الوداع کے بعد ہوئی تھی۔ مسیلمہ کذاب کا قاتل وحشی تھا۔ وحشی نے ہی حمزہ بن عبدالمطلب کو بھی شہید کیا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میں اس آدمی کو قتل کرتا ہوں جو سب سے بہتر ہو یا سب سے بدتر ہو۔ مسیلمہ ملعون بوڑھا تھا بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہوا تھا لیکن جب پیامہ واپس پہنچا تو مرتد ہو گیا اور دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنی بنوت میں شریک فرمایا ہے۔ اس نے شراب اور زنا کو جائز اور فریضہ نماز کو ساقط کر دیا۔ اہل فسق و فساد کی ایک جماعت اس کے تابع ہو گئی اور وہ قرآن مجید کے مقابلے میں سحیحی نامطبوع کو گڑھ کر عقلائے جہان کا مضحکہ بن لیا۔ چنانچہ العادیات کے مقابلے میں اس نے کہا ہے۔ والزراعات ذرعا والحصادات حصدا والطاحنات طحنا والخابزات خبزا والتارذات تارذا ووسری یا صفرع بنت صفد عین الی کم تبقین لا الماء تکدرین ولا الشاربین تمنعین واسک فی الماء وذنبک فی الطین۔ وگفتہ۔ الفیل ما الفیل له خرطوم طویل ان ذالک من خلق ربنا الجلیل۔ کہتے ہیں کہ اس ملعون سے بعضے خوارق واستدراج بھی ظاہر ہوتے تھے۔ لیکن سب اس کے مدعا کے خلاف ہو کر تے اگر کسی کے لئے درازی عمر کی دعا کرتا تو وہ فوراً مرجانا آنکھ کی روشنی کے لئے دعا کرتا تو فی القواندھا ہو جاتا۔ ایک مرتبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط اس عبارت میں لکھا:۔ من مسیلمہ رسول اللہ الی محمد اما بعد فان الارض لنا نصف وللقریش نصف لکن القریش یعتدو ترجمہ :- (مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد کی طرف اما بعد زمین نصف ہماری ہے اور نصف قریش کی لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں لکھا من محمد رسول اللہ الی مسیلمہ الکذاب اما بعد فان الارض

لِلّٰهِ يُوَفِّيهِمْ مِّنْ عِبَادِهِ الْعَاقِبَةَ ۚ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (ترجمہ: محمد رسول اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو عبادت کے ثواب کی شکل میں اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس شخص کو چاہتا ہے اس کا وارث بنادیتا ہے اور آخرت کی بھلائیوں پر ہر گاروں کے لئے ہیں۔) دو شنبہ کے دن حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ صبح کی نماز میں مشغول ہیں خوش ہوئے اور خوش خوش مکان میں داخل ہوئے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آج کا دن بمقابلہ دوسرے دنوں کے اچھا ہے۔

دوپہر کو ایک اور قول ہے کہ چاشت کے وقت آپ بارہویں ربیع الاول کو اپنے پروردگار کے دربار میں تشریف لے گئے۔ یہ شنبہ کے دن آپ کو آپ کے اہل بیت نے غسل دیا اور تمام دن گروہ بعد گروہ نماز جنازہ ادا کرتے رہے چہار شنبہ کی رات میں دفن کیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین۔

باب ششم

مقامات شریفہ کی عمارت مسجد معظم حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و منبر عالی مرتبت و اسطوانات حمت منزلت و

حجرات منیفہ وغیرہ کا بیان

علمائے تبارک (اللہ ان کی کوشش کی جزا دے) بیان کرتے ہیں کہ جب سرور انبیاء صلوٰۃ اللہ کی اونٹنی مسجد کے دروازہ پر بیٹھ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہذا المنزل انشاء اللہ تعالیٰ۔ ترجمہ:۔ اگر اللہ کو منظور ہو تو یہی منزل ہے اونٹنی سے اتر کر یہ آیت پڑھی رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزِلًا مُّبَارَكًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ۔ ترجمہ (اے میرے رب نازل کر مجھ کو نزول برکت کے ساتھ اور تو بہترین نازل کرنے والا ہے) اس زمانہ میں یہ خطبہ مبارک نخلستان تھا۔ اس کے درمیان مرید تھا جو دو یتیموں کا حق تھا اور یہ یتیم بعض انصار کی تربیت میں پرورش پاتے تھے مرید اس مقام کو کہتے ہیں جہاں خرمہ کو خشک کر کے تر بناتے ہیں مسلمانوں کی ایک جماعت آل سرور

کی تشریف آوری سے پہلے یہاں نماز پڑھا کرتی تھی۔ سید المرسلین نے ان دونوں بیٹیوں کو بلایا اور اس مقام کو مسجد بنانے کے لئے ان سے خرید لیا۔ ان لوگوں نے بہت کوشش کی کہ اس قطعہ زمین کو بغیر قیمت دے دیں لیکن حضور اقدس راضی نہ ہوئے۔ پہلے زمین کی قیمت دی بعد کو مسجد کی بنیاد رکھی۔ بعض انصار نے اس کی قیمت کے علاوہ صاحبان زمین کو اپنے مالوں میں سے کھجور کے درخت دے کر انھیں راضی کیا اور اس مقام کے نشیب و فراز کو دور کر کے اس کی سطح برابر کر دی جو درخت بے موقع تھے کاٹ ڈالے پھر مسجد کی بنیاد رکھی بقیع کے قریب، مسجد ابراہیم کے شمالی جانب، بیرایوب کے پاس اینٹیں تیار کی جاتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس اور صحابہ کا ایک گروہ اینٹ پتھر ڈھولتے تھے۔ صحابہ کے شوق اور تسلی کی خاطر آپ یہ پڑھتے تھے مترجم (اے اللہ نہیں ہے بھلائی مگر بھلائی آخرت کی پس بخش دے تو انصار اور مہاجرین کو) مسجد کی چھت کھجور کی چھال سے اور ستون کھجور کی لکڑیوں سے تیار کئے گئے۔ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی بنیاد رکھ رہے تھے تو جبریل امین خدا کی جانب سے حکم لائے کہ اس کا عرش موسیٰ کلیم اللہ کے عرش کے مطابق بنائیے اس کی بلندی سات گز سے زیادہ نہ ہو اور اس کی تزئین اور آرائش میں تکلف سے کام نہ لیا جائے۔ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کی چھت ایسی تھی کہ اگر بارش ہوتی تو اوپر سے لوگوں کے سر پر مٹی گر آتی تھی۔ جب پہلے پہل مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی گئی تھی تو اس کی نیو کا طول قبلہ سے حد شمال تک چون گز اور مشرق سے مغرب تک ترسیٹھ گز تھا۔ فتح خیبر کے بعد سنہ سات ہجری میں اس کی تجدید کر دی گئی اور ہر طرف سے اس کو صدر صدر کر دیا گیا طرانی نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے جو مسجد تشریف کے پڑوس میں رہتے تھے فرمایا کہ کیا تم اپنے زمین کے اس ٹکڑے کو جو اس مکان کے عوض تمہیں بہشت میں ملے گا بیچ سکتے ہو تاکہ ہم مسجد کو وسیع کر دیں۔

جب ان انصاری نے اس معاملہ کی توفیق نہ پائی تو عرض کیا یا رسول اللہ میں غریب آدمی ہوں اور عیال بھی رکھتا ہوں میرے پاس سوائے اس ٹکڑے کے اور زمین نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انصاری کو مجبور نہیں کیا۔ بعد میں عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زمین کو انصاری سے دس ہزار درہم میں خرید لیا اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس قطعہ زمین کو مجھ سے اس گھر کے عوض جو مجھ کو بہشت میں ملے گا خرید لیجئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے زمین کو بدل مذکور کے عوض خرید کر مسجد شریف میں داخل فرما دیا۔ بنیاد میں ایک اینٹ اپنے دست مبارک سے رکھی اس کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا تاکہ وہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اینٹ کے برابر ایک اینٹ رکھ دیں اسی طرح عمر و عثمان رضی اللہ عنہما سے فرمایا اور ہر ایک نے ایک ایک اینٹ رکھی یہی طریقہ مسجد قبا کی بنیاد رکھنے کے دوران اختیار کیا گیا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق البتہ کلام ہے اس لئے کہ حضرت عثمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں موجود نہ تھے جنتہ کی ہجرت سے ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ واللہ اعلم۔

امام احمد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ صحابی اینٹیں ڈھونڈتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کی مدد فرماتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ پیٹ سے لے کر سینہ تک بہت سی اینٹیں اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ اینٹیں مجھ کو دے دیجئے تاکہ پہنچا دوں۔ فرمایا کہ اینٹیں تو بہت ہیں تم بھی اٹھاؤ اور یہ میرے لئے چھوڑ دو۔ یقیناً یہ واقعہ تعمیر ثانی کا ہے۔ اس لئے کہ ابو ہریرہ کا اسلام قبول کرنا اور فتح خیبر کا واقعہ سُننے ہجری کا ہے۔ اور تعمیر اول مقدم ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ہر صحابی ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے۔ لیکن عمار بن یاسر دُودا اٹھاتے تھے۔ جب سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا و بیع عمار تفیئدہ الفئۃ الباغیۃ یدعوہم الی الجنة و یدعوہنہ الی النار ترجمہ رافسوس ہے کہ قتل کرے گی عمار کو ایک جماعت باغیوں کی عمار بلائیں گے ان کو جنت کی طرف اور وہ لوگ بلائیں گے ان کو جہنم کی طرف۔

قبلہ اول تعمیر کے دوران سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی جانب رہا اور مسجد کے تین دروازے تھے۔ ایک دروازہ بجانب پایاں جو کہ اس وقت قبلہ ہے اور ایک دروازہ غربی جانب کہ اس وقت اس کو باب الرحمت کہتے ہیں۔ تیسرا دروازہ جس طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تھے وہ باب آل عثمان ہے۔ اب اس کو باب جبریل کہتے ہیں۔ یہ حضور کی جائے تنجید ہے نہ کہ وہ کھڑکی جس کو عوام الناس باب جبریل کہتے ہیں۔ جب قرآن مجید میں تحویل قبلہ کے متعلق حکم نازل ہوا جبریل امین نے دربار خداوندی

سے آکر جس قدر پردے درمیان میں حائل تھے پہاڑ ہوں خواہ درخت) کعبے کے سامنے سے ہٹا دئے۔ جس مقام پر اب مسجد نبوی کی بنیاد ہے۔ قبلہ کے سمت والے منظر پر میراب کو درست کیا۔ تخریل قبلہ کے چودہ پندرہ دن بعد تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مقام اسطوانہ کے پیچھے تھا جس کو اب اسطوانہ عالیشان کہتے ہیں اس کے بعد محراب کا مقام جو آج تک مقرر ہے متعین ہوا۔ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں محراب کی یہ علامت نہ تھی۔ جس طرح سے اب مسجدوں میں پائی جاتی ہے۔ عمر بن عبد العزیز جو ولید ابن عبد الملک اموی کی جانب سے مدینہ منورہ کے امیر مقرر ہوئے تھے انھوں نے اس کی ابتدا کی۔ آنحضرت کا بیت المقدس کے قبلہ میں وہ مقام تھا کہ اگر آپ اسطوانہ مذکور کی طرف پشت کر کے شام کی جانب منہ کریں۔ اور باب عثمان کے مقابل اس طرح کھڑے ہو جائیں کہ باب مذکور دائیں شانہ پر واقع ہو جائے تو مقام قبلہ حاصل ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر رکھنے سے پہلے محراب کے قریب متصل جانب غری کھڑے ہو کر اصحاب کو خطبہ سے مشرف فرمایا کرتے تھے اور کبھی کبھی طول قیام کے سبب جب تکان ہو جاتی تو اس لکڑی سے جو اس مقام پر نصب کی گئی تھی تکیہ فرمایا کرتے تھے۔ ملک عرب کا ایک شخص مدینہ منورہ میں حاضر ہوا لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ مدینہ ہی کا باشندہ تھا اور کسی انصاری کا غلام تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اگر حضور فرمائیں فرمائیں تو ایک ایسا منبر تیار کیا جائے کہ اس پر کھڑا ہونا اور بیٹھنا بھی آسان ہو جائے آپ نے اس کی التماس کو منظور فرمایا اس نے تین درجہ کا ایک منبر تیار کیا اس کا تیسرا درجہ بیٹھنے کا مقام تھا۔ صحیح روایت کے مطابق جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منبر کو اس مقام پر رکھا کہ جہاں اب منبر شریف ہے اور مقام معینہ سے جہاں پہلے خطبہ پڑھتے تھے منتقل ہو گئے تو وہ لکڑی جس سے کبھی کبھی آپ تکیہ فرمایا کرتے تھے آپ کے فراق صحبت میں شوق ہو گئی اور آہ و بکا شروع کر دی وہ ایسی آواز نکالتی تھی کہ جیسے ادنیٰ نکالتی ہے تمام حاضرین نے بھی اس آواز کو سنا اور یہ لوگ بھی اس عجیب و غریب حال کو دیکھ کر رونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے اور اس پر دست شفقت رکھ کر فرمایا کہ اگر تو چاہے تو تجھ کو تیری جگہ پر سابقہ حالت میں کر دوں۔ اور اگر چاہے تو بہشت جاد داں میں بٹھال دوں تاکہ اس کی نہروں اور چشموں سے میراب ہوا کرے اور دوستان

خدا تیرا میوہ کھائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اصحاب کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس نے دارالخلد میں رہنا پسند کیا۔ روایت ہے کہ جب جن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو سنتے تو رو دیتے اور فرماتے کہ اے بندگان خدا جب ایک چوب خشک فراق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں فریاد کرتی ہے تو کیا تم اس سے زیادہ اس بات کے لائق نہیں ہو۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حنین کے رونے کی حدیث مشہور ہے بلکہ تواثر کو پہنچی ہے اور صحابہ کی ایک کثیر جماعت راوی ہے۔ ستون مذکور بعض اصحاب کے زمانہ تک موجود رہا آخر کار بسبب امتداد زمانہ بوسیدہ ہو گیا اور ایک روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جس مقام پر وہ کھڑا تھا وہیں دفن کر دیا گیا۔ قول صحیح میں اس منبر شریف کا طول ایک گز تھا۔ چوڑائی نصف گز تھی اور ہر درجہ کی چوڑائی نصف بالشت۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے تک بدستور رہا۔ جس شخص نے سب سے پہلے اس کو جامعہ قبطیہ سے لپیٹا ہے وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے انھوں نے اپنی خلافت کے چھ سال بعد نیچے کے درجے سے جس کو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد اختیار کیا تھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست پر لگے۔ اور ایک قول میں حضرت امیر معاویہ نے سب سے پہلے منبر شریف کو لباس پہنایا تھا۔ اور اپنی امارت کے زمانے میں جب وہ شام سے مدینہ منورہ آئے تو قصد کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کو شام لے جائیں اور اسی ارادہ سے جب اس کو اپنی جگہ سے حرکت دی تو اس وقت آفتاب میں ایسا گہن لگا کہ آسمان کے تارے نظر آنے لگے۔ حضرت معاویہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ اور پشیمان ہو کر صحابہ کے سامنے کہنے لگے کہ میرا قصد اس بات کی تحقیق تھی کہ منبر کو زمین نے نہ کھالیا ہو اس کے بعد چھ درجے زیادہ کئے اور منبر نبوی کو اس کے اوپر رکھا۔ اس کے بعد خلیفہ مہدی نے ارادہ کیا کہ اسی قدر اور زیادہ کر دوں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو منع کیا۔

جب معاویہ والا منبر بھی امتداد زمانہ کے سبب خراب ہونے لگا تو بعض خلفائے عباسیہ نے نیا منبر بنا کر منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیہ حصہ کے بقصد تبرک کٹھکے بنوائے۔ صحیح یہ ہے کہ جو منبر ۵۴ھ کی آگ میں جل گیا وہ خلفائے عباسیہ کا منبر تھا لیکن بعض مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ حضرت معاویہ کا منبر تھا۔

اور یہ منبر مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تھا لیکن قول اول صحیح ہے واللہ اعلم۔
اس کے بعد ہر بادشاہ نے منبر کی تجدید کرائی اور جو تغیر ممکن ہو سکتا تھا کرنے لگے یہاں
تک کہ سلطان روم کے حکم سے سلطان مراد خاں بن سلطان سلیم خاں نے (اللہ اُن کی اور اُن
کے لشکر کی مدد کرے) ۹۹۸ھ ہجری میں ایک بلند منبر سنگ مرمر سے بنایا۔ اور ہفت جوش کی
پالش استعمال کی اور بعض فضلاء روم سے اس منبر شریف کی تاریخ تعمیر کی یہ عبارت پائی
گئی ہے۔ منبرا عمر سلطان مراد۔

فصل۔ مسجد نبوی کے اسطوانات جن سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے آٹھ ہیں۔
اول وہ اسطوانہ جو محراب نبوی کے متصل امام کے داہنی جانب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
سلم منبر تیار ہونے سے پہلے اسی جگہ خطبہ فرمایا کرتے تھے۔ اور وہ ستون جو آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رویا تھا اسی مقام پر تھا۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ اسطوانہ مخلوق ہی
کا نام ہے۔ اس نام کا سبب یہ ہے کہ خلوق ایک مشہور خوشبو ہے جو اس پر لگائی گئی تھی۔
اس لئے کہ یہ اسطوانہ کسی مکروہ چیز سے آلودہ ہو گیا تھا۔ بعض لوگ اُس مقام کو نفل پڑھنے
کے لئے بھی پسند فرماتے ہیں۔

دوسرا اسطوانہ عائشہ ہے اس کو اسطوانۃ القرع و اسطوانۃ المہاجرین بھی کہتے ہیں۔
لیکن اس شہر پاک کے مؤرخ مطری کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق اسی اسطوانہ کا
نام ہے یہ اسطوانہ حجرہ شریف کی جانب تیسرے منبر کی طرف ہے اور روضہ مطہرہ کے
درمیان واقع ہے۔ سرور انبیاء صلوات اللہ علیہ تخیل قبلہ کے مدت تک اسی ستون
کی جانب نماز ادا فرماتے رہے۔ اس کے بعد جس مقام محراب نبوی سے منتقل ہو گئے بڑے بڑے مہاجرین
مثل ابوبکر صدیق و عمر فاروق وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی ستون کی جانب
نماز پڑھتے اور اجتماع کیا کرتے تھے۔

طبرانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مسجد میں اس ستون کے آگے ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر
لوگ اس کی فضیلت سے واقف ہو جائیں تو قرعہ ڈالے بغیر کسی کو اس ٹکڑے میں نماز پڑھنی
میسر نہ ہو۔ جب حضرت عائشہؓ نے یہ روایت بیان کی تو صحابہ رضوان اللہ علیہم ہیں سے
ایک جماعت نے دریافت کیا کہ وہ ٹکڑا کہاں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اس قطعہ زمین کا

تعیین نہ کیا۔ حاضرین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے باہر آ گئے عبد اللہ بن زبیر (جو ام المومنین کے بھانجے تھے) اس جماعت میں شامل تھے جس نے حضرت عائشہؓ سے اس قطعہ زمین کی بابت دریافت کیا تھا لیکن عبد اللہ بن زبیر نے کوئی سوال نہ کیا تھا اور خاموش رہے اور حضرت عائشہؓ کے پاس ہی رُکے رہے۔ صحابہ کی دوسری جماعت اس خبر کو معلوم کرنے کے لئے مسجد میں حضرت عائشہؓ کے جواب کی منتظر تھی کہ تھوڑی دیر میں عبد اللہ بن زبیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت سے واپس آ گئے اور اسی اسطوانہ کے دائیں جانب نماز ادا کی۔ لوگوں نے جان لیا کہ جس بکڑے کی سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے یہی ہے۔ اور اس اسطوانہ کے قریب دعا قبول ہوتی ہے۔

تیسرا اسطوانہ توبہ ہے یہ حجرہ شریف سے دوسرا اور منبر شریف سے چوتھا اسطوانہ عائشہ صدیقہ کے برابر حجرہ کی طرف ہے۔ کہتے ہیں کہ اسطوانہ اور قبر شریف کے درمیان بیس گز کا فاصلہ ہے واللہ اعلم۔ اس کو اسطوانہ ابوالبابہ بھی کہتے ہیں ابوالبابہ لقب انصار میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو اس اسطوانہ سے اس لئے باندھ دیا تھا کہ ان کی توبہ دربار رسالت میں قبول ہو جائے۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ ان کا یہود کے قبیلہ بنو قریظہ سے عہد و پیمان تھا جس وقت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو یہ لوگ ابوالبابہ کے مشورہ سے اتر آئے اور یہ شرط کی کہ ابوالبابہ جو کچھ فیصلہ کر دیں گے ہم اس پر عمل کریں گے پھر بنو قریظہ کے بچے اور عورتیں ابوالبابہ کے پیروں پر گر پڑے اور گریہ و زاری کر کے کہنے لگے کہ ہم سب کو دربار رسالت میں لے جا کر سفارش کر دیجئے۔ ابوالبابہ نے کہا کہ میں وہی کروں گا جیسا کہ تم لوگ کہتے ہو لیکن اثنائے کلام میں ابوالبابہ نے یہ حرکت کی کہ اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا یعنی انجام کار تمہارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قتل ہے۔ یہ بات ابوالبابہ سے یہ تقاضائے بشریت اور بنو قریظہ کے رونے دھونے کی وجہ سے صادر ہو گئی۔ بعد میں ابوالبابہ کو یہ احساس ہوا کہ خدا اور رسول کے معاملے میں مجھ سے ایک بہت بڑی خیانت ہو گئی ہے۔ ابوالبابہ نے اس حرکت کی ندامت اور اس قصور کے عذر میں اپنے آپ کو اس لکڑی سے ایک بھاری زنجیر کے ذریعہ

باندھ دیا جو اس اسطوانہ کی جگہ پر تھی۔ اور دس روز سے زائد اسی حال میں گریہ و زاری کرتے رہے ان کی لڑکی نماز اور پیشاب پاخانے کے وقت آکر کھول دیتی تھی۔ بھوک و پیاس کی شدت اور گریہ و زاری کی کثرت سے سماعت تو جاتی رہی تھی اور قریب تھا کہ بنیائی بھی جواب دے جائے کہ ان کے حق میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخْشَوْا اللَّهَ وَالرَّسُولَ** انہوں نے قسم کھائی تھی کہ اپنے آپ کو اس وقت تک نہ کھولوں گا۔ جب تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود نہ کھولیں اور کھانا پینا بھی نہ استعمال کروں گا یہاں تک کہ یا تو مر جاؤں گا یا حضور معاف فرمائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ پہلے ہی میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا لیکن چونکہ انہوں نے اپنے آپ کو درگاہ خداوندی میں باندھ رکھا ہے۔ اس لئے اب جب تک کہ حکم خداوندی نہ ہو میں نہیں کھول سکتا۔ یہاں تک کہ صبح کے وقت ان کی توبہ قبول ہونے کی آیت ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ان کو کھول دیا۔ انہوں نے عہد کر لیا کہ اب بنو قریظہ کے گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔ اس لئے کہ وہاں پر خدا اور رسول کے گھر میں خیانت واقع ہوئی تھی۔

بعض روایتوں میں بعضے قصور کی وجہ سے دوسرے صحابیوں کا بندھنا بھی آیا ہے۔ ابن زبالہ محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفلی نماز اسطوانہ توبہ کے پاس ہوتی تھی۔ اور نماز صبح کے بعد بھی اسی جگہ تشریف رکھتے تھے اور کثرت سے کمزور لوگ، مساکین، صحابہ اور مولفۃ القلوب، اصحاب صفہ، مہمان اور وہ لوگ جو آنحضرت کی مسجد کے سوارات گزارنے کا کوئی ٹھکانہ نہ رکھتے تھے اسی ستون کے گرد اگرد بیٹھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فقر و مساکین کے درمیان بیٹھ جاتے اور جتنا قرآن مجید رات میں نازل ہوا ہوتا ان کے سامنے پڑھتے۔ اور ان کو احکام الہی سے آگاہ کرتے۔ ان سے خود بھی باتیں کرتے اور ان کی باتیں سننے اللھم صلی علیٰ ہذا النبی الکریم الذی ارسلتہ رحمۃ اللعالمین راحم الفقراء و معینا للضعفاء و المساکین۔

طلوع آفتاب کے قریب جب مالدار لوگ اور اصحاب شرف و بزرگی آتے اور بیٹھنے کی جگہ مجلس میں نہ پاتے تو اس وقت تالیف قلوب کے خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی ان کی طرف مائل ہو جاتا۔ حکم آیا و اصبر لنفسک مع الذین

یدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه الايتين ترجمہ :- اور رو کے رکھتے اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ جو دعا کرتے ہیں اپنے رب سے صبح و شام ارادہ کرتے ہیں اس کی رضا مندی کا) کبھی اعتکاف کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار پائی اور بستر بھی اس اسطوانہ کے پیچھے ہوتا تھا اور حضور اسی اسطوانہ سے تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے۔

چوتھا اسطوانہ سرریہ ہے جو شرقی جالی سے ملا ہوا ہے اور اسطوانہ التوبہ کے متصل ہے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں آپ کی چار پائی اور چٹائی کا فرش کبھی اسطوانہ توبہ کے قریب اور کبھی اس اسطوانہ کے پاس ہوتا تھا لیکن اس وقت اسطوانہ سرریہ اسی اسطوانہ کو کہتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے تھے تو عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے سر مبارک میں کنگھا کیا کرتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاس کھجور کی چھال کی ایک چار پائی تھی جس کو آپ کبھی اعتکاف کی جگہ (جو اسطوانہ اور قنادیل کے درمیان میں ہے) رکھ لیتے تھے اور اکثر اوقات ایک چٹائی تھی جس کو رات میں بچھاتے تھے اور دن میں پیروں کے نیچے ڈال لیا کرتے تھے۔

پانچواں اسطوانہ محرس تھا اس کو اسطوانہ علی بن ابی طالب سلام اللہ علیہ بھی کہتے ہیں اس جگہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اکثر اوقات نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر راتوں میں اس مقام پر بیٹھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کرتے تھے۔ مطری نے کہا ہے کہ یہ اسطوانہ اس دروازہ کے مقابلہ میں ہے جس دروازہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں سے ہوتے ہوئے مسجد شریف میں آتے تھے۔

چھٹا اسطوانہ الوفود، اسطوانہ محرس کے پیچھے شمالی جانب ہے وفود جمع ہے وفد کی اور وفود اس جماعت کو کہتے ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ کو جائے۔ جب عرب کے وفود مختلف اطراف سے سعادت اسلام حاصل کرنے اور احکام دین سیکھنے کی غرض سے خدمت اقدس میں آتے تھے تو آپ اسی جگہ بیٹھ کر ان سے ملاقات فرمایا کرتے تھے۔ بڑے بڑے صحابہ اور بڑی بڑی جماعتیں یہیں آپ کی صحبت میں بیٹھتی تھیں۔

ساتواں مربعیتہ البعیر ہے۔ اس کو مقام جبریل بھی کہتے ہیں۔ جبریل کا اکثر اوقات وحی لے کر حاضر ہونا اسی مقام پر تھا۔ اس کے اور اسطوانہ الوفود کے درمیان ایک

اور اسطوانہ ہے۔ جو حجرہ شریف کی جالی سے اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہما کے مکان سے ملا ہوا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ شریف سے باہر تشریف لاتے تو اسی مقام پر کھڑے ہو کر علی اور فاطمہ وحسن وحسین علیہم السلام سے خطاب کر کے فرماتے **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّا يَرِيدُ اللَّهُ لِيَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسُ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا** ترجمہ (سلامتی ہو تم پر اے اہل بیت اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے تاکہ دُور کر دے تم سے نجاست کو اے اہل بیت اور پاک کرے تم کو کامل طور پر) سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ آج اس اسطوان سریر کے تبرک کو حاصل کرنے سے لوگ محروم ہیں کیونکہ حجرہ شریف کے گرداگرد دروازوں کی جالیاں حصولِ یابی تبرک کی راہ میں مانع آتی ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سید کا مقصود اپنی اس عبارت سے یہ ہے کہ اس اسطوانہ کے کسی بھی طرف نماز پڑھنا اور بیٹھنا ممکنات میں سے نہیں ہے ورنہ حقیقتاً نصف اسطوان سریر تو مغربی جانب سے مسجد کے اندر داخل ہے اس لئے اس کے قرب میں نماز پڑھنا یا بیٹھنا بہت آسان ہے۔ یہی حال اسطوانِ دُود کا ہے۔ پھر تخصیص کی کیا وجہ ہے اور جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کی جگہ اسطوان سریر میں کھڑکی کے داخلی جانب جو حجرہ سے متصل ہے وہی ہے اور اسی سبب سے گویا برکت حاصل کرنے کی محرومی سمجھی والہ علم۔

آٹھواں اسطوان ہتجد۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتجد پڑھنے کی محراب تھی یہ اس وقت تک موجود ہے۔ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پیچھے شمالی جانب ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات اس مقام پر چٹائی بچھا کر نماز ہتجد ادا فرماتے تھے۔ جب صحابہؓ نے دیکھا کہ حضور ہر رات نماز ادا فرماتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی خواہش میں صحابہؓ نے بھی نماز شروع کر دی۔ جب آپ نے اجتماع صحابہ کو ایک اثر و ہام کی شکل میں مشاہدہ فرمایا تو چٹائی پھیٹ کر مکان میں تشریف لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہر شب آپ نماز پڑھتے تھے تو ہم بھی آپ کے اتباع کی سعادت حاصل کر لیتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہوا کہ تم پر ہتجد فرض ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ

کر سکو۔

یہ مسجد شریف کے بقیہ ستونوں میں سے وہ ستون ہیں جو فضیلت اور برکت کے ساتھ مخصوص ہیں ویسے تو تمام ستون بلکہ تمام مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی مبارک ہے اور اس میں ایسا کوئی ستون نہیں ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے اس جگہ نماز ادا نہ کی ہو۔ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کبار کو میں نے اس حالت میں دیکھا کہ مغرب کے وقت ان میں سے ہر ایک ایک اسطوانہ کی طرف سبقت کرتے تھے اور روضہ شریف میں ہر اسطوانہ پر ان اسطوانوں کے نام لکھے ہیں۔ اُس اسطوانہ پر جو محراب نبوی کے مقابل بجانب شمال غریب اسطوانہ عائشہ ہے لکھا ہوا ہے۔ اسطوانہ ابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ان اسطوانوں پر لکھا ہے جو اس اسطوانہ کے متصل مغربی جانب ہیں لیکن اسطوانہ سعید بن زید اور اسطوانہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ذکر سید علیہ الرحمۃ کی تاریخ میں نہیں ہے۔

فصل۔ صفہ مسجد و اصحاب صفہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صفہ بضم صاد مہملہ و ادغام فامسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختتام پر ایک سائبان تھا۔ جس میں فترا و مساکین صحابہ جو اہل و عیال نہیں رکھتے تھے رہتے تھے۔ اسی مکان کی نسبت سے ان کو اصحاب صفہ کہتے ہیں۔ اور ذہبی کہتے ہیں کہ تحویل سے پیشتر قبلہ مسجد کے شمالی جانب تھا لیکن جب قبلہ کی تحویل ہوئی تو قبلہ اول کی دیوار اس کی جگہ پر قائم رکھی تاکہ مساکین و فقرا کے لئے بھی جگہ رہے۔ اصحاب صفہ کے نکاح کر لینے، موت آجانے یا مسافرت کے اختیار کرنے کی وجہ سے ان کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ حافظ ابوالغیم نے اپنی کتاب حلیفہ میں ایک سو سے زیادہ ان کے نام شمار کئے ہیں۔ ان کی خواب گاہ بھی مسجد میں تھی۔ یہ لوگ اس کے علاوہ کوئی دوسری جگہ نہیں رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بحکم الہی و اٰصْبِرْ لِنَفْسِكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ۔ ترجمہ :- (اور روکے اپنی جان کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو) ان لوگوں کے ساتھ آپ کی ہم نشینی مخصوص تھی۔

بیت دلا خوش باش کا سلطان دیں را، بدر ویشان و مسکیناں سرے بہت

اکثر اوقات ان حضرات کی کئی کئی جماعتیں آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر بھوک کی سختی اور انتہائی پریشانی سے پڑی رہتی تھیں۔ انہیں دیکھ کر آلے والوں کو خیال گزرتا تھا کہ شاید یہ دیوانے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لاتے اور تسلی دیتے ہوئے فرماتے کہ تم لوگ بہ امن ہو اور مزید فرماتے کہ اگر تم لوگ اپنے اس مرتبہ سے آگاہ ہو جاؤ جو تمہارا مرتبہ خدا کے سامنے ہے تو تم لوگ یہ خواہش کرنے لگو کہ فقر و فاقہ زائد ہو جائے۔ کبھی کبھی ان میں سے دو دو ایک ایک کو اپنے مالدار اصحاب کے سپرد فرما دیتے تھے کہ ان کی مہمانی کریں جو باقی رہ جاتے ان کو اپنے ساتھ شریک کر لیتے صدقات میں سے جو کچھ آتا ان کو دے دیتے۔ تحفہ تحائف میں بھی ان کا حصہ تھا۔ ان کو اضياف المسلمین کہتے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں (یہ خود اصحاب صفہ میں سے ہیں) میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر ایسے آدمیوں کو دیکھا جن کے پاس سوائے ایک تہبند کے جو آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا تھا اور کوئی کپڑا نہ تھا۔ سجدہ کے وقت ان کو ہاتھ سے پکڑ لیتے تھے تاکہ ستر نہ کھل جائے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کی شدت میں پیٹ سے پتھر باندھ لیتا تھا اور کلیجے کو زمین پر مارتا تھا۔ ایک دن میں قوم کی رہگذر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ابو بکر صدیق اس راستے سے گزرے میں نے قرآن کی ایک آیت ان کو سنانے کے لئے پڑھی تاکہ وہ میری حالت کو دریافت کریں لیکن انہوں نے کچھ توجہ نہ کی اور چلے گئے اس کے بعد ابوالقاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو مسکرا کر فرمایا اے ابو ہریرہ میں نے عرض کیا کہ لبیک یا رسول اللہ۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہاں آؤ میں اٹھاؤں اور حضور کے پیچھے پیچھے حجرہ شریف پر پہنچا۔ ہدیہ میں دودھ کا پیالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دودھ ہی کتنا ہے جس کے لئے اصحاب صفہ طلب فرمائے جاتے ہیں۔ اگر مجھے ہی دے دیتے تو میں پی لیتا اور تھوڑی دیر آرام پاتا لیکن خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ میں اصحاب صفہ کے پاس گیا اور ان کو رسالتاب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں بلا لایا سب آگئے اور حضور کے حجرہ میں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہ۔ میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ۔ فرمایا دودھ کا پیالہ لو اور اصحاب کو دو۔ پھر پیالہ اٹھا کر میں نے ان اصحاب کو دیا ہر ایک آسودہ ہو کر

پیتا تھا اور دودھ اپنے مقدار میں باقی رہتا تھا۔ جب سب پی چکے تو میں نے پیالہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا۔ تب تم کر کے فرمایا کہ بس ہم اور تم باقی رہ گئے۔ میں نے عرض کیا کہ صَدَقْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فرمایا بیٹھو اور جس قدر بھوک ہو پو۔ میں نے دودھ کو خوب سیر ہو کر پیا۔ باقی حضور کو دیا۔ حق جل و علا کا خطبہ شکر پڑھ کر پیالہ میں جو دودھ باقی بچا تھا نوش فرمایا۔ اور دوسرے وقت کے لئے بھی طعام میں کثرت اور برکت اور اصحاب صفہ کے لئے کافی ہونے کی روایت بھی ابو ہریرہ کے ذریعہ ثبوت پہنچی ہے متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ جملہ انصاری اپنی کھجور سے خوشے لاتے تھے۔ اور ان خوشوں کو ایک رسی سے باندھ کر مسجد کے دو اسطوانوں کے درمیان لٹکا دیتے تھے اس کے نیچے اصحاب صفہ کو بٹھاتے اور خوشوں کو لکڑی سے جھاڑتے تھے تاکہ یہ لوگ بے تکلف کھائیں ایک دن ایک آدمی نے خراب خرمہ کے خوشے لاکر لٹکائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس صدمت کا مالک اس سے بہتر خرمہ لانا چاہتا تو لا سکتا تھا لیکن اس نے نہ چاہا کہ قیامت کے دن اس سے بہتر خرمہ کھائے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عن اصحابہ اجمعین)۔

فصل۔ حجرات شریف کا بیان۔ جس وقت سید انبیا صلوٰۃ اللہ وسلم نے مسجد شریف کی بنیاد رکھی تھی اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں صرف دو بیبیاں تھیں ان کے لئے دو حجرے بنائے تھے۔ سودہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما نے بھی ان کے بنانے میں ہاتھ بٹایا تھا۔ بعد ازاں جتنے نکاح کئے ہر ایک کے لئے ایک نیا حجرہ بنا دیا۔ حارثہ بن نعمان ایک انصاری تھے ان کا مکان مسجد شریف کے قریب تھا ایک مدت گزرنے کے بعد انہوں نے اپنا کل مکان آنحضرت کو دے دیا۔ اکثر مکان آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائے جو عرب میں جرید نخل سے تھے۔ کبیل سے ڈھکے ہوئے کبیل ہی دروازے پر لٹکا ہوا تھا۔ اور سب مکان بجانب قبلہ اور مشرق و شام کے تھے مسجد کے غری جانب کوئی گھر نہ تھا۔ بعضے مکان کچی اینٹ کے بھی تھے۔ ہر مکان میں ایک حجرہ کھجور کی چھال سے تھا جس پر کبہ گل کی ہوئی تھی۔ اکثر گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے۔ چھت کی بلندی قد آدم سے ایک ہاتھ اونچی رکھی ہوئی تھی اس سے زیادہ نہ تھی۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مکان بھی اسی جگہ تھا اور اب تک

قبر شریف کی صورت میں اسی مقام پر ہے۔ ان کے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے درمیان (جو عائشہ رضی اللہ عنہا کا حق تھا) ایک کھڑکی تھی جس کو خود کہتے تھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر آمد و رفت اسی کھڑکی کی طرف سے تھی۔ جب تشریف لاتے حضرت فاطمہ علیٰ، حسن اور حسین سلام اللہ علیہم کی مزاج پُرسی فرماتے۔ آدھی رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ادھر تشریف لائیں حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اس کھڑکی کے متعلق کچھ گفتگو ہوئی اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے التماس کی آپ نے کھڑکی بند کر دی۔

طبرانی ابی ثعلبہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس آتے تو مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے اس کے بعد حضرت فاطمہ زہرا کے پاس آتے اور خیریت دریافت کر کے امہات المومنین کے مکالوں میں تشریف لے جاتے۔ امیر المومنین علی سلام اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے میں نے آپ کے لئے کھانا تیار کر لیا۔ ام مین نے میرے واسطے دودھ بھیجا تھا۔ میں نے وہ بھی کھانے کے ساتھ حاضر کیا۔ حضور نے کھانا تناول فرمایا اور دودھ پیا اس کے بعد میں نے ہاتھ دھلائے جب ہاتھ دھوئے تب آپ نے دست مبارک اپنے روئے نور اور ریش مبارک پر پھیر کے دعا کی اور سجدہ میں جا کر آنسوؤں سے رونے لگے۔ کسی کو بوجہ ہیبت مجال نہ تھی جو رونے کا سبب دریافت کرتا۔ اسی اثنا میں حسین سلام اللہ علیہ آپ کی پشت مبارک پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اور رونے لگے۔ آنسو و صلی اللہ علیہ وسلم اپنا رونا بھول گئے اور نواسے کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بائی انت وامی یا حسین۔ ترجمہ (میرے ماں باپ تم پر قربان ہو جائیں اے حسین) کیوں روتے ہو؟

حسین کہنے لگے کہ اے پدر بزرگوار میں نے آپ کو اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا۔ جس طرح کہ آج دیکھ رہا ہوں۔ بتائیے کیا حال ہے؟

آپ نے فرمایا اے بیٹے آج مجھ کو تمہارے جمال مسرت مال کے دیکھنے سے ایسا سرور اور خوشی حاصل ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی لیکن جبریل علیہ السلام دربارِ خداوندی سے آئے اور مجھے خبر دی کہ تمہاری امت کے بعض لوگ حسین کو بحالت غربت

ہلاکت کر ڈالیں گے۔ میں سجدہ میں گر کر دعا کرنے لگا کہ اگر دنیا کے محن و مصائب تمہارے سر پر آئیں تو آئیں لیکن تمہاری آخرت اچھی ہو جائے۔

فصل۔ ابتدا میں بعض صحابہ کے مکانات کے راستے مسجد نبویؐ میں سے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں حکیم الہی ارشاد فرمایا کہ تمام صحابہ کے دروازے جو مسجد میں ہیں بند کر دے جائیں لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھلا رہے صحیح حدیثوں میں متعدد طریقہ سے آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایام مرض میں جب کہ حضور کے وصال کو چند روز باقی رہ گئے تھے منبر پر تشریف لائے اور ایک خطبہ بلیغہ پڑھ کر فرمایا کہ پڑ گئے عالم نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو مختار بنایا ہے کہ اگر چاہے تو دنیا میں رہے ورنہ جوارِ قدس کی طرف آئے۔ اور اس بندہ نے اس بات کو اختیار کیا کہ اپنے مولا کے پاس جائے۔ دربار میں جس قدر صحابہ حاضر تھے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے بھی اس مضمون کو نہ سمجھا اس لئے رو پڑے اور سمجھ گئے کہ آپ اپنی حالت سے خبر دے رہے ہیں اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت قریب آگیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمام آدمیوں سے زائد مجھ پر خرچ کرنے والے اور میری مدد کرنے والے ابو بکر صدیق ہیں۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن اخوت اسلام اور ان کی دوستی باقی ہے۔ مسجد میں جس قدر دروازے ہیں سوائے دروازہ ابو بکرؓ کے سب بند کر دو اور بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ کوئی خوہ مسجد میں نہ چھوڑو سوائے خوہ ابو بکرؓ کے۔ خوہ اس طاق کو کہتے ہیں جو گھر کی دیوار میں روشنی کے لئے چھوڑتے ہیں۔ اگرچہ یہ خوہ مکان کے پس پشت ہو تو اس سے آنا جانا بھی ممکن ہے۔ ابو بکرؓ کا خوہ اسی طریقہ کا تھا اکثر اوقات اس خوہ سے مسجد میں آیا کرتے تھے اسی وجہ سے اس کے لئے حدیث میں لفظ دروازہ بولا گیا ہے۔ ورنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کا دروازہ مسجد کی جانب نہیں تھا۔ علمائے سنت والجماعت کے لئے اس حدیث میں ابو بکرؓ صدیق کی فضیلت کی دلیل ہے اور جمیع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ اس فرمان کا وقوع آخر حیات آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آنحضرتؐ سے الناس کی کہ

اپنے گھر کی دیوار میں ایک روشندان اس لئے چھوڑیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
 جس وقت نماز کے لئے تشریف لائیں تو آپ کے جمال پر نظر پڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا کہ میں جائز نہیں رکھتا اگرچہ وہ سوئی کے ناکے کے برابر ہو۔ دوسری جماعت اس فرمان
 کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگی کہ اپنے دوست کو تو کشادگی کی اجازت دی اور دوسروں کو
 باہر کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میری جانب سے نہیں ہے بلکہ حکم الہی ہے۔ مجھ کو اس میں کوئی اختیار
 نہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر ایک نور دکھتا ہوں اور تمہارے
 دروازہ پر ظلمت۔ بعضے علماء اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس حدیث سے ظاہری معنی مراد
 نہیں ہیں بلکہ مراد باب خلافت ہے۔ اور دوسروں کا دروازہ بند کر دینے سے یہ مراد ہے کہ لوگوں
 کو خلافت کی خواہش سے منع کیا جائے۔ ورنہ ابی بکر کا کوئی مکان متصل مسجد نبوی نہ تھا بلکہ
 اُن کا ایک مکان مدینہ کے عوالی میں تھا اور دوسرا مکان بقیع میں۔ یہ کلام بغیر تکلف کے
 نہیں ہے اور جو شخص کہتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان مسجد کے متصل نہ تھا۔
 اس کے لئے تحقیق یہ ہے کہ ان کے متعدد مکان تھے جتنی بی بیات تھیں اتنے ہی مکان تھے جن
 مکان کے دروازے کو کھولنے کا حکم ہوا تھا وہ مسجد کے متصل باب السلام اور باب الرحمتہ
 کے درمیان تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ابوبکر صدیق نے اس کو ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا
 کے ہاتھ چار ہزار درہم میں فروخت کر دیا اور یہ رقم اس جماعت پر خرچ کر دی جو ابوبکر صدیق
 رضی اللہ عنہ کے پاس کسی جگہ سے آئی تھی۔ شیخ ابن حجر عسقلانی بھی صحیح بخاری کی شرح
 میں بیان کرتے ہیں کہ اس باب میں دوسری حدیثیں بھی آئی ہیں جن کا ظاہر اس مذکورہ
 مسئلہ کے خلاف ہے۔ ان کے منجملہ سعد بن وقاص کی حدیث ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا
 صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سوا جن دروازوں کے
 راستے مسجد میں ہیں سب کو بند کر دو۔ اس حدیث کے اسناد قوی ہیں اور اس حدیث کے
 مخرج احمد و نسائی ہیں۔ طبرانی نے اس حدیث کو اوسط میں ثقتہ لوگوں سے نقل کیا ہے
 کہ سب صحابی جماعت کی شکل میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے سب کے دروازے تو بند کر دیئے اور علی رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھلا
 رکھا۔ حضور نے فرمایا کہ دروازے میں نے نہ بند کئے نہ کھولے خدا نے بند کئے اور اُسی
 نے کھولے مجھے تو خدا نے حکم دیا ہے کہ سوائے علی رضی اللہ عنہ کے سب دروازے بند کرادو۔ امام احمد

نسائی ثقہ لوگوں کی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سوا سب دروازوں کے بند کر دینے کا حکم دیا۔ ان کا دروازہ مسجد میں تھا۔ ان کے لئے کوئی دوسرا راستہ بھی نہ تھا وہ غسل کی حاجت میں بھی اسی راستے سے آتے تھے۔

امام احمد ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم لوگ سب سے بہترین شخص سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر کو جانتے تھے اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہما کو۔ مواہب لدینیہ (نام کتاب) میں بخاری کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابو بکر کو افضل جانتے تھے ان کے بعد عمر کو اور عمر کے بعد عثمان رضی اللہ عنہما کو۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم ان تین آدمیوں کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ اور سید علیہ الرحمۃ نے بھی ابو بکر اور عمر کی بابت یہی بات کہی ہے اور اس میں اتنا اضافہ کر دیا ہے کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ اس کلام کے بعد علی ابن طالب کو تین فضیلتیں دی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی میرے لئے ہوتی تو میں اپنے آپ کو دنیا و مافیہا سے بہتر جانتا۔

اول پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکی ان کے نکاح میں دی اور ان سے اولاد ہوئی۔

دوسرے تمام دروازے سوائے دروازہ علی سلام اللہ علیہ کے بند کر دیے۔

تیسرے خیبر کے دن آپ نے ان کو جھنڈا دیا۔

نسائی بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے حق میں کیا کہتے ہیں انہوں نے اسی حدیث کو پڑھا اور اس کے بعد کہا کہ علیؓ کے متعلق مت دریافت کرو اور ان کو کسی اور پر مت قیاس کرو۔ دیکھتے ہو کہ ان کا درجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کتنا بڑا ہے کہ ہم سب کے دروازے بند کر دیے بجز علی رضی اللہ عنہ کے۔

شیخ ابن حجر کہتے ہیں کہ ان حدیثوں میں سے ہر حدیث استدلال کے لائق ہے خاص کر ایسی صورت میں جب کہ بعض طرق بعض کی تائید کر رہے ہوں۔ اور وہی ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن خوری نے اس حدیث کو جو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں ہے موضوعات میں لکھا ہے اور اس کے بعض طرق پر کلام کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اس صحیح حدیث کے

مخالف ہے۔ جو ابی بکر کے دروازے کے متعلق آئی ہے۔ رافضیوں نے اس حدیث کو اس صحیح حدیث کے مقابلہ میں گڑھ لیا ہے۔ اور ابن حجر ہی کہتے ہیں کہ ابن جوزی نے اس باب میں بڑی غلطی کی ہے کہ اس حدیث کو محض معارضہ کے دہم پر وضع اور افترا کی طرف منسوب کر دیا۔ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں جن میں سے بعض طرق تو درجہ صحت اور مرتبہ حسن کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اور وہ ابی بکر والی حدیث میں معارض نہیں ہیں اور دونوں حدیثوں میں توافق ثابت ہے۔ بزرگ اپنی سند میں اس حدیث کو لائے ہیں اور کہا ہے کہ حضرت علیؑ کے متعلق جو حدیث ہے وہ اہل کوفہ کی روایات میں سے ہے اور ابو بکرؓ کی حدیث اہل ہند کی روایات میں سے ہے توافق کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدا میں جب دروازوں کے بند کرنے کا حکم ہوا ہوگا تو علیؑ کا دروازہ اس سے استثنائاً کر دیا ہوگا اس لئے کہ ان کا دروازہ مسجد کی جانب تھا اور ان کے لئے کوئی دوسرا راستہ بھی نہ تھا جس سے آمد و رفت ہو سکے۔ اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو ترمذی میں ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سلام اللہ علیہ سے فرمایا کہ اس مسجد میں ہمارے اور تمہارے سوا کوئی شخص جنابت کی حالت میں نہ آئے گا پس اس وقت میں علی کے دروازے کے سوا سب دروازوں کو بند کرنے کا حکم فرمایا۔ اور دوسرے وقت جب روزن اور خوضہ بند کرنے کا حکم ہوا تو اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ میں مستثنیٰ فرما دیا اس لئے کہ ان کے کوئی دروازہ نہ تھا۔ جس کا راستہ مسجد میں ہوتا جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کا دروازہ تھا۔ پس ایک کھڑکی مسجد کی جانب تھی۔ چنانچہ علمائے تاریخ و علمائے حدیث نے بھی اس کی تحقیق کی ہے اور طحاوی نے مشکل الآثار اور معانی الاخبار میں اس توجیہ کی تصریح کی ہے۔ سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جو عبارت علی کے دروازہ کو کھلا رکھنے کی تقدیم پر دلالت کرتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ ابن زبالب بیان کرتے ہیں جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کے سوا سب اصحاب کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا تو حمزہ بن عبد المطلب نے اس حکم کی فرمان برداری میں کچھ توقف سے کام لیا اور دربار رسالت میں حاضر ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اپنے چچا کو باہر نکال پھینکا اور چچا کے لڑکے کو اندر بلا لیا۔ آپ نے فرمایا اے میرے چچا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ مجھ کو اس امر میں کچھ اختیار نہیں ہے۔ سید کے ذکر سے اس روایت میں اتنی وضاحت ہو گئی ہے کہ علی سلام اللہ علیہ واقعہ

پہلے کا ہے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض موت میں ہوا ہے کیونکہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت غزوہ احد میں ہوئی تھی سید نے احادیث کے شمار اور کثرت طرق کے بیان میں علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کوتاہی نہیں کی ہے۔

منجملہ ان حدیثوں کے ایک یہ حدیث بھی ہے کہ ابن زبالب قحی (جو سند رکھتے ہیں) ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ سب صحابہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک ایک مناد نے آواز دی۔ ایہا الناس سدوا ابوابکم ترجمہ :- (اے لوگو اپنے دروازوں کو بند کرو) اس کے سننے سے لوگوں میں ایک بیداری تو پیدا ہوئی لیکن کوئی شخص اٹھا نہیں دوسری مرتبہ آواز آئی ایہا الناس سدوا ابوابکم قبل ان یبزل العذاب ترجمہ :- (اے لوگو اپنے دروازوں کو بند کرو عذاب نازل ہونے سے پہلے)۔

سب کے سب باہر نکل آئے اور آنحضرتؐ کے پاس پہنچے۔ علی مرتضیٰ بھی تشریف لائے۔ اور آنحضرتؐ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا تم کیوں کھڑے ہو۔ یہاں سے جاؤ اپنے گھر بیٹھو اور اپنے گھر کے دروازوں کو بدستور چھوڑ دو۔ لوگوں میں اس بات کے سننے سے چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اور دلوں میں دسو سے پڑے۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا، منبر پر تشریف لے گئے اور مولیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ ایک مسجد بناؤ جو عمارت کی صفت سے موصوف ہو لیکن اس میں سوائے تمہارے اور ہارون کے کوئی نہیں رہ سکتا۔ ہارون کے لڑکے شبر و شبیر بھی رہیں۔ اسی طرح سے مجھ پر وحی بھیجی گئی کہ ایک پاک مسجد بناؤں اور اس میں کوئی نہ رہے۔ سوائے میرے اور علی اور ان کے بیٹے حسن و حسین کے۔ میں مدینہ میں آیا اور ایک مسجد بنائی۔ مجھ کو مدینہ میں آنے اور مسجد بنانے میں ہرگز کوئی اختیار نہ تھا۔ میں وہی کام کرتا ہوں جو مولیٰ کراتے ہیں اور میں کچھ نہیں جانتا۔ مگر جو بات کہ وہ بتلاتے ہیں۔ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر باہر آیا قبائل انصار میرے سامنے آئے تاکہ ان کے پاس اتر کر سکونت اختیار کروں۔ میں ان کے کہنے پر نہیں اترتا۔ میں نے کہا کہ میری اونٹنی کا راستہ تنگ مت کرو وہ حکم کی گئی ہے جس جگہ بیٹھے گی میری قیام وہی ہوگی۔ خدا کی قسم میں نے نہ دروازوں کو بند

کیا ہے نہ کھولا ہے اور علی کو میں نہیں لایا ہوں ان کو خدا لایا ہے اس میں میں کیا کر سکتا ہوں۔

حق تو یہ ہے کہ ابی بکر کی حدیث بھی اپنی صحت کی وجہ سے واجب القبول ہے اور علی کی حدیث سے بھی کثرت طرق کے سبب انکار نہیں کر سکتے۔ پس دونوں قضیہ حق ہیں۔ اور توفیق کی وجہ وہ ہے جو مذکور ہوئی۔ چنانچہ شیخ ابن حجر نے علمائے حدیث سے نقل کیا ہے۔ و بالله التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقيق ۵

باب ہفتم

وہ تبدیلیاں اور اضافے جو آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ائمہ کرام، امراء اور سلاطین نے مسجد شریف میں فرمائے ان کے اوضاع اور احوال کا مختصر اور اجمالی ذکر

مسجد نبویؐ میں جو اضافے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں۔ ان میں پہلا اضافہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یا تو فرصت نہ ملی یا مصلحت کا تقاضا نہ تھا کہ مسجد نبویؐ میں کوئی تغیر کیا جائے بجز اس کے کہ بعض ستون گر پڑے تھے۔ آپ نے ان کی جگہ اسی قسم کے ستون کھجور کے تنوں سے لگا دئے۔ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اشارتاً رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملے میں اجازت پا چکے تھے اس لئے سائہ ہجری میں قبلہ و شام اور مغرب کی جانب اضافہ کیا اور مشرقی جانب کو چھوڑ دیا۔ اس طرف امہات المومنین کے حجرات ہیں اس صورت میں قبلہ کی طرف سے بجانب شام مسجد کا طول ایک سو چالیس گز اور اس کا عرض مشرق سے مغرب کی طرف ایک سو بیس گز ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ اگر میں حضرت رسالت مآب سے نہ سنتا جو مجھ سے فرمایا تھا کہ مسجد میں زیادتی کر۔ دنیا میں ہر گز نہ کرنا۔ اگرچہ لوگوں پر

جگہ تنگ ہو جاتی۔

عمر رضی اللہ عنہ کی تعمیر بھی از قسم تعمیر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھی یعنی کچی اینٹ، کھجور کی چھال اور خر مے کی لکڑیوں کے ستون تھے۔ نقل ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد کے نزدیک تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ مسجد مسلمانوں پر تنگ ہو گئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس میں وسعت کی جائے۔ مسجد کے ایک طرف تو امہات المومنین کے حجرے ہیں اور دوسری جانب آپ کا مکان ہے۔ امہات المومنین کے مکانات کو تو ہٹانے کی مجال نہیں۔ اب رہا آپ کا مکان تو اسے یا تو فروخت کر دیجئے اور جو قیمت آپ طلب کریں گے اسے بیت المال سے ادا کر دوں گا یا جو جگہ مدینہ میں آپ پسند کریں گے اس کے عوض میں آپ کو دلا دوں گا۔ یا اس کو مسلمانوں پر تصدق کیجئے۔ آپ کو چارنا چار ان تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینی چاہیئے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم تمہاری ان تینوں باتوں میں سے مجھے ایک بھی منظور نہیں۔ یہ مکان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے جدا کر دیا ہے اور اس کو پسند فرمایا ہے۔ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو اس معاملے میں حکم مقرر کیا انہوں نے ایک حدیث جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی حضرت عمرؓ کے سامنے پڑھی وہ حدیث یہ ہے :- ابی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا حق سبحانہ تعالیٰ نے داؤد علی نبینا وعلیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میرے لئے ایک مکان بناؤ کہ وہاں پر لوگ مجھے یاد کیا کریں۔ داؤد علیہ السلام نے حکم الہی سے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی ناگاہ ایک جانب سے عمارت کا خط کسی بنی اسرائیل کے مکان کے گوشے پر واقع ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے اس شخص سے کہا کہ تو اپنے مکان کو بیچ ڈال۔ بنی اسرائیل نے قبول نہیں کیا۔ حضرت داؤد مکان کی قیمت مقرر کرنے لگے۔ آپ جتنی قیمت زیادہ کرتے تھے صاحب خانہ اسے نہیں مانتا تھا۔ داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ اس مکان کو اس سے زبردستی لے لینا چاہیئے اسی وقت وحی آئی کہ اے داؤد میں نے تم کو ایک مکان بنانے کا حکم دیا ہے تاکہ لوگ اس میں میری عبادت کریں لیکن تم لوگوں کے مکان غصب کرتے ہو۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ میں تم کو اس مکان کے بنانے سے منع کرتا ہوں۔ داؤد علیہ السلام نے التماس کی کہ خداوند امیری اولاد میں سے کسی کو مقرر فرما جو اس مکان کو پورا کرے۔

چنانچہ سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے ان کے بعد اس مکان کو تعمیر کرایا۔ جب ابی بن کعب نے یہ حدیث پڑھی تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ اب میں کچھ نہ کہوں گا۔ اس کے بعد عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب میں اس مکان کو مسلمانوں کے لئے تصدق کرتا ہوں اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہما نے اس مکان کو مسجد میں داخل کر لیا۔

حضرت عباسؓ کے مکان سے متصل ایک دوسرا مکان جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس کا نصف حصہ ایک لاکھ درہم میں خرید کر مسجد شریف میں داخل کیا۔ اور اس مکان کا بقیہ نصف حصہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں داخل مسجد کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے شام کی جانب سے مشرق کی طرف مسجد کی کچھیت کے پاس مسجد حبہ یعنی صف تعمیر کرائی۔ اس کو بطحا بھی کہتے ہیں تاکہ اگر کوئی شخص اشعار پڑھنا چاہے یا بہ آواز بلند باتیں کرنا چاہے تو یہاں بیٹھے اور مسجد شریف میں کوئی شخص بلند آواز سے نہ تو باتیں کرے نہ شعر پڑھے۔ ایک دن مسجد میں دو آدمی بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کسی سے فرمایا کہ جاؤ دیکھو تو یہ کون لوگ ہیں۔ لوگوں نے واپس آکر عرض کیا کہ یہ طائف کے باشندے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ مسافر نہ ہوتے تو اپنے کیے کی سزا پاتے یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے اس میں آواز بلند کرنا جائز نہیں۔

سعید ابن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن عمر رضی اللہ عنہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ مسجد میں بیٹھے شعر پڑھ رہے تھے۔ آپ نے تیز نظر سے ان کی طرف دیکھا۔ حسان نے کہا آپ کیا دیکھتے ہیں۔ میں تو ان کی موجودگی میں بھی شعر پڑھتا تھا جو تم سے بہتر تھے۔ یعنی سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہاں ابو ہریرہ بھی موجود تھے۔ حسان نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم کو قسم ہے رب العزت کی۔ تم نے بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے اللھم اید حسانا بروح القدس ترجمہ :- (اے اللہ مدد دیجئے حسان کی بذریعہ جبریل کے) ابو ہریرہ نے کہا اللھم لغم ہاں البیہی فرماتے تھے جیسا کہ تم کہتے ہو۔

فائدہ :- مسجد میں جن اشعار کے پڑھنے کی ممانعت آئی ہے وہ جاہلیت اور جھوٹوں کے اشعار ہیں اور وہ اشعار جن میں دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہو ورنہ ترمذی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک

منبر حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رکھا تھا تا کہ اس پر کھڑے ہو کر کفار کی ہجو کریں اور فیصلہ کن بات۔ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الشعر کلام حسنہ حسنہ و قبیحہ قبیحہ ترجمہ (شعر ایک کلام ہے اس کے عمدہ مضامین اچھے ہیں اور بُرے مضامین بُرے ہیں)۔

دوسرا اضافہ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اضافہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اضافہ سے بہت زیادہ تھا۔ آپ نے اس کی دیواریں اور ستون منقش پتھروں سے بنوائے اور چھت سا کھو کی لکڑی سے تیار کرائی۔ اور تعمیر اول جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی تھی اور جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے اضافہ فرمایا تھا اس کو شہید کر دیا اور اس کے ستونوں کو لوہے اور دانگ سے مستحکم کیا۔ حضرت عثمان نے بیشتر اضافہ شام کی جانب فرمایا یہ حصہ مسجد کے شمالی جانب ہے یہ اضافہ قبلہ اور مغرب کی جانب بہت کم ہے۔ مشرقی جانب کو حجرات شریفین کے حرمت کی وجہ سے اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعمیر کی ابتدا ربیع الاول ۳۹ھ ہجری میں اور اس کی تکمیل پہلی محرم ۴۰ھ میں ہوئی۔ کام کرنے کی پوری مدت دس مہینے تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ کی تعمیر آپ کی خلافت کے اخیر سنہ میں ہوئی۔ آپ کا آخری سال خلافت ۴۰ھ ہجری ہے۔ قول اول زیادہ مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس معاملے میں تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے من بنی مسجد اللہ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة۔ ترجمہ۔ (جو شخص اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناتا ہے)۔ غالباً لوگوں کا اس امر میں تعاون سے انکار کر دینا تعمیر اول کے اہتمام اور پتھروں کو منقش کرنے کے خیال سے تھا۔ مسجد میں وسعت اور اضافہ کی وجہ سے لوگوں نے انکار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اضافہ فرمایا تھا۔ مسجد میں توسیع اور اضافہ کی اجازت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی مرحمت فرما چکے تھے۔ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس میری مسجد کو صنعاہ یمن تک بنادیا جائے تو بھی یہ میری ہی مسجد ہے گی۔ بیان کرتے ہیں کہ ۴۰ھ میں جب

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، مسند خلافت پر بیٹھے تو لوگوں نے مسجد کے تنگ ہونے کی شکایت کی۔ یہ تنگی جمعہ کے دن ہو جایا کرتی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس شکایت پر مشورۃً ان صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے جو اہل فتویٰ اور اصحاب رائے سمجھے جاتے تھے۔ مسجد نبوی میں توسیع اور اضافہ پر حیب سب نے اتفاق کر لیا تو آپ منبر پر تشریف لائے اور اس کے متعلق ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ حدیث نبویؐ اور حضرت عمرؓ کا فعل اور صحابہ کے اجماع کو استدلال میں پیش فرمایا۔ چنانچہ اس وقت تک لوگوں کے دلوں میں شبہ کا جو غبار بیٹھ گیا تھا وہ دور ہو گیا اس کے بعد آپ نے معازوں کو طلب فرمایا۔ اور مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ آپ بذات خود کام کرتے تھے۔ صیام دہر اور قیام لیل ہونے کے باوجود آپ مسجد سے باہر نہیں آتے تھے۔ ابن شیبہ کعب اخبار سے روایت کرتے ہیں کہ اس وقت جب عثمان رضی اللہ عنہ تعمیر کر رہے تھے کعب اخبار کہتے تھے کہ کاش یہ تعمیر لوری نہ ہو اگر اس کی ایک سمت بن چکے تو یہ دوسری طرف سے گر جائے لوگوں نے دریافت کیا اے اباسحق ایسا کیوں کہتے ہو کیا تم نے یہ حدیث نہیں روایت کی ہے کہ اس مسجد میں ایک نماز ان ہزار نمازوں سے افضل ہے جو دوسری مسجد میں پڑھی جائیں۔ مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں اب بھی اسی اعتقاد پر ہوں لیکن جب یہ عمارت تیار ہو جائے گی تو ایک فتنہ آسمان سے نازل ہوگا وہ فتنہ نازل ہونے کے لئے متعدد ہے اس فتنہ اور زمین میں ایک بالشت سے زائد فاصلہ نہیں ہے لیکن اس کا نزول اس عمارت کے تمام ہونے پر موقوف ہے۔ جس دن یہ عمارت تکمیل کو پہنچے گی تو وہ فتنہ آیا ہی سمجھو۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا فتنہ ہے۔ کہا کہ وہ فتنہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہو جانا۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ ان کا قتل کیا مثل قتل عمر ابن خطاب کے نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا بلکہ اس سے لاکھ درجہ زائد ہے۔ اس قتل کے بعد عدن سے لے کر روم تک قتل عام ہوگا اور ہم سلیم کرتے ہیں کہ کعب کا اشارہ ان باتوں کی طرف تھا جو اکثر لوگ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے اپنے دلوں میں رکھے ہوئے تھے پھر مسجد نبوی کی بنیاد کو شہید کرنا اور اس میں بغیر گزرا ان باتوں کے لئے اشتعال انگیز ثابوت ہوا اور وہ جماعت جو انتقام کی فکر میں رہتی تھی اس نے اپنے ارادہ کو مسجد نبوی کی تکمیل تک ملتوی کر رکھا تھا تا کہ اس کی فراغت کے بعد فتنہ کو برا بکھینچنے کریں اور اکثر لڑائیوں کا قوی سبب جو آخر زمانہ مروانیہ تک وجود میں آتی ہیں یہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل تھا۔ آپ کے قتل کے انتقام کا جذبہ ہی ان سب میں

کار فرما رہا ہے۔ واقعہ حرہ کے بیان میں اس کا کچھ اشارہ مل سکتا ہے واللہ اعلم۔

تیسرا الغیر۔ جو اس مسجد شریف میں ہوا یہ اضافہ ولید بن عبد الملک بن مروان نے کیا تھا اس سے پہلے خلفا یا امرا میں سے کسی نے بھی عمارت عثمانی میں دست اندازی نہیں کی تھی۔ اس وقت ولید کی جانب سے عمر بن عبد العزیز مدینہ منورہ کے عامل تھے۔ ولید نے ان کو لکھا کہ مسجد نبوی کے گرد اگر جس شخص کا بھی مکان ہو اس سے خرید لو۔ اگر کوئی بیچنے سے انکار کرے اس کے مکان کو گردا گرد اس کے عوض مال دے دو۔ اگر وہ عوض لینے سے بھی انکار کرے تو مکان لے لو اور اس کی قیمت کو فقرا میں تقسیم کر دو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حجرات بھی مسجد میں داخل کر لو۔

عمر بن عبد العزیز نے ولید کے حکم کے موافق عمل کیا اور حجروں کو منہدم کر کے مسجد میں داخل کر لیا۔ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جس دن ولید کا حکم آیا اور امہات المومنین کے حجرے منہدم کئے جانے لگے تو لوگ ایک عظیم مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس کو دیکھ کر رونا نہ ہو۔ سعید بن المسیب کہتے تھے۔ کاش رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کو بحال خود چھوڑ دیا جاتا تا کہ لوگ یہ دیکھتے کہ آنسورہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی میں کس طرح زندگی بسر کی ہے۔ ابن زبالہ لخصنے اہل علم سے روایت کرتے ہیں کہ جب ولید بن عبد الملک حج کے لئے آیا تو ارکان حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ بھی آیا۔ وہ ایک دن منبر پر خطبہ پڑھ رہا تھا کہ یکایک اس کی نظر حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کے جمال پر پڑی جو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے آئینہ ان کے ہاتھ میں تھا اس میں آپ اپنے جمال جہاں آرا کو دیکھ رہے تھے۔ ولید نے منبر سے اتر کر عمر بن عبد العزیز کو بلا کر ڈانٹا کہ ان کو ابھی تک کس لئے یہاں چھوڑ رکھا ہے انہیں تم نے باہر کیوں نہیں کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کو اس کے بعد بھی یہاں دیکھوں مکان کو ان سے خرید کر مسجد میں داخل کر لو۔

فاطمہ بنت حسین اور حسن بن حسن نیز ان کی اولاد رضی اللہ عنہم گھر میں موجود تھے۔ انہوں نے باہر آنے سے انکار کیا ولید نے حکم دیا کہ اگر یہ لوگ باہر نہ نکلیں تو مکان کو ان ہی پر گردا دو۔ اور مکان کا اسباب ان کی رضامندی کے بغیر ہی باہر پھینک دو مکان کو ویران کر دو۔ یہ حضرات مجبوراً باہر نکلے اور روز روشن میں اہل بیت کی پردہ نشین مدینہ منورہ سے باہر چلی

گیئیں ایک مکان اپنی سکونت کے لئے اختیار کیا۔ بعض روایتوں میں یہ واقعہ ولید کی آمد سے پہلے کا ہے۔ جو ولید کے حکم سابق کی وجہ سے عمر بن عبد العزیز سے واقع ہوا تھا۔ عمر بن عبد العزیز سات ہزار دینار مکان کی قیمت میں ان کو دیتے تھے۔ حسن ابن حسن رضی اللہ عنہما نے قسم کھائی کہ ہم قیمت نہیں لیں گے۔ عمر بن عبد العزیز نے یہ واقعہ ولید کو لکھا کہ وہ قیمت لینے سے انکار کرتے ہیں۔ اس نے حکم بھیجا کہ اگر قیمت نہیں لیتے تو نہ لیں۔ بہتر ہے تم مکان کو لے لو اور ان کو باہر کر دو۔ مکان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دو۔

ایسا ہی جھگڑا حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے سلسلے میں پیش آیا۔ حضرت حفصہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور یہ حجرہ ان کی اولاد کے قبضہ میں تھا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس مکان سے ہرگز نہ نکلیں گے اور رسول خدا کے مکان کی قیمت نہ لیں گے۔ اس زمانے میں حجاج بن یوسف مدینہ ہی میں تھا اس نے حکم دیا کہ مکان کو ان کے اوپر کرادو۔ لیکن جب یہ مقدمہ ولید کے پاس پہنچا تو اس نے عمر بن عبد العزیز کو لکھا کہ عمر بن خطاب کی اولاد کے راضی کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے۔ مکان کی قیمت دو اگر وہ نہ لیں تو ان کا اکرا کر دو اور مکان کا ایک ٹکڑا ان کے لئے چھوڑ دو اور اس میں ایک دروازہ بھی جانب مسجد چھوڑ دو۔ ولید کے زمانہ میں مسجد کا طول دو سو گز اور چوڑائی ایک سو ستر سٹھ گز تھی۔ اس نے عمارت کے بنانے میں انتہائی تکلف سے کام کیا۔ چھت، دیوار اور ستون سب کے سب منقش، سنہرے اور روپے بنائے ولید نے قیصر روم کو لکھا تو اس نے اپنے شہر کے چالیس استاد فن چلیں قبطی، اسی ہزار دینار اور چاندی کی زنجیریں اور قندیلیں روانہ کر دیں۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ چالیس ہزار مثقال سونا اور طرح طرح کا روپہلی سامان بھی اس کے ساتھ پیش کیا تھا۔ محراب کی جو علامت اس وقت مسجدوں میں رائج ہے اسی کی ایجاد ہے یہ اس سے پہلے نہ تھی بیان کیا جاتا ہے کہ رومی معمار نے یہ چاہا تھا کہ حجرہ شریف میں پشیا ب کرے۔ وہ یہ مذموم ارادہ کرتے ہی زمین پر گر پڑا اور اس کا سر پاش پاش ہو گیا۔ ان معماروں میں سے بعضوں نے اس کی حالت دیکھ کر اسلام قبول کر لیا انہیں معماروں میں سے کسی شخص نے مسجد میں قبلہ رخ دیوار پر خنزیر کی صورت بنادی۔ عمر بن عبد العزیز نے حکم دیا کہ اس کی گردن مار دو۔ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص کسی رخت کا لٹہ بہتر کھینچتا اس کو مزدوری سے تیس درہم زائد انعام کے طور پر دیئے جاتے تھے۔ ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ جب ولید مدینہ میں آیا مسجد کی

تعمیر پوری ہو چکی تھی ایک روز مسجد کی عمارت دیکھنے کے لئے ٹہل رہا تھا جب اس کی نظر مسجد کے حجرے کی چھت پر پڑی تو بہت تعریف کی اور کہا کہ تمام مسجد کی چھت ایسی ہی کیوں نہ بنائی گئی۔ عمر نے کہا کہ اس کے لئے بہت خرچ چاہیے تھا تب ایسی بنتی۔ ولید نے کہا کیا ہوا جو کچھ چاہیے تھا خرچ کرتے۔ عمر نے کہا اے امیر المومنین آپ کو کچھ خبر ہے کہ محض قبلہ کی دیوار پر کس قدر خرچ ہوا ہے پینتالیس ہزار دینار تو صرف اس کے نقش و نگار کا خرچ ہے۔ ولید نے جب یہ بات سنی تو پشیمان ہوا اور کہنے لگا کہ اس قدر خرچ کس واسطے کیا۔ شاید یہ خزانہ تم نے اپنے باپ کا سمجھ رکھا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ ولید جب یہ مسجد دیکھ رہا تھا تو عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے بھی کوئی وہاں موجود تھا ولید نے اس سے کہا کہ دیکھو تمہارے باپ کی عمارت کیا تھی اور ہماری عمارت کیسی ہے انہوں نے کہا کہ ہاں میرے باپ کی عمارت تو مسجدوں کی سی تھی اور تمہاری عمارت گرجوں کی سی ہے۔

ولید کی تعمیر کی ابتدا ۱۱۰ھ ہجری میں اور انتہا ۱۱۹ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ تین سال تک تعمیر کا کام جاری رہا۔ اس عمارت میں مسجد کے چاروں کونوں پر چار منارے تھے۔ لیکن اس کے بعد جب سلیمان بن عبد الملک حج کو آیا تو جو منارہ باب السلام کے پاس تھا اس جگہ مروان کا گھر تھا۔ مروان کے مکان کے آنگن میں اس کا سایہ پڑتا تھا حکم دیا کہ اس منارہ کو گرا دیا جائے۔ سہمنودی کے ظاہری کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر سے پہلے منارہ کا دستور نہ تھا واللہ اعلم۔ اسی کے زمانے میں مسجد نبویؐ میں جنازہ کی ادائیگی ممنوع قرار پائی۔ جو کھٹی توسیع مہدی کی طرف سے ہوئی۔ یہ خلفائے عباسیہ میں سے ہیں۔ مہدی عباسی سے پہلے کسی شخص نے بھی ولید کی عمارت پر توسیع نہیں کی تھی۔ مہدی نے یہ توسیع ۱۶۱ھ ہجری میں کی۔ فقط دس مستون مسجد میں بجانب شام بنوا دیئے اور اس نئے تکلف کا وہی طریقہ برقرار رکھا۔ جو ولید کی عمارت میں پہلے سے موجود تھا۔ مہدی عباسی کے بعد کسی شخص نے توسیع نہیں کی ہے لیکن بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ ۲۰۰ھ ہجری میں خلیفہ مامون الرشید نے مہدی کی عمارت میں توسیع کی تھی۔ واللہ اعلم۔

فصل اُس حجرہ شریفہ کا بیان جو قبور شریف کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا حجرہ ہے۔ یہ بھی تمام حجرات مصطفویہ کی طرح کچھوڑ کی چھال سے تعمیر ہوا تھا۔ جب حکم الہی کے بموجب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن یہی حجرہ

شرف قرار پایا تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اسی حجرہ میں قیام فرماتھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور قبر شریف کے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔ قبر شریف کے پاس جب لوگ کثرت سے آنے جانے لگے اور یہاں کی خاک بھی بطور تبرک لے جانے لگے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مکان کے دو حصے کر دیئے۔ اور اپنی سکونت اور قبر شریف کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی۔ جب تک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قبر اس حجرہ شریف میں نہیں بنی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کبھی کبھی جس طرح بھی ممکن ہوتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کی قبر پر آتی رہتی تھیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں پر دفن ہو گئے تو آنے میں پردہ کا خیال فرمانے لگیں۔ جب تک کامل پردہ اور پورا لباس نہ استعمال کرتیں قبروں پر نہیں آیا کرتی تھیں۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسجد میں اضافہ کیا تھا تو اس حجرہ کو کچی اینٹ سے تعمیر کر دیا تھا۔ ولید کی تعمیر کے زمانے تک یہ حجرہ برقرار رہا۔ عمر بن عبدالعزیز نے ولید ابن عبدالملک کے حکم سے اس کو منہدم کر کے منقش پتھروں سے تیار کیا۔ اس کی پشت پر ایک دوسرا احاطہ بنوا دیا اور ان دونوں عمارتوں میں سے کسی میں کوئی دروازہ نہیں چھوڑا۔ بعضوں نے یہ کہا ہے کہ شام کی جانب ایک بند دروازہ ہے لیکن تحقیق یہی ہے کہ پہلا قول صحیح ہے عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ اگر حجرہ شریف کو اس کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے اور اس کے گرد ایک عمارت تیار کی جائے تو زیادہ اچھا ہو۔ عمر نے کہا کہ مجھے امیر المومنین نے جیسا حکم دیا ہے اس کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ محمد ابن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ حجرہ کی بنیاد کھودتے وقت ایک پر نظر آیا۔ تحقیق حال کے بعد معلوم ہوا کہ وہ پاؤں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو تنگی مکان کی وجہ سے حجرہ کی بنیاد میں تھا اس لئے قبور شریفہ کے بننے میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے پاس ہے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سینہ کے مقابل ہے جس کی صورت

یہ ہے۔

قبر شریف سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

قبر شریف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

قبر شریف عمر فاروق رضی اللہ عنہ

اس صورت میں اگر عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں حجرہ کی دیوار میں ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔ عمر ابن عبد العزیز کی تعمیر کے بعد سے آج تک ان قبور کے حجرہ میں آنا ممکن ہو گیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ پانچ سو اڑتالیس ہجری میں حجرہ شریف کے اندر ایک آواز دھماکے کی سنی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عمارت میں سے کچھ گر رہا ہے۔ حجرہ میں ایک ایسے شخص کو بھیجا تجویز کیا گیا جو مشائخ صوفیہ میں تھے اور طہارت، صفائی، مجاہدہ اور ریاضت جیسی صفات سے موصوف تھے۔ انہوں نے مزید صفائی اور پاکی کے لئے چند روز تک غذا نہیں استعمال کی اس کے بعد اپنے کورسی میں باندھ کر کھڑکی کی راہ سے (جو چھت میں ایک طرف تھی) نیچے لٹکایا۔ غالباً کچھ مٹی چھت سے گری ہوئی تھی اس کو دور کیا اور اپنی ڈاڑھی کو جھاڑو بنا کر آستانہ کی صفائی کی۔ اسی تاریخ مذکورہ کے قریب ہی قریب کسی ایسی ہی دوسری مصلحت سے جو اس مقام شریف کی صفائی سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک اور شخص کو جو حجرہ شریف کی خدمت پر مامور تھے۔ عمارت کے متولی کے ساتھ نیچے اتار کر اس مکان مقدس کی صفائی کرائی اور ۵۵۵ھ ہجری میں جمال الدین صفہانی جو صاحب کمال لوگوں میں سے ہیں وہیں دفن کئے گئے۔ مدنیہ منورہ میں جمال الدین کی نیکیاں اور سہلائییاں زمانے کے اوراق پر لکھی ہوئی ہیں اور ان کے اوصاف اور مناقب کا ذکر مسجد شریف کے خطیبوں کی زبان پر رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جو شرقی کھڑکی ہے اور جس کو اس زمانے میں باب جبریل کہتے ہیں اس کے مغرب میں رباط خورد ہے اور یہ رباط عجم کے نام سے مشہور ہے۔ جمال الدین یہیں دفن کئے گئے ہیں انہوں نے حجرہ شریف کے گرد ایک جالی صندوق کی کھینچی تھی انہیں آیام میں ابن ابی الہیجا نے سرخ ریشمی نقوش سے منقش سفید دیبا اس حجرہ شریف پر لٹکانے کی غرض سے بھیجا۔ اس دیبا پر سورہ یسین لکھی ہوئی تھی۔ ابن ابی الہیجا شاہان مصر کے وزیروں میں سے تھے اور ان کا نام بعض مساجد اورہ میں جو مسجد فتح کی سمت میں لکھا ہوا ہے۔ مذکورہ منقش دیبا خلیفہ مستنصری باللہ سے اجازت حاصل کر کے لٹکایا گیا تھا۔ اس کے بعد ہر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے وقت اس پردہ کا بھیجا اپنے فرائض اور دستور میں شامل کر لیا۔ سلاطین روم کا اب تک یہی قاعدہ ہے کہ ہدیتہ ایک پردہ بھیج دیتے ہیں۔

۵۵۵ھ ہجری میں قلاؤن صالحي نے تانبے کی جالیوں کے ساتھ قبہ خضر بنو ایبا جو خطرہ شریف کے اوپر مسجد کی چھت سے بلند ہے اور اب تک اسی طرح سے موجود ہے۔ اس سے

پیشتر قبر کی بلندی مسجد کی چھت سے آدمی کے نصف قد سے زائد نہ تھی۔ یہ مسجد شریف جو اس وقت دستلہ موجود ہے وہ قایتیبادشاہ مصر کی تعمیر سے ہے۔ یہ سلسلہ ہجری میں آیا تھا دستلہ سے یہ مراد ہے کہ اس سن ہجری میں یہ اوراق تحریر کئے ہیں (یہ خادم حرین شریفین بادشاہ ملوک شرکیہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس وقت میں نہایت سعادت مند تھا۔ اس کی بڑائی اور عظمت کا اظہار رباط کی تعمیر و ظائف کا تعین اور حرین شریفین کے لئے اوقات کے قیام سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ قایتیبا نے ارکان حج ادا کرنے کے وقت تمام سلاطین وقت سے امتیاز حاصل کر لیا تھا۔ اس لئے روضہ شریف کے فرش کو بطور تبرک اس کی قدیم حالت پر چھوڑ دیا تھا اس لئے کہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک اس پر پڑ چکے تھے اس لئے پتھر کا فرش لگانا اچھا نہ سمجھا۔ قایتیبا کی سلطنت کی بنیاد سلاطین روم کے ہاتھ سے منقطع ہو گئی۔ اس کے بعد سلطان سلیمان رومی نے دسویں صدی کے وسط میں روضہ متبرکہ میں سنگ مرمر کا فرش لگایا۔ جو تا حال موجود ہے اور بعضی دوسری تعمیریں بھی کیں۔ جیسے دیوار روضہ اقدس، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعمیر پر کچھ اضافہ اور جائے تہجد کی تعمیر وغیرہ۔ یہ سب سلطان سلیمان مذکور کی یادگار ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ جملہ نادر امور اور حوادث عجائبہ جو در حقیقت سید کائنات صلی اللہ

علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہیں۔

حجرہ شریف میں سرنگ لگانے کا واقعہ ۵۵۰ھ ہجری میں واقع ہوا۔ بیان کرتے ہیں کہ سلطان نور الدین محمود شہید بن عماد الدین زنگی (جس کا وزیر جمال الدین مذکور تھا) نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں تین بار خواب میں دیکھا کہ آپ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ جلد آؤ اور یہ دو آدمی جو کھڑے ہیں مجھے ان کے شر سے بچاؤ۔ نور الدین نے اپنی دانائی سے تاڑ لیا کہ کوئی عجیب و غریب امر مدینہ منورہ میں واقع ہوا ہے اس کے لئے مدینہ منورہ ضرور پہنچ جانا چاہیئے۔ سلطان مذکور اسی وقت اخیرات میں تیز رفتار ساندینوں پر اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اپنے ساتھ کثیر مال بھی ساتھ لے گیا۔ سولہ دن تک لگاتار سفر کرنے کے بعد شام کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے۔ اور فوراً ان دونوں ملعونوں کی حاضری اور شناخت کرنے کی سبیل پیدا کی۔ نور الدین نے اعلان کیا کہ مدینہ کا ہر باشندہ حاضر ہوا اور سلطانی سخاوت

میں سے اپنا حصہ حاصل کر لے۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد ہر شخص باری باری سلطان سے ملتا وہ اس کو مالا مال کر کے رخصت کر دیتا۔ مگر ان لوگوں میں وہ دونوں شکلیں نہ دکھلائی دیں جو خواب میں دکھلائی تھیں۔ نور الدین نے کہا کہ اہل شہر میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو حاضر نہ ہوا ہو لوگوں نے عرض کیا کہ اہل مدینہ میں کوئی شخص باقی نہیں رہا۔ لیکن دو عابد زائد جو مغرب کے رہنے والے ہیں باقی رہ گئے ہیں۔ یہ دونوں شب دروز عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور کسی سے بات چیت تک نہیں کرتے۔ اور اس کے سارے سامان سے ان کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی وجہ سے یہ دونوں حاضر نہ ہو سکے۔ نور الدین نے حکم دیا کہ ان دونوں کو بھی لایا جائے۔ جب وہ دونوں سامنے آئے تو بادشاہ نے پہلی ہی نظر میں انہیں پہچان لیا کہ یہی وہ ہیں جن کی طرف خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا۔ نور الدین نے دریافت کیا کہ تم لوگ کہاں مقیم ہو۔

انہوں نے جواب دیا کہ حجرہ شریف کے مغربی جانب اس وقت یہ مکان کھنڈر پر ہوا ہے، رہتے ہیں اس مکان سے ایک کھڑکی مسجد کی دیوار میں چھٹی ہوئی ہے۔ سلطان نے یہ معلوم کر کے ان کو تو وہیں چھوڑا اور خود اس مکان میں پہنچ گیا جس میں یہ دونوں مقیم تھے۔ دیکھا کہ ایک طاق میں دو کلام مجید اور وعظ کی چند کتا ہیں رکھی ہوئی ہیں۔ ایک طرف غربا اور مساکین کے واسطے کچھ غلہ رکھا تھا ان کے سونے کی جگہ ایک چٹائی پڑی ہوئی تھی۔ سلطان شہید نے چٹائی کو اٹھایا تو وہاں سے ایک گہرا گڑھا برآمد ہوا جو خواب گاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھدا ہوا تھا۔ اس کے ایک گوشہ میں ایک کنواں دیکھا جس میں گڑھے کی مٹی ڈالی جاتی تھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ چمڑے کے تھیلے رکھے پائے۔ رات میں مٹی اس میں بھر کر بقیع کے اطراف میں لے جا کر ڈالتے تھے۔ ان کو ڈرا دھمکا کر اس حرکت کا سبب دریافت کیا تو ان کو ظاہر کرنا پڑا کہ ہم عیسائی ہیں اور نصاریٰ نے ہم کو معسرتی حاجیوں کے لباس میں زبردستی دے کر اس لئے بھیجا تھا کہ ہم کسی حیلہ سے حجرہ شریف میں داخل ہو کر حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ گستاخی کریں جس رات میں یہ لقب قبر شریف کے قریب پہنچنے والی تھی کثرت سے ابر آیا۔ بارش ہونے لگی اور گرج و چمک نے وہ زور باندھا کہ زلزلہ عظیم پیدا ہو گیا۔ اسی رات کی صبح کو سلطان نور الدین پہنچ گئے۔

ان باتوں کے سننے سے سلطان کی آتش غضب برا بگھڑنے ہو گئی ساتھ ہی رقت بھی طاری ہو گئی وہ بہت رویا اور بالآخر حجرہ شریف کی جالی کے نیچے ان دونوں ناپاکوں کی گردن مار دی گئی اور دن کے آخری حصے میں ان کی نامبارک لاش کو جلا کر خاک کر دیا گیا اس کے بعد حجرہ کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی نکل آیا پھر سیسہ بگھلا کر اس خندق میں بھر دیا تاکہ کسی مفسد ملعون کے لئے قبر شریف تک پہنچنا دشوار ہو جائے۔ ایک دوسری روایت میں ایک یہ واقعہ لکھا ہے جس کو ابن النجار نے تاریخ بغداد میں بیان کیا ہے کہ بعضے زندیق جو امرار علیہ یہ سے تعلق رکھتے تھے یہی لوگ مصر کے حاکم تھے اور حرمین شریفین کی ولایت بھی انہیں کے قبضہ تصرف میں تھی۔ تاریخ دانوں پر ان بد بختوں کی حالت واضح ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے اجسام مبارک مصر میں منتقل کر لئے جائیں تو ساکنان مصر کے لئے ایک بڑی منقبت حاصل ہو جائے۔ اور تمام دنیا کی مخلوق زیارت کے لئے اس ملک میں آنے لگے۔ حاکم مصر نے اس خیال محال کے پیش نظر ایک عظیم الشان عمارت اور اس کا شاندار احاطہ تعمیر کرایا۔ اس کے بعد اپنے ایک معتمد کو جس کو ابو الفتح کہتے تھے قبور شریف سے تینوں اجسام پاک کو نکال لانے کے لئے مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ اس شہر مبارک کے اکابرین اور باشندے ابو الفتح کی آمد اور اس آمد کے مقصد سے پہلے ہی واقف ہو چکے تھے۔ پہلی ہی مجلس میں جب اس کو دیکھا تو ایک فارسی نے اس آیت کریمہ کی تلاوت شروع کر دی۔ **وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ فَعَدَلُوا** عہدہم و قطعوا فی دینکم فقاتلوا ائمتہ الکفر الہم لا ایمان لہم لعلہم ینتہون ۵ **إِلَّا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ** انکنتم مؤمنین۔ ترجمہ (اگر وہ لوگ اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں بعد عہد کر لینے کے اور طعنہ ماریں تمہارے دین میں تو قتل کر دو کفر کے سرداروں کو بے شک ان کی قسم نہیں باقی رہی تاکہ وہ باز رہیں کیوں نہیں مقابلہ کرتے ہو تم اس قوم سے کہ جنہوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا رسول کے نکالنے کا اگر ہو تم ایمان والے۔ آیت کریمہ) کچھ ایسی عظمت اور پُر شکوہ انداز میں پڑھی کہ لوگوں میں ایک حرکت و ہيجان پیدا ہو گیا حاضرین مجلس نے ارادہ کیا کہ ابو الفتح کو اسی وقت قتل کر دیں لیکن چونکہ اس شہر کی حکومت انہیں بد بختوں کے ہاتھ میں تھی اس لئے قتل میں جلدی نہ کی۔ ابو الفتح بھی خوفزدہ ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم اگر اس کام میں میرا سر بھی چلا جائے تو بھی میں راضی نہیں ہوں گا اور اپنا ہاتھ قبر شریف کی طرف کبھی

بھی دروازہ نہ کر دیا گا۔

اسی رات میں اتنی زبردست آندھی آئی جس سے ایسا محسوس ہونے لگا کہ کرۂ زمین اس کی شدت اور زور کے ہاتھوں ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جائے گا۔ اونٹ اپنے پالانوں سمیت اور گھوڑے اپنی زمین کے ساتھ گیند کی طرح ڈھلکتے تھے ابو الفتح نے جب یہ حالت دیکھی تو اس پر عبرت اور خوف کی کیفیت طاری ہو گئی۔ دل سے حاکم کا خوف جاننا ہوا وہ اپنے خیال خام سے قطعی طور پر باز رہا اور سلامتی اور صدق نیت کے ساتھ واپس چلا گیا۔ انہی عجیب و غریب واقعات میں واقعہ خسف بھی ہے جو بعض بے دینوں کا واقعہ ہے۔

ریاض نصرہ میں محب طبری بیان کرتے ہیں کہ حلب کے رافضیوں کی ایک جماعت مدینہ منورہ کے امیر کے پاس آئی۔ یہ جماعت اپنے ساتھ بہت سا قیمتی سامان اور تحائف نادرہ بھی لائی تھی۔ اس نے یہ چیزیں مدینہ کے امیر کی خدمت میں پیش کر دیں اور اس کے صلے میں امیر سے یہ طے کیا کہ حجرہ شریفہ میں ایک طرف سے ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے جسموں کو نکال لے جائیں۔ مدینہ کے امیر نے اپنی مذہبی بے حسی اور حب دنیا کی وجہ سے اس بات کو قبول کر لیا۔ اور انہیں اس بات کی اجازت دے دی۔ امیر مدینہ نے حرم شریف کے ارکان کو حکم دیا کہ جب یہ جماعت آئے تو ان کے لئے حرم کا دروازہ کھول دینا اور اس میں یہ لوگ جو کام کرنا چاہیں مت منع کرنا دربان کا بیان ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور سب دروازے بند ہو گئے تو چالیس آدمی پھاوڑے، کدال، شمع اور گرانے اور کھودنے کے اوزار لے کر آگئے۔ یہ لوگ باب السلام کے دروازے پر آکر کھڑے ہو گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا میں نے امیر کے حکم کی وجہ سے دروازہ کھول دیا۔ اور ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں روتا تھا اور دل میں سوچتا تھا کہ کب قیامت قائم ہوگی۔ لیکن سبحان اللہ ابھی یہ لوگ منبر شریف کے مقابل بھی نہیں پہنچے تھے کہ ان سب کو ان کے اسباب و آلات سمیت (جوان کے ساتھ تھا) اس ستون کے نزدیک جو توسیع عثمان کے قریب ہے زمین نے نگل لیا۔ امیر مدینہ ان کی واپسی کا منتظر تھا اور اس تاخیر کا سبب سوچ رہا تھا اس نے مجھ کو بلایا۔ اور پوچھا کہ جماعت کا کیا حال ہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا صاف صاف بیان کر دیا کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے امیر نے کہا کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ سوچ سمجھ کر بات کہہ۔ میں نے جواب دیا کہ آپ خود تشریف لے چلیں اور دیکھ لیں کہ خسف کا اثر اور بعض کپڑے جو قریب ہی اوپر تھے باقی ہیں۔ طبری

اس قصہ کی نسبت اُن ثقہ لوگوں کی طرف کرتے ہیں جو سچائی اور دیانت میں مشہور ہیں مدینہ منورہ کے بعض مورخین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ تاریخ سمود کی میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے واللہ اعلم۔

باب ششم

مسجد شریف کے فضائل، روضہ مبارک کی خصوصیات اور منبرِ عالی مرتبت کے اوصاف کا بیان

مجلہ فضائل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں ہے قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيهَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ ترجمہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز بہتر ہے ہزار نفل سے جو اس کے سوائے اور مسجدیں ہیں سوائے مسجد حرام کے) اس حدیث کو مسلم نے بھی تھوڑے سے اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے فَاثْنَا خَرَأَ النَّبِيَاءُ وَمَسْجِدِي خَرَأَ الْمَسَاجِدُ ترجمہ :- (میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد) مدینہ منورہ کی مسجد میں ایک نماز کی فضیلت دوسرے انبیاء کی مساجد کی ہزار نماز کے برابر ہے ان میں مسجد اقصیٰ بھی شامل ہے جو سلیمان علیہ السلام کی مسجد ہے۔ مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے جو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کی ہے۔ چنانچہ دوسری حدیثوں میں یہی مضمون بالیقین آیا ہے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں ثقہ لوگوں سے نقل کیا ہے کہ ایک بار ارقم آنحضرتؐ کے پاس گئے اور آنحضرتؐ سے بیت المقدس جانے کی اجازت طلب کی آپ نے دریافت فرمایا کہ کیوں جاتے ہو کیا تجارت کا قصد ہے؟ ارقم نے عرض کیا نہیں۔ میں وہاں محض اس لئے جانا چاہتا ہوں کہ وہاں نماز ادا کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد کی ایک نماز وہاں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے اور بعض حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ بیت المقدس میں ایک نماز دوسری مسجد کی ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ مدینہ کی مسجد میں ایک نفل نماز دوسری مسجدوں کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے

لیکن اس میں مسجد حرام کا اشتقاق ہے الا لمسجد الحرام۔ اس میں دو احتمال موجود ہیں یا تو کہ اور مدینہ کی مسجد میں مساوات ہے یا مکہ کی مسجد میں فضیلت کی زیادتی ہے مدینہ کی مسجد پر لیکن بعض علماء نے مساوات کو ترجیح دی ہے۔ امام مالکؒ اور ان کے متبعین کی ایک جماعت نے دوسری بات کو ترجیح دی ہے وہ کہتے ہیں کہ مدینہ کی مسجد میں نماز تمام مسجدوں کی نماز سے ہزار درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور مکہ کی مسجد میں ہزار سے کم فضیلت رکھتی ہے بعض مالکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ فضیلت ہزار کی نہیں سو کی ہے اور بعضوں نے نو سو کا ذکر کیا ہے لیکن ہر ایک نے اس مسئلہ کو احادیث سے مستنبط کیا ہے۔ جمہور علماء بھی اسی طرف گئے ہیں کہ ثواب کی زیادتی میں مدینہ منورہ کی مسجد پر مسجد حرام کی فضیلت سو درجہ زیادہ ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ مسجد حرام کو مدینہ منورہ پر فضیلت حاصل ہونے کی احادیث وارد ہیں لیکن مدینہ منورہ کی مسجد کو دنیا کی دوسری تمام مساجد پر ایک ہزار درجہ فضیلت حاصل ہے مگر مکہ کی مسجد کو تمام مساجد پر ایک لاکھ درجہ فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ایک حدیث میں بالتشریح ہے الصلوٰۃ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلوٰۃ والصلوٰۃ فی مسجدی بالف صلوٰۃ والصلوٰۃ فی بیت المقدس بنحسمائۃ صلوٰۃ ترجمہ:- مسجد حرام کی نماز فضیلت رکھتی ہے لاکھ نمازوں کی اور میری مسجد میں نماز ہزار نماز کی فضیلت رکھتی ہے اور بیت المقدس میں نماز پڑھنا پانچ سو نماز کی فضیلت رکھتی ہے) احادیث کی چھان بین سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسجدوں کو بعض مسجدوں پر فضیلت دینے میں جو تعداد بیان کی گئی ہے اس میں کمی بیشی کے اعتبار سے اختلاف ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کمی بیشی اوقات مختلفہ میں وحیِ سماوی کے نزول اور مساجد کے خفائق منکشف ہونے کی وجہ سے ہو حالانکہ کم تعداد کا ہونا زائد کے صحیح ہونے پر کوئی تعرض نہیں رکھتا ہے واللہ ورسولہ اعلم۔

مدینہ منورہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے اشارتاً کہا گیا ہے کہ نتائج کا اظہار تعداد کی کثرت اور مقدار کی زیادتی پر منحصر کیا گیا ہے لیکن ثواب کی حقیقی عظمت اور کیفیت ذاتی کی قوت پروردگار عالم کی قبولیت کے اعتبار سے ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ پروردگار عالم کے نزدیک کم تعداد کو زائد پر فضیلت حاصل ہو۔ چنانچہ یہ نکتہ اس جگہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہاں پر جو بات ضروری اور بیان کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ زیادتی فضیلت مذکور آیا مسجد نبوی کی ان حدود سے مخصوص ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھیں اور

ان توسیعات سے پہلے کی حدود پر ہیں جو حضور کے بعض خلفاء و امرا کی تعمیر اور اضافے سے پہلے تھیں یا عام ہے کہ کل توسیعات اور اضافوں پر فضیلت رکھی گئی ہے۔ مذہب مختار جو احادیث اور عمل سلف کے موافق ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے کہ وہ کامل مسجد نبوی ہی ہے مع تمام اضافوں کے حدیث میں آیا ہے کہ لومد هذا المسجد الى كان مسجدی ترجمہ (اگر یہ مسجد بڑھا دی جائے صفات تک تو میری ہی مسجد ہے) اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے (لومد مسجد رسول اللہ الى ذالصلیفة كان منه) ترجمہ (اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ذی الحلیفہ تک بڑھا دی جائے تو مسجد ہی ہے) نیز عثمان و عمر رضی اللہ عنہما کا نماز کی حالت میں محراب کے اندر کھڑا ہونا جو اس کے اضافوں میں سے ہے۔ زیادتی ثواب کے معاملہ میں اصل مسجد کے ساتھ اس کے مساوات پر ایک فیصلہ کن دلیل ہے۔ ورنہ ان حضرات کا ایسی فضیلت کو ترک کرنا خیال میں بھی نہیں آتا۔ اگرچہ حضور کی جائے قیام کو دوسرے تمام مقامات پر افضلیت باقی ہے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ سلف سے خلف تک کسی شخص کو اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا مقصد مخالفت کی نفی میں تاکید اور مبالغہ ہے ورنہ کوئی شک نہیں ہے کہ بعض علماء انفرادی حیثیت سے اصل مسجد کے احکام کی خصوصیت کے قائل ہوئے ہیں۔ امام نووی کی بعض کتب میں اس مسئلہ پر اختلاف موجود ہے اگرچہ محب طبری نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے اس قول سے ہی رجوع کیا ہے (یہی اچھا ہے)۔

فائدہ ۵۔ اکثر علماء کے نزدیک زیادتی مذکور میں فرض اور نفل برابر ہیں لیکن بعض علماء حنیفہ اور اکثر مالکیہ اس حکم کو فرض ہی کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور اس کے جواز میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ ترجمہ (مرد کی افضل نماز اپنے گھر میں ہے سوائے فرض کے) لیکن وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ فضیلت۔ زیادتی رکعت کے بغیر ہوگی اور اس کے باوجود مکہ اور مدینہ کے گھروں میں ادا کی جانے والی نفل نماز اس نماز سے زیادہ ہوگی۔ جو دوسرے شہروں کے گھروں میں ادا کی جائیں۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے بیان کیا ہے اور جس طرح ان مقامات شریفہ کی نماز کو ثواب کے معاملے میں زیادتی اور افضلیت حاصل ہے اسی طرح سے تمام نیک کاموں اور بقیہ عبادتوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ بیہقی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصلوٰۃ

فی مسجدی هذا افضل من الف صلوة فيما سوا الا المسجد الحرام والجمعة
فی مسجدی هذا افضل من الف جمعة فيما سوا الا المسجد الحرام وشهر
رمضان فی مسجدی هذا افضل من الف شهر رمضان فيما سوا الا المسجد
الحرام۔ ترجمہ :- نماز میری اس مسجد میں افضل ہے ہزار نمازوں سے جو دوسری مسجد
میں ہوں سوائے مسجد حرام کے اور جمعہ میرا اس مسجد میں افضل ہے ہزار جمعوں سے جو دوسری
مسجد میں ہوں سوائے مسجد حرام کے اور رمضان کا مہینہ میری اس مسجد میں افضل ہے ہزار
مہینے کے رمضان سے جو دوسری مسجد میں ہو۔ سوائے مسجد حرام کے (یہاں پر یہ بہت ہی واضح
اور ظاہر ہے جس کے بیان کی حاجت نہیں کہ مذکورہ اعمال کی فضیلت بہ حیثیت ثواب کے
ہے نہ کہ بحیثیت ساقط کرنے تکلیف شرعی کے تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ایک دن کی نماز
پڑھ لو جو ایک ہزار نماز بلکہ ایک لاکھ نماز سے کفایت کرتی ہے۔ علماء میں سے ایک شخص نے
کہا ہے کہ میں نے مسجد حرام کی ایک نماز کا حساب جوڑا تو پچپن برس چھ مہینے میں دن کے برابر
نکلا۔ اس بات کے قطع نظر کہ تین مسجدوں کے سوا ہر مسجد میں اگر ایک نیکی کرو تو دس لکھی جائیں
گی۔ جماعت اور مسواک کی فضیلت کے ساتھ ہی اور باتیں بھی اس درجہ فضیلت کو پہنچتی
ہیں جن کا شمار کرنا بہت دشوار ہے۔ منجملہ اس کے ایک اور حدیث ہے کہ احمد اور طبرانی
ثقة لوگوں کے ذریعہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ من صلی فی مسجدی
اربعین صلوة وزاد الطبرانی لا تفوته صلوة کتب له برائة من النار و برائة
من العذاب و برائة من النفاق۔ ترجمہ :- جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھے اور
طبرانی نے زائد کا ذکر کیا ہے کہ نہ فوت ہو اس سے کوئی نماز تو لکھ دی جاتی ہے اللہ کے یہاں
اس کے نجات آگ سے اور عذاب سے اور نفاق سے) چالیس کے عدد میں جو حکمت ہے
اس کو اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے لیکن اس بات کی حصولیابی صدق اور اخلاص
کے بغیر کسی منافق کو میسر نہیں آسکتی۔ نفاق بدترین مرض ہے جب اس سے خلاصی ہو جائے تو سمجھ لو
کہ یقیناً دنیا اور آخرت کے عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو گیا ہے اور دارین کی سعادت مترتب
ہو گئی ہے۔ منجملہ اس کے ایک حدیث بہیقی نے روایت کی ہے کہ جو شخص بہ طہارت اپنے گھر
سے اس غرض سے نکلے کہ میری مسجد میں ایک نماز ادا کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک
جج کامل کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص اس مسجد میں اچھی بات

سیکھنے یا سکھانے کی غرض سے آئے وہ بمنزلہ اس شخص کے ہے جو راہ خدا میں جہاد کرتا ہے لیکن اگر کوئی شخص اس نیت سے نہ آئے بلکہ اس کی غرض مخلوق کی مصاحبت یا اُن سے باتیں کرنا ہو تو اس کی مثال اس شخص جیسی ہوگی جو اپنے محبوب کو دوسروں کے قبضے میں دیکھتا ہو۔

فصل روضہ شریف اور منبر کی فضیلت کے بیان میں :- بخاری اور مسلم میں ہے ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ - ترجمہ :- (میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان میں جو جگہ ہے وہ ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے) اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ ما بین قبری و منبری و زاد النجاری و منبری علی حوصی۔ ترجمہ :- (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے اور بخاری نے زیادہ کیا ہے کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے۔)

اور بعض روایتوں میں ہے وان منبری علی ترعة من تنوع الجنۃ ترجمہ (بیشک میرا منبر اوپر ترعہ کے ہے جنت کے ترعوں سے) ترعہ کی تفسیریں مختلف ہیں بعضوں نے اس کی تفسیر دروازہ سے کی ہے، بعض نے زینہ سے اور بعضوں نے اس باغ سے کی ہے جو بلند جگہ پر واقع ہو۔ ایک دن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر کھڑے تھے۔ فرمایا کہ اس وقت میرا قدم ترعہ پر ہے جنت کے ترعوں میں سے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا میں اس وقت اپنے حوض کے عقب پر کھڑا ہوں۔ عقر وہ مقام ہے جہاں سے حوض میں پانی آتا ہے۔ منبر شریف کے نزدیک جھوٹی قسم کھانے والے پر سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر منبر شریف کے پاس کوئی شخص اس غرض سے جھوٹی قسم کھاوے کہ کسی مسلمان کا حق تلف کرے گا تو وہ دوزخ میں جانے کے لئے تیار رہے۔ حدیث میں آیا ہے فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعین ترجمہ :- (اُس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی) چونکہ یہ جگہ آیہ کریمہ لَا یسمعون فیہا الفوا ولا کذابا کے بموجب حقیقتاً بہشت میں سے ہے دار دنیا میں جھوٹ بولنا ممنوع اور حرام ہے جیسا کہ دار آخرت میں ناممکن ہوگا۔ بعضی حدیثوں میں آیا ہے ما بین حجرتی و مصلائی روضۃ من ریاض الجنۃ - ترجمہ (میرے حجرے اور میرے مصلے کے درمیان میں باغچہ ہے جنت کے باغیچوں سے) بعضے علماء مصلے کو مسجد نبوی کا مصلہ خیال کرتے ہیں جو حجرہ شریف کے بہت

قریب ہے اور بعضے اس کو مصلائے عید (عید گاہ) قیاس کرتے ہیں جو مدینہ مطہرہ کی حد سے باہر مکہ معظمہ کے راستے پر ہے۔ لہذا نقل کرتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث سنی تو اپنا مکان مسجد اور مصلائے عید کے درمیان میں بنایا کیونکہ پوری مسجد نبویؐ اس توسیع اور اضافے کے ساتھ جو بجانب مغرب ہے سب کی سب ریاض الجنۃ ہوگی اس کی کوئی تخصیص نہیں رہے گی کہ منبر اور حجرہ شریف کے درمیان جتنی جگہ ہے صرف وہی ریاض الجنۃ ہو۔ ان احادیث کی تحقیق و تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعضے تو یہ کہتے ہیں کہ منبر کا حوض پر ہونا اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کے پاس نیک عمل کئے جاتے ہیں اور اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔ اس وجہ سے حضورؐ کے حوض پر پہنچ کر اس کا پانی پینے کو ملے گا۔ اور بعض دوسرے علماء کا خیال ہے کہ وہ منبر شریف جس کو سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدوم سے مشرف فرمایا ہے کل بروز قیامت جس طرح تمام مخلوق وہاں جمع ہوگی یہ منبر بھی جس کو ثرۃ جنت کہا گیا ہے حوض کے کنارے رکھا جائے گا تعظیماً للنبیہ و تنوہیاً للشانہ۔ ترجمہ :- (واسطے تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کی شان کے لئے) ایک جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ یہ خبر اس منبر کے لئے ہے جو قیامت کے دن سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حوض پر اس منبر کے علاوہ دوسرا منبر رکھا جائے گا لیکن یہ قول حدیث کی عبارت سے بالکل علیحدہ ہے۔ کیونکہ آپؐ تو فرماتے ہیں کہ میرے منبر اور میرے حجرہ کے درمیان ایک روضہ ہے ریاض جنۃ سے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ اس کلام سے تو یہی منبر سمجھا جاتا ہے۔ روضہ مقدسہ کا ذکر بھی اسی طریقہ پر آیا ہے۔ اس میں بھی علماء اختلاف کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں پر جنۃ سے مراد خطہ شریف کو جنۃ کے باغ سے تشبیہ دینا ہے۔ اور یہ تشبیہ خلق اللہ کے ذکر کی وجہ سے رحمت کے نزول اور سعادت کے حصول کے سبب دسی گئی ہے۔ چنانچہ مسجدوں کو ریاض جنۃ کے ساتھ نام رکھنا حدیث میں آیا ہے۔ اذا مررتہ بریاض الجنۃ فارتعوا۔ ترجمہ :- (جب گزر دو تم جنۃ کے باغ میں پس جگوم)۔

اس حدیث کے اشارہ کا پر تو اس پر پڑتا ہے خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علوم کے ثمرات اور ذکر کے انوار لوگ آپؐ کی مجلس سے حاصل کیا کرتے تھے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس مقام میں عبادت اور طاعت کی شرافت کا بیان کرنا مقصود ہے کہ

جو جنت میں پہنچائے گی۔ جیسا کہ کہتے ہیں الجنة تحت ظلال السیوف والجنة تحت اقدام الکامتا
ترجمہ :- جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔ اور جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ اس
اعتبار سے تلواروں کا استعمال کرنا اور ماؤں کی خدمت کرنا جنت میں پہنچانے کا ذریعہ ہوں
گے۔ یہ دونوں قول نہایت کمزور ہیں۔ کیونکہ نزول رحمت اور داخلہ جنت کی وجہ سے اس
کو باغ جنت سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور اس نوع کے ثواب عظیم کے مترتب ہونے کا جہان تک
تعلق ہے تمام مساجد اور جملہ خطہ خیر اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ کچھ اسی مسجد شریف کے ساتھ
مخصوص نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی رحمت خاص سے مراد لی جائے اور روضہ
مبارک سے مخصوص جنت ہی کو تصور کیا جائے تو بھی یہ بات تکلف سے خالی نہیں ہے لیکن
اور تحقیق یہی ہے کہ یہاں پر حقیقی معنی ہی مراد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ
اور منبر شریف کے درمیان حقیقت میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اس اعتبار سے
کہ کل قیامت کے دن اس جگہ کو فردوس بریں میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور تمام زمین کی
طرح اس کو فنا و برباد نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ ابن فرحون اور ابن جوزی نے امام مالک سے
نقل کیا ہے اور ساتھ ہی ایک جماعت کے علماء کا اتفاق بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔ شیخ
ابن حجر عسقلانی اور اکثر علمائے حدیث نے بھی اس قول کو ترجیح دی ہے ابن ابی حمزہ جو
علمائے مالکیہ میں بہت بڑے عالم ہیں، فرماتے ہیں کہ اس کا احتمال ہے۔ یہ خطہ شریف
بعینہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو اور وہاں سے دنیا میں بھیج دیا گیا ہو جیسا
کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کی شان میں ہے اور قیام قیامت کے بعد اس کو اپنے
اصلی مقام پر پہنچا دیا جائے۔ اور نزول رحمت و استحقاق جنت اس مقام کے مرتبہ کی
عظمت کے لئے لازمی ہے اور درحقیقت یہی معانی ان تمام معنوں کے مقابلہ میں جامع
ہیں۔ جو دوسرے لوگوں نے بیان کئے ہیں اور یہ معنی اس خاص بھید کے حاصل کرنے کے
علاوہ جس کا حاصل کرنا اہل باطن کے ساتھ مخصوص ہے اور بغیر تاویل اور مجاز کے ظاہری معنی
لینے سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور کمال مرتبہ کو محفوظ
رکھا جائے جس طرح مراتب خلیفہ ابراہیم نے ایک جنت کے پتھر سے امتیاز پایا ہے
اسی طرح مرتبہ حبیبہ محمدیہ نے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کی وجہ سے خصوصیت
پائی ہے۔ اگر ظاہری نظر میں بھی دنیا کی تمام اراضی اس کے مقابلہ میں پتھر ہے تو اس میں

کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس دنیا میں جب تک انسان پر طبیعت کثیفہ کا حجاب مانع ہے۔ اور یہ عادت بشریہ سے مغلوب ہے۔ اصل حقیقت کا انکشاف اور آخرت کا ادراک اس سے نہیں ہو سکتا۔ اور جو کلام ثواب کی فضیلت پر استدلال کرنے سے مانع ہو سکتا ہے وہ ایسی احادیث ہیں جو جہل اُحد وغیرہ کی شان میں آئی ہیں جیسے کہ ارشاد ہوا کہ اُحد جنت کے پہاڑوں میں سے ہے اور دوسرے پہاڑ دوزخ کے پہاڑوں میں سے۔ لیکن علماء میں سے کسی شخص نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ اُحد کے قریب کی عبادت جنت میں پہنچائے گی اور کسی دوسرے پہاڑ کی قربت جہنم کو آخرت میں اُحد جنت کے دروازہ پر ہوگا اور دوسرے پہاڑ جہنم کے کنارہ پر۔ اس مقام پر دل میں یہ دوسو سو نہیں آنا چاہیے کہ اُحد کی ظاہری کیفیات میں جنت کی نشانیوں نہیں پائی جاتیں تو یہ خطہ جب کہ حقیقتاً جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے تو یہاں پر پیاس اور برہنگی وغیرہ بھی نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ ان چیزوں کا غیاب جنت کے خصوصیات میں سے ہے۔ پھر پیاس اور برہنگی اس مقام پر کیوں ہوں۔ جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان لك ان لا تجوع فيهما ولا تغرى۔ (جنت میں نہ تم ہو گے بھوکے نہ برہنہ) تو اس کے لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس ٹکڑے کو جنت سے جدا کرنے کے بعد اس سے جنت کی خصوصیات جدا کر دی گئی ہوں گی اور پھر حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ کیوں کہ ان میں بھی تو جنت کے خصوصیات موجود نہیں ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ امور شریعت سے مُسنے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم کے متعلق کافی دلائل موجود ہیں۔ اس لئے ان پر ایمان لانا واجب ہو گیا اور حدیث میں ایسا نہیں ہے اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مقابلے میں کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم کی حقیقت کی خبر بھی ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے معلوم ہے اسی طرح روضہ شریف اور منبر شریف کی حالت بھی آپ ہی سے ظاہر ہوئی ہے۔ اگر مقامِ ابراہیم وغیرہ میں کوئی تاویل کی جائے تو یہاں بھی اس کی گنجائش ہے۔ اور اگر مقام میں حقیقی معنی لئے جائیں تو ہمیں یہاں بھی ویسا ہی کرنا پڑے لہذا فرق کی کوئی وجہ نہیں ہے واللہ اعلم۔

باب نہم

مسجدِ قبا کی بنیاد ڈالنے کا بیان اور اُن مساجد کا ذکر جو آنحضرت
کے ساتھ مخصوص ہیں اور مشاہدہ گاہِ انوارِ مصطفویٰ ہیں
(صلی اللہ علیہ وسلم و علی آلہ و صحابہ اجمعین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے کہ
مدینہ مبارک میں داخل ہونے سے پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول بنی عمرو بن عوف
کے پاس ہوا تھا۔ جو قبا کے باشندے تھے۔ آپ نے تین دن باختلاف روایات تین دن
سے زیادہ اسی جگہ قیام فرما کر مسجدِ قبا کی بنیاد ڈالی اور ایک روایت میں ہے کہ خود اہل قبا
نے یہ درخواست کی تھی کہ ہم لوگوں کے لئے ایک مسجد بنوا دیجئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو حکم کیا کہ
تم میں سے ایک شخص ہمارے ناقہ پر سوار ہو کر اسے پھرائے۔ ابو بکر صدیقؓ اٹھے اور ناقہ کی
پشت پر بیٹھ گئے لیکن اونٹنی اپنی جگہ سے نہ اٹھی اس کے بعد عمر فاروقؓ سوار ہوئے یہ پھر بھی نہ
اٹھی اُس کے بعد علیؓ مرتضیٰ نے اٹھ کر اپنا پر رکاب میں رکھا ہی تھا کہ اونٹنی کھڑی ہو گئی
آپ نے فرمایا کہ اس کی لگام کو چھوڑ دو یہ حکم کی گئی ہے جس طرف بھی گھومے گھومنے دو۔
آخر کار اونٹنی کی سیر پر مسجدِ قبا تعمیر فرمائی اہل قبا کو حکم دیا کہ پتھر جمع کرو۔ آپ نے اپنی چوب
دستی سے قبلہ کے تعین کے لئے ایک خط کھینچا اور اپنے دستِ اقدس سے ایک پتھر بنیاد
میں رکھا۔ اور صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ہر شخص ایک ایک پتھر ترتیب سے رکھے اور بعض روایتوں
میں جو یہ آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آکر قبلہ کا تعین کیا تھا تو یہ شاید دوسری
تعمیر میں ہوا ہو جو تحویل قبلہ کے بعد واقع ہوئی تھی۔ پہلی تعمیر کے زمانے میں تو قبلہ
بیت المقدس کی جانب تھا۔ ثقہ روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرتؐ اس مسجد کی تعمیر
کے لئے خود بذاتِ تشریف پتھر ڈھوتے تھے اور آیہ قرآنی لَمْ يَجِدُ اُسْسَ عَلٰى النَّقْوٰی مِنْ
اَوَّلِ بَوْمٍ تَرْجَمَہ :- (البتہ مسجد وہ ہے کہ جس کی بنیاد رکھی گئی ہے تقوٰے پر پہلے دن سے)

کا نزول بقول اکثر مفسرین مسجد قبا کی شان میں ہے۔ دین اسلام میں یہی پہلی مسجد تعمیر ہوئی ہے اس مسجد کے متعلقین کے لئے یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی ہے۔ فیدہ رجالٌ یُحِبُّونَ أَنْ یُطَهَّرُوا وَاللَّهُ یُحِبُّ الْمُطَهَّرِینَ ط ترجمہ :- (اس مسجد میں بہت سے مرد ہیں جو طہارت کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ طاہرین کو محبوب رکھتے ہیں) آپ نے فرمایا کہ اے بنی عمرو تم کیا عمل کرتے ہو کہ اس قدر تعریف کے مستحق ہو گئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کوئی عمل نہیں جانتے سوائے اس بات کے کہ ہم ڈھیلہ استعمال کرنے کے بعد پانی سے مزید طہارت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس منقبت کا یہی سبب ہے اس لئے اس عمل کو اپنے لئے لازم کر لو۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس مسجد سے مراد مسجد اعظم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے بعض حدیثیں بھی اس قول کی تائید میں وارد ہوئی ہیں لیکن حق بات یہ ہے کہ اس آیت کا مضمون دونوں مسجدوں پر صادق آتا ہے اور ممکن ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں۔ جیسا کہ بعض علماء حدیث کے کلام میں اسی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔

امام احمد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی آپ نے فرمایا کہ مسجد تقویٰ کی طرف جاؤ ان کے پیچھے آپ بھی اس طرح تشریف لے گئے کہ آپ کے دونوں دست مبارک ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ یہ حدیث اس بات کی تائید کرتی ہے کہ مسجد تقویٰ مسجد قبا ہی کا نام ہے۔

امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے وہ اول دن سے مسجد قبا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس مسجد میں بہت سے مرد ہیں جو طہارت کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دوست رکھتے ہیں پاکوں کو۔ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا کی زیارت کے لئے کبھی سوار اور کبھی پیادہ پا تشریف لے جاتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ایک دوسری روایت آئی ہے کہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ سوار اور پیدل مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے اور عبد اللہ بن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ ابن شیبہ نے دو شبہ کے دن بھی روایت

کی ہے۔ محمد بن المکندر سے روایت ہے کہ آنحضرت رمضان کی سترہ تا یئح صبح کو قبا میں تشریف لایا کرتے تھے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد قبا کی زیارت کو آئے کسی شخص کو وہاں پر نہ پایا فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ اپنے اصحاب کے ہمراہ اس مسجد کی تعمیر کے لئے پتھر ڈھوتے تھے خدا کی قسم اگر یہ مسجد اطراف عالم کے کسی دور دراز گوشہ میں بھی ہوتی تو ہم اپنے اونٹوں کے بیلچے اس کی طلب میں فنا کر دیتے اس کے بعد آپ نے خرمہ کی شاخیں منگائیں اور اس سے ایک جھاڑو باندھی اور کوڑا کرکٹ مسجد سے صاف کیا۔ لوگوں نے عرض کیا اے امیر المومنین کیا ہم کافی نہیں ہیں یہ خدمت ہمیں دیجئے۔ آپ نے فرمایا واللہ تم کافی نہیں ہو۔

ابن زبالہ زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَرَّبَ مِنَّا مَسْجِدَ قَبَا وَلَوْ كَانَ بَاقُتٍ مِّنْ اَفَاقٍ لَّضَرَبْنَا اِلَيْهِ اَلْكَبَادَ اَلْاِبِلَ تَرْجَمَہ۔ واللہ کا شکر ہے کہ قریب کر دیا ہم سے مسجد قبا کو۔ اگر یہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہوتی تو ہم اس کے لئے اونٹوں کے جگر کو مارتے اور صحیح سندوں کے ساتھ متعدد طرف سے سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مسجد قبا میں دو رکعت ادا کرنا میرے نزدیک اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ دو مرتبہ بیت المقدس کی زیارت کروں اور کہا کہ اگر تم یہ جان لو کہ اس مسجد میں کیا بھید پوشیدہ ہیں تو اس کی زیادت کے لئے ہر امکانی کوشش کیا کرو۔ اور اسی طرح سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حدیث میں ہے من صلی فی مساجد الاربعۃ غفر لہ ذنوبہ۔ تَرْجَمَہ :- (جس نے نماز پڑھی چار مسجدوں میں بخش دیئے جائینگے گناہ اس کے) چار مسجدوں سے مراد مسجد حرم۔ مسجد نبوی۔ مسجد اقصیٰ اور مسجد قبا ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصلوۃ فی مسجد قبا کعمرة تَرْجَمَہ :- (نماز پڑھنا مسجد قبا میں عمرہ کے برابر ہے) اور انہیں معنوں کی اور بہت سی حدیثیں ہیں اور بعضے طرق میں چار رکعت کی تصریح آئی ہے اور صحیح میں جو چوترا ہے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی یہیں بیٹھی تھی اور ہمنودی نے کہا ہے کہ ابن جبیر کی بات کے علاوہ اس کلام کی اصیبت مجھے نہیں

مٹی لیکن لوگوں میں مشہور یہی بات ہے۔ مسجد قبا کا طول و عرض چھیا سٹھ گز بیان کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ اس کا وہ حصہ جو منارہ کی جانب ہے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اضافہ میں سے ہے۔ عمر ابن عبد العزیز نے مسجد اعظم نبوی کی تعمیر کے ساتھ اس کی تعمیر میں بھی تکلف کیا تھا جو طول زمانہ کے سبب سے منہدم ہو گیا اس کے بعد دنیا کے سلاطین و امرا نے یکے بعد دیگرے اس کی تجدید کی اور وہ چیز جس کی وجہ سے اس مسجد شریف میں تبرک لازم ہے۔ سعد بن خثیمہ کا گھر ہے یہ بجانب قبلہ تھا۔ اس کے پہلے دروازے میں مکان کے صحن کی جانب مسجد بھی تھی۔ جو بند کر دی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہلا تیسرے ستون کے نزدیک ہے۔ جب کہ اس کے قدیمی راستے سے آیا جائے۔ مسجد کے غریب رکن کے قبلے میں ایک مقام ہے اس کو مسجد علی کہتے ہیں۔ سہمنودی کہتے ہیں کہ یہ مسجد وہی سعد ابن خثیمہ کا گھر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا وضو کیا اور نماز پڑھی ہے۔ بیراں بھی مسجد قبا کے قریب ہے۔ متبرک کنوؤں کے ذکر میں اس کا بیان کیا جائے گا۔

مسجد ضرار۔ انصار کے ہم نشینوں کی ایک جماعت جو کفر و نفاق کے مرض میں گرفتار تھی اس نے مسجد قبا کے مقابلے میں یہ مسجد بنائی تھی چونکہ اس کی تعمیر میں ان کے اغراض فاسدہ شامل تھے۔ اس لئے آیتہ کریمہ نازل ہوئی وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضَرَارًا وَكُفْرًا تَرْجِمَہ (اور وہ لوگ کہ جنہوں نے مسجد ضرار بہ نیت کفر بنائی آخر تک) بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابو عامر نے منافقین سے کہا کہ تم ایک مسجد تعمیر کرو۔ اور محمد کو کسی حیلے سے نگاہ میں رکھے رہو میں قبصر روم کے پاس جاتا ہوں اور وہاں سے ایک بڑی فوج لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو نکال دوں گا۔ یہ لوگ مسجد کی تعمیر سے فراغت پا کر سردارانِ نبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ ہم نے ایک مسجد بنائی ہے اور اس کی تکمیل سے فارغ ہو چکے ہیں اگر آپ اپنے اصحاب کے ساتھ اس مسجد میں نماز ادا فرمائیں تو اس کی برکت و سعادت کا سبب ہو۔ وحی آئی لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا الْمَسْجِدُ اسس عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ إِلَى قَوْلِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔

ترجمہ :- اگر آپ اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھیں بے شک وہ مسجد کہ جس کی بنیاد

اول دن سے تقویٰ کے اوپر ہے۔ زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ قوم ظالمین کو ہدایت نہیں کرتے ہیں۔

بعضوں نے یہ بیان کیا ہے کہ جس جگہ مسجد قبا کی بنیاد واقع ہوئی ہے وہ جگہ ایک عورت کی ملکیت تھی اس کا نام لینہ تھا۔ اس کا ایک گدھا تھا جو اس مسجد شریف کی جگہ میں باندھا جاتا تھا۔ مسجد ضرار والوں نے کہا کہ ہم لینہ کے گدھے کی سارے نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ ہم اپنے لئے ایک دوسری مسجد تعمیر کریں گے تاکہ جب ابو عامر آجائے تو ہمارا امام بنے۔ ابو عامر ایک کافر تھا جو خدا و رسول سے بھاگ کر اہل مکہ سے جا ملا تھا۔ اس کے بعد ملک شام چلا گیا اور وہاں عیسائی ہو گیا۔ اور اسی مذہب میں جہنم واصل ہوا۔ آخر کار حکم خدا و رسولؐ مسجد ضرار کو آگ لگا کر ویران کر دیا۔

طبری نے کسی عالم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے مسجد ضرار کو جعفر منصورؒ کے زمانے میں دیکھا کہ اس سے دھواں نکلتا تھا۔ اس وقت اس مسجد کے کوئی آثار موجود نہ تھے اور اس کا کوئی مقام معین نہ تھا۔ لیکن یہ مسجد قبا کے اطراف ہی میں تھی۔ واللہ اعلم۔

مسجد الجمعہ — اس کو مسجد الوادی اور مسجد عاتکہ بھی کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے تذکرہ میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جب جمعہ کے دن آل سرورؓ قبا سے مدینہ منورہ کو متوجہ ہوئے۔ ابھی آپ قبیلہ بنی سالم بن عوف میں پہنچے ہی تھے کہ جمعہ کی نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے جمعہ کی نماز اسی مقام میں ادا فرمائی۔ تشریف آوری مدینہ منورہ کے بعد جو سب سے پہلا جمعہ قائم ہوا وہ یہی تھا۔ اس مسجد کے قریب ایک وادی ہے نئی عوف کے مکانات اس وادی کے غریب جانب واقع تھے۔ ان کے مکالوں کے نشانات ابھی تک باقی ہیں۔ عتیان بن مالک کا مکان بھی اسی وادی میں تھا۔ عتیان کا قصہ بخاری میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری نگاہ کمزور ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کثرتِ بارش کے دوران جب سیلاب آ جاتا ہے تو میں بنیائی کی کمی کے سبب قبیلہ کی مسجد میں لوگوں کے ساتھ نماز باجماعت نہیں ادا کر سکتا۔ آپ میرے مکان میں تشریف لے چلیں اور وہاں نماز ادا فرمائیں تاکہ میں اس مقام کو اپنے لئے نماز کی جگہ بنالوں اور ضرورت کے وقت وہیں نماز ادا کر لیا کروں۔

بعضے علمائے تاریخ نے فرمایا ہے کہ نبی سالم میں دو مسجدیں تھیں ایک تو یہی اور

دوسری جمعہ مسجد۔ ان دونوں مسجدوں میں مذکورہ بالا مسجد چھوٹی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بڑی مسجد ہو جو حدیث میں مشہور ہے۔ اس مسجد کی قدیم عمارت منہدم ہو گئی تھی ستھ ہجری پر بعض عجمیوں نے اس کی تجدید کرا دی تھی اس میں ایک چھت ہے ایک احاطہ ہے۔ اس کا طول قبلہ سے شام تک بیس گز اور عرض شرق سے غرب تک ساڑھے سولہ گز ہے۔

مسجد الفیض۔ اب اس کو مسجد الشمس کہتے ہیں۔ مسجد قبا کے قریب یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو مسجد قبا سے مشرقی جانب ایک بلند مقام پر سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی ہے اس کی چھت ندارد ہے۔ مربع گیارہ در گیارہ گز ہے۔ جس وقت حضورؐ نے بنی النضیر کا محاصرہ کیا تھا اور ان کے قریب خیمہ لگایا تھا تو چھ روز تک اسی مسجد کی جگہ پر نماز ادا فرمائی تھی۔ اس کے بعد وہاں مسجد تعمیر کی گئی۔ ابن شیبہ اور ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ ابو ایوب اور انصار کی ایک جماعت اس مسجد کی جگہ پر بیٹھ کر فیض استعمال کیا کرتے تھے۔ (یہ ایک پینے کی چیز ہے) جب شراب کی حرمت کے لئے آیت نازل ہو گئی تو اس خبر کو سن کر مشکیزہ کا منہ کھول دیا اور مشک میں جتنی فیض تھی اسی مقام پر گرا دی۔ اس وجہ سے اس کو مسجد فیض کہتے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ شاید یہ قصہ مسجد کی تعمیر سے پہلے کا ہو۔ یا شراب کی نجاست کا علم اس کے بعد حاصل ہوا ہو۔ امام احمد اپنی مسند میں ابن عمر سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ اسی مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیض کا ایک گوزہ لایا گیا تھا جس کو آپ نے نوش فرمایا تھا۔ اسی سبب سے اس کو مسجد فیض کہتے ہیں۔ بعض علماء اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

شیخ مجد الدین فیروز آبادی کہتے ہیں کہ مسجد الشمس کے ساتھ اس مسجد کی شہرت کا کوئی ظاہری سبب نہیں ہے۔ اس کے قریب جو مکانات بنے ہوئے ہیں ان کی جگہ بلند ہے اس بلندی کی وجہ سے جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے اوپر پہلے نمودار ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو مسجد الشمس کہتے ہیں۔ اور شیخ ہی نے یہ بھی کہا ہے کہ ایسا گمان نہیں کرنا چاہیے کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے آفتاب کو واپس لوٹایا گیا تھا کیونکہ واپسی آفتاب کا قصہ صہبا میں ہوا ہے اور صہبا خیبر کے شہروں میں سے ہے جس طرح قاضی عیاض نے اس کی تشریح کی ہے۔ اعادۃ شمس کی حدیث ابو ہریرہؓ کی روایت سے حسن ثابت ہوئی ہے اور اس حدیث کے متعدد طرق ہیں۔ طحاوی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

لیکن ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ شیخ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ابن جوزی نے غلطی کی ہے جو اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

مسجد بنی قریظہ۔ یہ مسجد مسجد شمس کے شرقی جانب حرہ شرقیہ کے نزدیک باغات کی انتہا پر واقع ہے جس وقت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا (جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) محاصرہ کیا تھا آپ نے اسی جگہ نزول فرمایا ایک روایت میں آیا ہے کہ اس مقام کے پڑوس میں ایک عورت کا مکان تھا آنحضرتؐ نے اس میں نماز ادا فرمائی تھی۔ ولید بن عبد الملک نے مسجد کی تعمیر کے وقت اس مکان کو بھی مسجد بنی قریظہ میں داخل کر دیا۔ یہ مقام مسجد کے غری شمالی گوشہ میں ہے۔ قدیم عمارت میں اس جگہ پر مسجد قبا کے منارے جیسا ایک منارہ تھا جو امتداد زمانہ کے ہاتھوں منہدم ہو گیا۔ ۹۱۰ء ہجری تک اس کے آثار موجود تھے اس کے بعد اس جگہ آدمی کے نصف قد کے برابر ایک چبوترہ بنادیا گیا۔ جو اس وقت بھی موجود ہے۔ اس مسجد کی قدیم عمارت اپنی وضع، چھت، ستون اور منارہ کی بناوٹ میں مسجد قبا جیسی تھی۔ اس وقت صرف ایک احاطہ موجود ہے جو قبلہ سے شام تک چوالیس گز اور مشرق سے مغرب کی جانب ۴۲ گز ہے۔ بنی قریظہ کے محاصرہ کا قصہ یہ ہے کہ جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے فراغت فرما کر مدینہ منورہ کو واپس تشریف لائے ابھی آپ غسل خانہ ہی میں بیٹھے ہوئے تھے اور سر مبارک میں ایک طرف کنگھا فرما کر یہ چاہتے تھے کہ پورا غسل کر کے تکان دور کریں کہ اچانک جبریل علیہ السلام گھوڑے پر سوار ایک گرد آلودہ زرہ پہنے ہوئے سلطان الانبیاء کے دروازہ پر پہنچے اور عرض کیا کہ ابھی تک فرشتوں نے بدن سے ہتھیار نہیں کھولے ہیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ پاؤں رکاب میں رکھیے اور بنو قریظہ پر حملہ کر دیجئے۔ میں بھی وہیں چلتا ہوں تاکہ ان کو ان کے مکالوں سے باہر کیا جائے اور انھیں اچھی طرح سے جھنجھوڑ دیا جائے تاکہ وہ سست اور بزدل ہو جائیں۔

جبریل علیہ السلام یہ خبر پہنچا کر واپس ہوئے۔ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں ملائکہ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد بلند ہو رہی تھی لیکن شخص دکھائی نہیں دیتا تھا آپ نے حکم فرمایا کہ بلال باواز بلند لوگوں کو آگاہ کر دیں کہ جو شخص اللہ کے حکم کو سن اطاعت کرے وہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھے اور صلی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا خاص جھنڈا دے کر انھیں لشکر اسلام کا پیش رو بنادیا اور پچیس روز تک بنو قریظہ کو

محاصرہ میں رکھا یہاں تک کہ وہ عاجز ہو گئے اور ان کے دلوں پر ایک رعب بیٹھ گیا۔ آخر کار سعد بن معاذ کے فیصلہ پر جو اس قوم کے حلیف تھے قلعہ سے باہر آ گئے بنو قریظہ نے یہ کہا تھا کہ سعد بن معاذ جو کچھ فیصلہ کریں گے ہم اس پر راضی ہیں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے غزوہ خندق میں ایک تیر لگا تھا جس کی وجہ سے اب تک ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ سعد بن معاذ کو حاضر کرو۔ ان کے خون سے جو خون بہتا تھا رُک گیا۔ سعد بن معاذ جب مجلس میں آئے تو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ سے فرمایا کہ قوموا لیسیدکم۔ یعنی کھڑے ہو جاؤ اپنے سردار کی اعانت کے لئے بعضے علمائے اس قول سے مہمان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانے کی دلیل پکڑی ہے۔ لیکن علمائے محققین یہ کہتے ہیں کہ یہ قیام آنے والے کی تعظیم کا نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ سعد بن معاذ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ خود بخود سواری سے اتر آتے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ اٹھو اور ان کو اتار لو اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے حکم کو اس جماعت کے لئے مخصوص کر دیا تھا یہ حکم تمام حاضرین کے لئے نہ تھا۔ گویا یہ سعد بن معاذ کے فیصلے کو ماننے کے لئے تہنید تھی جو ان لوگوں کے لئے سعد بن معاذ کرنے والے تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے سعد بنی قریظہ کے متعلق کیا فیصلہ کرتے ہو۔ سعد نے کہا میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کا مال مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے۔ عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے۔

آنحضرتؐ نے سعد بن معاذ کی شان میں فرمایا کہ بے شک تم نے ٹھیک وہ فیصلہ کیا جو آسمانوں کے سات پردوں سے نازل ہوا ہے۔ چھ سو آدمی اور ایک روایت میں ہے کہ کچھ کم زائد کی مدینہ کے بازار میں گرد نیس جدا کی گئیں۔ اور انا الضحوی القتل کا بھید محی ویمیت کی تجلی سے ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے بچائیں۔

مسجد مشربہ ام ابراہیم۔ یہ مسجد بنی قریظہ کے شمالی جانب حرہ شرقیہ کے نزدیک نخل کے درمیان واقع ہے۔ جنگل میں ایک احاطہ بغیر چھت کا ہے۔ یہ قبلہ سے شام کی جانب گیارہ گز اور شرقاً غرقاً چودہ گز ہے۔ آنحضرتؐ نے وہاں پر نماز ادا فرمائی ہے۔ مشربہ سے مراد باغ اور ام ابراہیم سے مراد ماریہ قبطیہ (والدہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ ان کا یہاں پر ایک باغ تھا۔ اور پیدائش سیدنا ابراہیم کی بھی وہیں پر ہوئی۔ آنحضرتؐ کے صدق

یہاں پر تھے جو فقرائے لئے آپ نے وقف فرمائے تھے۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ماریہ قبطیہ نہایت ہی جمیل تھیں۔ آنحضرتؐ کو ان کے ساتھ بہت دلچسپی تھی سب سے پہلے آپ نے ان کو حارثہ بن نعمان کے گھر میں رکھا۔ مجھے ان کے ساتھ رہنے میں غیرت آتی تھی۔ اس لئے عوائے مدینہ میں اس جگہ جہاں پر یہ مسجد ہے ان کو لے گئے اور وہاں کبھی کبھی ان کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ مجھ پر یہ بات پہلے سے بھی سخت ہوئی۔ پھر حق سبحا نے ان کو ایک لڑکا عطا کیا اور ہم اس نعمت سے محروم رہے جس وقت آنحضرتؐ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ماریہ قبطیہ کے ہمراہ تھے۔ ماریہ قبطیہ کے قصے کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس آیت کا شان نزول یہی قصہ ہے جو مشہور ہے۔

مسجد بنی ظفر۔ اب اس کو مسجد بغلہ کہتے ہیں۔ اور عوام الناس سفرہ پیغمبر کہتے ہیں۔ یہ بقیع کے شرقی جانب اس قبا کے راستہ سے ہے جو فاطمہ بن اسد امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرتؐ نے بنی ظفر کے محلہ میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابن مسعود اور معاذ بن جبل وغیرہ شامل تھے پہنچ کر نماز ادا فرمائی تھی۔ وہاں پر ایک پتھر رکھا تھا۔ آپ اس پر بیٹھے اور قاری کو حکم فرمایا کہ قرآن پڑھے جب قاری اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امة بشہید وجئناک علی ہؤلاء شہیداً ترجمہ۔ پس کیا حال ہو گا جب کہ ہم ہر امت سے گواہ کو لائیں گے اور آپ کو ان سب کے اوپر گواہ بنائیں گے، سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور فرمایا کہ خداوند! میں جن لوگوں میں موجود ہوں ان کا گواہ ہوں اور جن لوگوں کو میں نے نہیں دیکھا ہے ان کو میں کیا جان سکتا ہوں۔

بعض علمائے تاریخ نے لکھا ہے کہ جس عورت کا محل قرار نہ پاتا ہو اگر وہ اس پتھر پر بیٹھے تو محل قرار پا جائے۔ اس کی یہ خصوصیت عہد مدینہ میں زمانہ قدیم سے عہد موجود تک شہرت کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔ مطری کہتے ہیں کہ اس حرہ میں جو اس مسجد کے قبلہ جانب واقع ہے کئی پتھر ایسے ہیں جن کے اوپر نشانات ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ نشانات آنحضرتؐ کے چمڑے کے گھر کے ہیں۔ ایک پتھر پر کہنی کا نشان ہے کہتے ہیں کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس پتھر پر ٹیک فرما کر کہنی مبارک رکھی تھی ایک دوسرے پتھر پر انگلیوں کے نشانات ہیں لوگ ان تمام پتھروں سے برکات حاصل کرتے ہیں اور اسی محراب میں ایک ایسا پتھر ہے

جس پر لکھا ہے :- خلد اللہ ملک الامام ابی جعفر المنصور المستنصر باللہ امیر المومنین عمر بن تلکین شہید۔
 مسجد الاجابتہ۔ یہ بقیع کے شمالی جانب واقع ہے۔ جس جگہ شہید اس کی قبور کا احاطہ ہے۔
 اگر آپ اس طرف چلیں تو یہ مسجد بائیں جانب پڑے گی۔ بقیع میں یہ مسجد زین پر واقع ہے۔ اس کا
 طول اور عرض قبلہ سے شام کی جانب تقریباً بیس گز اور شرقاً غرباً تقریباً پچیس گز ہے اس کو
 مسجد بنی معاویہ بھی کہتے ہیں۔ بنی معاویہ اس کا ایک قبلہ تھا۔ صبح مسلم میں ہے کہ ایک روز
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عوائے مدینہ سے تشریف لارہے تھے کہ آپ کا گزر بنی معاویہ
 کی مسجد میں ہوا۔ آپ نے اس میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ کے ساتھ ہی صحابہ کی ایک
 جماعت نے بھی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ نے نہایت لمبی دُعا کی۔ جب آپ واپس ہونے
 لگے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین دعائیں کیں منجملہ ان کے دو قبول ہو گئیں
 اور ایک کے لئے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا۔ میں نے دُعا کی کہ میری امت کو قحط کی بلا
 سے نہ مارا جائے قبول کر لی گئی۔ دوسری دعا یہ تھی کہ ان کو غرقابی سے ہلاک نہ کیا جائے
 یہ دُعا بھی قبول کر لی گئی۔ تیسری یہ تھی کہ میری امت آپس میں خانہ جنگی نہ کرے۔ مجھے اس
 دُعا سے منع کر دیا گیا اور یہ دُعا قبول نہیں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری امت
 کی ہلاکت تلوار کے تحت ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے قبول ہونے کی وجہ سے اس مسجد کو
 مسجد الاجابتہ کہتے ہیں۔ اور امام مالکؒ نے موطا میں ان تینوں دعاؤں میں غرقابی سے
 ہلاکت والی دُعا کا ذکر نہیں کیا ہے۔ آپ نے اس کی جگہ اس دُعا کا ذکر کیا ہے کہ ان پر
 کافروں کو غلبہ نہ حاصل ہو۔ سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ
 نے نماز ادا کی اور کھڑے ہو کر دُعا فرمائی۔ محمد بن طلحہ کی روایت ہے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ
 علیہ وسلم کا مصلّا محراب کے دائیں جانب دو گز کے فاصلے پر تھا جو ذوق، لذت اور نور
 مشغولی عبادت کے بعد دُعا، استغراق، حضور کے ذکر اور اس مسجد سے باہر آنے پر لگایک
 قبہ شریف پر نظر پڑ جانے سے اس کے مشتاقوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کی صحیح کیفیت کا
 علم اس میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ فرقت اور جدائی کی گھڑوں
 کو ان اوقات باہر کات کی حمایت میں رکھے اور پھر دوبارہ ان لذات و حالات کو ہمیں ملیں گے آمین۔

۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب تصنیف ہذا نے ایک عرصہ مدینہ منورہ میں گزارا تھا اس کے بعد اپنے پیر کے حکم سے ہندوستان واپس
 تشریف لائے۔ یہ عبارت اسی دورِ مفارقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

مسجد طریق السافلہ۔ جب آپ سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب کے مشہد کو تشریف لے جائیں تو یہ مسجد شرقی راسنے کے داہنی جانب پڑے گی۔ یہ مسجد ابی ذر غفاری کے نام سے بھی مشہور ہے۔ بیہقی شعب الایمان میں عبد الرحمن بن عوف سے روایت کرتے ہیں کہ مسجد نبویؐ کے صحن میں لیٹا ہوا تھا ناگاہ آنحضرتؐ صحن سے متصلہ دروازے سے باہر تشریف لے چلے میں بھی حضورؐ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ آپ اسواف کے ایک باغ میں گئے۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی۔ آپ نے نماز کے بعد ایک نہایت ہی طولانی سجدہ ادا کیا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح پاک کو علیین میں بلا لیا ہے۔ اس خیال اور حالت کے مشاہدہ سے مجھ کو رونا آگیا۔ کچھ دیر بعد آپ نے سر مبارک اُپر اٹھایا اور فرمایا: کیا ہوا؟ تم کہیں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اتنا لمبا سجدہ فرمایا کہ مجھ کو تو خوف ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے شاید آپ کی روح پر فتوح کو آسمان پر بلا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دربارِ خداوندی سے جبریل علیہ السلام یہ وحی لائے کہ آپ کا پروردگار فرماتا ہے جو شخص آپ پر درود بھیجے میں اس پر درود بھیجتا ہوں۔ اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص آپ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اس کے لئے دس نیکیاں لکھتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ دس صلوٰۃ بھیجتا ہوں۔ میں نے اپنے پروردگار کی اس نعمت پر اس کا سجدہ شکر ادا کیا۔

بیہقی حاکم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور سجدہ شکر کے متعلق اس سے صحیح تر ایک اور حدیث وارد ہوئی ہے۔ اس حدیث کو امام احمد بھی عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے سجدہ شکر کا تذکرہ بغیر نماز کے کیا ہے۔ یہ مسجد چھوٹی ہے اور اس کا طول اور عرض صرف آٹھ گز ہے۔

مسجد البقیع - جب کوئی شخص بقیع کے دروازے سے باہر نکلے تو یہ مسجد داہنے ہاتھ پر پڑے گی۔ مشہد عقیل اور امہات المومنین کے مزارات غربی جانب ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعضے علماء کو اس مسجد کے متعلق کوئی قوی سند نہیں ملی ہے۔ اس لئے بعض یہ کہتے ہیں کہ شاید یہی وہ مقام ہے جو بقیع میں حضورؐ کی عید کا مصلیٰ قرار پایا تھا اور سہمنودی بعضے علامات اور دلائل پر نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بظاہر یہ ابی بن کعب کی مسجد ہے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اکثر اوقات تشریف لاتے

رہتے تھے۔ اور نماز بھی ادا فرماتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کی دالسی کا خوف نہ ہو تو میں اکثر اوقات اسی میں نماز ادا کروں۔ واللہ اعلم۔

مصلی العید۔ یہ مدینہ منورہ سے باہر ہے۔ مصری دروازہ کے غریب جانب اس جگہ پر جہاں سے مکہ معظمہ کا قافلہ آتا ہے یہ مسجد وہیں پر واقع ہے۔ ۸۰ھ میں مدینہ منورہ کی تشریف آوری کے بعد پہلی مرتبہ عید کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پڑھی تھی۔ ابن زبالہ ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جس جگہ پہلی بار عید الفطر اور عید الاضحیٰ ادا فرمائی وہ جگہ حکیم بن العدا کے مکان کے قریب تھی بعض اصحاب تاریخ بیان کرتے ہیں کہ باب السلام سے اس کا فاصلہ ہزار گز کا ہے۔ اب وہاں پر ایک مسجد ہے جو مصلّا کے نام سے مشہور ہے۔ اور سہمنودی دلائل و علامات پر نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غالباً یہ وہی مسجد ہے جس کو مسجد علی کہتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں مدینہ منورہ کا بازار اسی مقام پر تھا اور حکیم ابن العدا کا مکان بھی اسی جگہ تھا۔ واللہ اعلم۔

اسی مقام پر ایک دوسری مسجد بھی ہے جس کو مسجد ابو بکر کہتے ہیں۔ یہ کبھی مہندم ہو گئی تھی لیکن مدینہ کے شیخ الحرم نے اس زمانے میں اس کی تجدید کر کے دوبارہ نہایت صاف ستھری بنا دی ہے۔ اس کے گرد اگر درباط تعمیر کر کے پانی بھی جاری کر دیا ہے۔ اور اس کے اطراف کو سبزہ زار بنا دیا ہے۔ اس مسجد کے قریب ہی ایک پرانا باغ تھا جو عریضہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے کچھ آثار اب بھی باقی ہیں دوسری مسجد علی ہے جو اسی کے قریب واقع ہے بعضے عجمیوں نے اس کی بھی تجدید کرا دی ہے۔ یہ ایک بڑی مسجد ہے۔ اور اس کا صحن بہت ہی کشادہ ہے۔ کہتے ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے زمانے میں اپنے گھر سے نکل کر اسی مقام پر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اور عید کی نماز بھی یہیں ادا کی تھی۔ اور سہمنودی اسی مسجد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلّا عید قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ علی مرتضیٰ کا اس جگہ نماز عید ادا فرمانا حصول برکت کے خیال سے تھا۔ کیونکہ یہ مقام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلّا عید سے تھا۔ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مصلّا عید کی کوئی عمارت نہ تھی۔ بلکہ آپ نے اس کی تعمیر سے منع فرمادیا تھا۔ خطبہ عید بھی منبر پر نہیں پڑھا تھا۔ پہلا شخص جس نے عید کے خطبہ کے لئے منبر بنایا، مروان بن الحکم تھا۔ لیکن جیسا کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے بعض حدیثوں سے استنباط کیا ہے۔ اور ابن شیبہ

بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیا۔ اور ترمذی کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے استسقا کی نماز مصلّا پر ادا فرمائی اور منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ممکن ہے استسقا کو منبر کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہو۔ تاکہ عام لوگوں کو چادر کی تحویل اور رفع یدین وغیرہ کو جو نماز استسقا کی خصوصیات میں داخل ہیں دکھلایا جاسکے۔ جس کے بعد عید کے خطبہ کے لئے منبر کا بنانا اسی پر قیاس کر لیا گیا ہو واللہ اعلم۔

سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہ ظاہر ہے کہ ان تینوں مساجد کی تعمیر عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں ہوئی۔ مصلّا شریف کی فضیلت اور اس کے قریب دعا کی اجابت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ حدیث ما بین بیتی و مصلائی روضة من ریاض الجنة۔ ترجمہ :- جو فاصلہ کہ میرے مکان اور میرے مصلے کے درمیان میں ہے وہ ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے، بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں مقاموں کے درمیان کی فضیلت میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے یہ اس وجہ سے کہ یہاں سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر و بیشتر ورود ہوتا رہتا تھا جب آنسور صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لایا کرتے تھے تو اسی مصلّا پر روبرو قبلہ کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے۔ نجاشی شاہِ جلشہ کے جنازہ کی نماز بھی آپ نے اسی مصلّا پر پڑھی تھی۔ سعید بن المسیب کی روایت کے مطابق بھی یہی وہ جگہ تھی۔

مسجد الفتح - دوسری مسجدیں جو اس کے قبلہ کی جانب ہیں۔ ان سب کو مساجد فتح کہتے ہیں لیکن عوام الناس ان کو اربع مساجد کہتے ہیں۔ مسجد الفتح وہی مسجد ہے جو بلند ہے اور سلع پہاڑ کے غری قطع پر واقع ہے۔ شرقی و شمالی جانب اس میں چند درجے ہیں اس کو مسجد الاخراب و مسجد اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔ احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ثقہ لوگوں کی روایت سے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں متواتر تین روز تک دعا کی۔ دو شنبہ۔ سہ شنبہ اور چہار شنبہ۔ چہار شنبہ کے دن دو نمازوں کے درمیان میں دعا فرمائی اور قبولیت کی بشارت پائی جس کی خوشی کا اثر چہرہ الزور سے ظاہر ہوتا تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مجھے کوئی سخت حاجت پیش آتی ہے تو اسی وقت میں مسجد فتح کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ اور اجابت دعا کی بشارت پاتا ہوں۔

اور دوسری روایت میں جابر رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ آنحضرتؐ اس جگہ تشریف لائے جہاں مسجد فتح تعمیر ہوئی ہے۔ آپ نے کھڑے ہو کر ہاتھوں کو اٹھایا اور ان کفار ان قریش پر جو خندق کے دوسری طرف جمع ہو گئے تھے۔ بددعا کی لیکن نماز نہیں ادا فرمائی۔ دوبارہ پھر تشریف لائے اور پھر اسی طرح بددعا کی۔ اس بار نماز بھی ادا فرمائی۔ ابن زبالبہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مسجد فتح میں احزاب کے دن بددعا فرمائی۔ اور دشمنوں کے خوف سے نماز ظہر و عصر و مغرب ادا نہ کر سکے۔ مغرب کے بعد آپ نے سب نمازوں کو پڑھا۔ روز احزابؐ روز خندق ایک ہی چیز ہے اس کو غزوہ خندق و غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ یہ آخری غزوہ تھا جس میں کفار قریش مکہ سے مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور بہت زور باندھا تھا۔ جب مسلمان بہت زیادہ پریشان ہو گئے تو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر دعا فرمائی۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی بھیجی کفار اس کو برداشت نہ کر سکے اور شکست کھا کر فرار ہو گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورہ احزاب کے اندر یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اب اس کے بعد قریش مسلمانوں کے مقابل ہرگز نہ ہوں گے۔ اور نہ کبھی حملہ آور ہوں گے۔ اسی وجہ سے اس مسجد کو مسجد فتح و مسجد احزاب کہتے ہیں۔ آثار فتح اور انوارِ حجاب اس مسجد کے اندر اور اس کے اطراف میں ظاہر اور ہویدا ہیں۔ اس کے داہنی جانب ایک دادی ہے جس کو بیج کہتے ہیں۔ اس میں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں۔ اور یہ ایک پُر فضا مقام ہے۔

امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ اپنے آباؤ کے کرام کی سند سے بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد فتح میں تشریف لائے تو ایک دو قدم چل کر کھڑے ہو گئے اور اپنے دونوں دست مبارک پوری طرح سے اٹھا کر دعا کی۔ یہاں تک کہ چادر تشریف آپ کے شانہ مبارک سے زمین پر گر گئی۔ آپ اسی طرح دعائیں مشغول رہے۔ متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ آپ کے دعا کی اصل جگہ مسجد فتح میں درمیانِ ستون ہے۔ سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ چونکہ اب اس کی عمارت متغیر ہو گئی ہے اس لئے یہ چاہیے کہ مسجد کے صحن میں محراب کے مقابل کھڑا ہو۔ لیکن دوسری روایتوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کا قیام مغرب کی جانب سے بہت ہی قریب تھا۔ آپ شمالی زینہ سے چڑھے تھے نہ شرقی سے۔ جب آپ وہاں سے دو قدم آگے بڑھیں

گے تو سیدنا نام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیام کی جگہ پر پہنچ جاؤ گے۔ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی دُعا یہ تھی۔ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ هَدَيْتَنِي مِنَ الضَّلَالَةِ فَلَا مَكْرَمَ لِمَنِ اهْتَدَيْتَ وَلَا مَهِينَ لِمَنِ اِكْرَمْتَ وَلَا مَعَزَ لِمَنِ اِذْلَلْتَ وَلَا مَذْلَ لِمَنِ اِعْزَزْتَ وَلَا نَاصِرَ لِمَنِ خَذَلْتَ وَلَا خَاذِلَ لِمَنِ نَصَرْتَ وَلَا مَعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا سِرَازِقَ لِمَنِ حَرَمْتَ وَلَا حَارِمَ لِمَنِ زَمَرْتَ وَلَا رَافِعَ لِمَنِ خَفَضْتَ وَلَا خَافِضَ لِمَنِ رَفَعْتَ وَلَا خَارِفَ لِمَنِ سَتَرْتَ وَلَا سَاتِرَ لِمَنِ خَرَقْتَ وَلَا مَقْرَبَ لِمَنِ بَاعَدْتَ وَلَا مَبَاعِدَ قَرَبْتَ يَا صَرِيحَ الْمَكْرُوبِينَ وَ يَا عَجِيبَ الْمُضْطَرِّينَ اَكْشِفْ هُمِي وَ غَمِّي وَ كُرْبِي فَقَدْ تَرَى حَالِي وَ حَالَ أَصْحَابِي۔

جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کی دُعا سُن لی ہے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دشمن کے حول سے محفوظ کر دیا ہے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوزانو بیٹھ گئے اور دونوں دست مبارک کشادہ فرمائے۔ آنکھیں نیچی کر کے کہنے لگے شکر اکبارِ رحمتی و رحمتِ اصحابی۔ بیان کرتے ہیں کہ شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی دعا کو اس وقت پڑھا جب انھیں ہارون رشید کی جانب سے تکلیف پہنچی تھی اس کی برکت سے دشمنوں کے اس شر و آفت سے نجات پالی جس سے وہ ڈرتے تھے۔ اور معاذ بن سعد بن سعد سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے مسجد فتح اور دیگر مساجد میں جو اس کے تحت ہیں نماز ادا فرمائی ہے۔ پہلی مسجد جو مسجد فتح کے قریب قبلہ کی جانب ہے اس کو مسجد سلمان فارسیؓ کہتے ہیں اور جو اس مسجد کے پیچھے ہے اس کا مسجد علی مرتضیٰؓ نام رکھتے ہیں۔ اور وہ مسجد جو پہاڑ کی جڑ میں ہے اور سب مساجد سے چھوٹی قبلہ کی جانب ہے مسجد ابو بکر صدیقؓ کہی جاتی ہے۔ لیکن ان مسجدوں کو ان حضرات کے نام سے منسوب کرنے کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی تاہم ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ احزاب کے دن ان حضرات کے مقامات انھیں جگہوں میں واقع ہوئے ہوں گے اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے پاس تشریف لا کر نماز ادا فرمائی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

ان مسجدوں کی تعمیر اصل میں عمر بن عبد العزیزؓ نے کی ہے۔ جب ان کی تعمیر طولِ زمانہ کے سبب سے منہدم ہو گئی تو سیف الدین حسین ابن ابی الہیجا جو علیدین کے

وزراء میں سے تھا مسجد اعلیٰ کو ۱۷۷۵ء ہجری میں اور دوسری دو مسجدیں جو اس کے پیچھے ہیں ان کی ۱۷۷۵ء میں تجدید کرائی۔ اس کی تعمیر کے بعد جو مسجد علی مرتضیٰ کی طرف منسوب ہے بوسیدہ ہو گئی تھی اس کی امیر مدینہ زین الدین صنیم منصوری نے ۱۷۸۶ء میں تجدید کی۔ لیکن جو مسجد ابو بکر صدیقؓ کے نام سے منسوب کی جاتی تھی اس کو قد مارا اور متاخرین میں سے کسی نے ہاتھ تک نہ لگایا وہ اسی طرح خراب پڑی رہی۔ ۱۷۸۲ء میں بعض لوگوں کو اس کی تعمیر کی توفیق ہوئی۔ مساجد فتح کے درمیانی راستے میں سلح پہاڑ کا درہ ہے۔ جب مدینہ منورہ سے چلا جائے تو چلنے والے کے داہنی جانب مسجد بنی حرام ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں تشریف لا کر نماز ادا فرمائی تھی۔ عمر ابن عبدالعزیز نے اس کی تجدید کر کے اس کی اصل بنیاد پر چھت اور ستونوں کا اضافہ کیا ہے۔ اب صرف ایک احاطہ باقی ہے اسی درہ کے قریب ایک غار ہے۔ جو آیام خندق میں سرور انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف صحبت سے مشرف ہو چکا ہے۔ اور بعض اوقات آپ نے وہاں شب باشی بھی فرمائی ہے۔

طہرانی ابوقتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آنحضرتؐ سے ملنے کی خواہش میں آئے۔ جب آپ کو امہات المؤمنین کے حجرہوں میں نہ پایا تو اس کو چہ کی طرف چلے جہاں حضور بیٹھنے کے عادی تھے۔ آخر کار پہاڑ کی جانب گئے۔ احادیث پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑ سلح تھا لوگوں سے پتہ پا کر معاذ بن جبل پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اور دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگے۔ دیکھا کہ اس پہاڑ میں ایک غار ہے۔ سرور انبیاؐ اس غار کے اندر سجدہ کی حالت میں نظر آ گئے۔ معاذ اس مقام کی ہیبت اور حضرت سید الانام علیہ اکمل الصلوٰۃ وفضل السلام کا طول سجدہ دیکھ کر پہاڑ سے اتر آئے اور تھوڑی دیر بعد پھر چڑھے تو دیکھا کہ آنحضرتؐ ابھی تک سجدہ ہی میں ہیں آپ کو گمان گزرا کہ آپ کی روح مبارک کو شاید عالم بالا میں لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے سجدہ سے سر اقدس اٹھایا اور فرمایا کہ جبریل امین آئے تھے اور کہتے تھے کہ حق سبحانہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے میں آپ کی امت کے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔ میں نے کہا اے اللہ تو خوب جانتے والا ہے۔ میں کیا جان سکتا ہوں اس کے بعد پھر جبریل امین آئے اور کہا کہ آپ کے

پروردگار فرماتے ہیں کہ آپ اپنے دل کو خوش رکھیے۔ آپ کی امت کے ساتھ ہرگز وہ بات نہ کروں گا جو آپ کو ناپسند ہو یا آپ کی دل آزاری کا سبب بنے۔ پھر میں نے سجدہ میں سر رکھ دیا۔ اور اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر یہ بجالایا اے معاذ سب سے بہترین حالت جو بندہ کو مولے سے قریب کر دیتی ہے سجدہ ہے۔

مسجد القبلتین۔ یہ مساجد فتح کے غزنی جانب نصف میل یا اس سے کچھ کم فاصلہ پر وادی عقیق اور یررومہ کے نزدیک واقع ہے۔ محمد ابن اخن سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی سلمہ میں ام میر ایک بیوی تھیں۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مزاج پرسی کے لئے وہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کے لئے کھانا مہیا کیا۔ کھانا تناول فرمانے کے دوران ام میر ارواح کا احوال دریافت کرنے لگیں اس حدیث کا شان نزول جو ارواح مومنین و کافرین کے متعلق آئی ہے اسی مجلس کا واقعہ ہے۔ جب ظہر کا وقت آیا آپ بنی سلمہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے نکلے۔ دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی کہ وحی آئی۔ قبلہ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی جانب پھیر دیا گیا۔ آپ نے نماز ہی کی حالت میں مُڑ کر کعبہ کی جانب مُنہ کر لیا اور آخری دو رکعت کعبہ کی طرف ادا فرمائیں۔ اسی وجہ سے اس کو مسجد قبلتین کہتے ہیں۔ اور ابن زبالہ محمد ابن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی سلمہ کا ایک گروہ اپنی مسجد میں آپ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ اور دو رکعت نماز پڑھ چکے تھے کہ تبدیلی قبلہ کی خبر ان تک پہنچی آپ نماز ہی کی حالت میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔ اس روایت میں آنحضرتؐ کی نماز کا ذکر اس مسجد میں تبدیلی قبلہ کے وقت نہیں ہے۔

شیخ مجدد الدین فیروز آبادی کہتے ہیں کہ اس نام کے لئے مسجد قبا زیادہ حق دار اور اولیٰ ہے۔ کیونکہ بخاری اور مسلم میں آیا ہے کہ تحویل قبلہ کا وقوع مسجد قبا ہی میں ہوا ہے۔ اور بعض علماء نے قول اول کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد الذباب۔ اب اس کو مسجد الرابہ کہتے ہیں۔ جب مدینہ منورہ سے روانہ ہوں تو یہ شامی راستہ کے داہنی جانب اس پہاڑ پر ملے گی جس کا نام ذباب ہے۔ اس کی بنیاد عمر ابن عبدالعزیز سے ہے پھر منہدم ہو گئی تھی۔ مدینہ منورہ کے بعض امرا نے اس کی تجدید کی ہے۔ مسجد فتح اور اس کے درمیان میں کوہ سلع حائل ہے مساجد فتح پہاڑ کے غزنی جانب ہیں اور مسجد الذباب شرقی جانب نہایت بلند مقام پر

ہوا دار اور منور ہے۔ مدینہ منورہ اور قبلہ منورہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد سے تجلی خاص اور مشاہدہ مخصوص رکھتا ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے جبل ذباب پر نماز ادا فرمائی تھی۔ جس وقت غزوہ تبوک کو روانہ ہوئے تھے اسی پہاڑ پر خمیہ لگایا گیا تھا۔ حارث بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ یمن میں مروان بن الحکم کا ایک عامل تھا۔ اس کا نام ذباب تھا مروان نے اس کو جبل ذباب پر دار میں کھینچا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہلا بھیجا کہ تجھ پر افسوس ہے جس مقام پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی ہے تو نے اس کو مصلوب کیا اس کے بعد بعض اُمراء نے بھی اس کے اس بُرے دستور پر عمل کیا۔ آخر کار بعض بزرگوں کے منع کرنے سے باز رہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ کا ذباب پر خمیہ لگانا خندق کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ خندق کی کھدائی غزوہ احزاب میں ہوئی ہے۔ خندق کی وسعت سلع کے غری جانب سے مصلی عید تک اور مساجد فتح سے جبل ذباب تک تھی۔ چنانچہ اس کی تفصیل کتب سیر و تواریخ میں موجود ہے۔ اب کوئی اثر خندق کا باقی نہیں ہے۔ سوائے مذکورہ مقامات کے کہ ان سے برکات حاصل کر سکتے ہیں۔ بعض علماء نے اس مسجد کا پتہ ثنیۃ الوداع پر دیا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ثنیۃ ووداع مسجد سے قریب ہے۔

مسجد الفسح۔ یہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مشہد کے شمال جانب جبل احد کے دامن میں ہے۔ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ تُرْجِمُوا** (اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ کثادہ ہو کر مجلسوں میں بیٹھو۔ آخر آیت تک) اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

مطری کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ظہر اور عصر کی نماز اُحد کے دن لڑائی سے فاسخ ہونے کے بعد اسی مقام پر ادا فرمائی تھی۔ ابن شیبہ نے بھی اسی کے مطابق نقل کیا ہے۔ لیکن کسی خاص وقت کا تعین نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد عینین۔ بجانب قبلہ مشہد سید الشہداء کے ہے۔ اس جبل کو جبل الرماۃ کہتے ہیں۔ تیر انداز لشکر اسلام اُحد کے روز اسی مقام پر کھڑے تھے۔ اس مسجد کا اکثر حصہ منہدم ہو چکا ہے۔ سید الشہداء کو وحشی کا حربہ بھی اسی مقام پر لگا تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ظہر کی نماز اُحد کے دن پُل کے نزدیک

جبل عینین پر پڑھی تھی اور بھی روایت میں آیا ہے کہ سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے اصحاب کے صبح کی نماز مقام قنطرہ میں ہتھیار بنداد فرمائی تھی۔
مسجد الوادی۔ یہ جبل عینین کے شامی کنارہ پر واقع ہے۔ مطری نے کہا ہے کہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مقام بھی یہی ہے حرہ لگنے کے بعد اول مقام سے اس جگہ آکر گر پڑے تھے۔ ابن شیبہ نقل کرتے ہیں کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ مقتول ہونے کے بعد جبل رما تہی کے مقام پر رہے۔ اُس کے بعد انسور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بطن وادی سے اٹھا کر جس مقام پر اب آپ کی قبر ہے دفن کئے گئے بعض علماء نے اس مسجد کو مسجد العکر بھی کہا ہے۔

مسجد السفینا۔ سفینا ایک کنوئیں کا نام ہے۔ آنحضرتؐ نے بدر کے لشکر کو یہیں پر روکا تھا اور اسی مقام پر نماز ادا فرمائی تھی۔ اہل مدینہ کے لئے یہیں پر دعائے برکت کی تھی۔ بعض علماء نے اس مسجد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس مسجد کے مقام کے تعیین میں بھی متردد ہیں۔ سید ہمنودی کہتے ہیں کہ میں اس مسجد کی تحقیق میں کوئٹا ہوا۔ یہاں تک کہ زمین کے نیچے سے اس کی بنیاد نکل آئی اور تقریباً نصف نصف ہاتھ ہر جانب سے اس کی دیوار ظاہر ہو گئی۔ اس کے بعد لوگوں نے اسی بنیاد پر تختہ پید کر دی۔ مسجد سفینا اس مسجد کو کہتے ہیں جو مکہ کے راستے میں مدینہ کے اطراف کے قریب ہے۔ جو لوگ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مکہ معظمہ سے آتے ہیں ان کے لئے پہلی متبرک جگہ یہی مسجد ہے۔ گویہ چھوٹی ہے مگر مقدار ہفت درہفت واللہ اعلم۔

یہ مسجدیں وہ ہیں جو معلوم اور مشہور ہیں۔ مخلوق اُن کی زیارت سے مشرف ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ دوسری مساجد بھی ہیں جو چالیس سے زائد ہیں۔ جن کے بارے میں سمت کے سوا کچھ معلوم نہیں۔ تعیین جہت میں بھی بعض ایسے مقامات مذکور ہوئے ہیں کہ ڈھونڈنے میں طالب کو حیرت اور تردد کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ اسی وجہ سے اُن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ سید ہمنودی علیہ الرحمۃ نے ان سب کا تذکرہ کیا ہے۔
 واللہ الموفق۔ وہ کل مسجدیں جن کا ان اوراق میں ذکر ہوا ہے بائیس ہیں۔

باب دہم

اَنْ مُبَارَك كُنُودُلْ كَابِيَانْ جُوَا خَضْرَتِ سَلِي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کی وجہ سے مشہور ہیں

کنوئیں بھی مسجدوں کی طرح بہت ہیں لیکن اُن میں سے بعضے منہدم و معدوم ہو چکے ہیں۔ اُن کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ سید علیہ الرحمۃ نے اپنی تاریخ میں بیس سے زیادہ بیان کئے ہیں لیکن اس وقت جن کنوؤں کی زیارت مشہور ہے وہ صرف سات ہیں جن کا بیان تخصیص کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

بیرا اریس۔ بروزن جلیس۔ یہودیوں میں سے ایک شخص کے نام سے منسوب ہے جس کا نام اریس تھا۔ یہ مسجد قبا کے قریب مغرب کی جانب ہے اس کا پانی نہایت لطیف اور شیریں ہے۔ متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا تھا۔ اس وقت سے اس کے پانی میں لطافت اور شیرینی پیدا ہوئی ہے ورنہ اس سے پہلے یہ شیریں نہ تھا۔ یہی بیان کرتے ہیں کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب قبا میں آئے تو اس کنوئیں کا پتہ دریافت کیا ان کو ایک شخص نے اریس کے کنوئیں پر پہنچا دیا۔ حضرت انسؓ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لائے اور اس آدمی سے جو پانی بھر رہا تھا ایک ڈول پانی طلب فرمایا اور پیا بقیہ پانی کو مع لعاب دہن مبارک کنوئیں میں ڈال دیا اس کے بعد آپ پیشاب کے لئے تشریف لے گئے۔ اور پھر کنوئیں پر آکر وضو فرمایا دونوں موزوں پر مسح کر کے نماز ادا فرمائی اور بعضوں نے اس قصہ کو بیر عرض کے متعلق بیان کیا ہے واللہ اعلم۔

جو کچھ بیرا اریس کے متعلق صحت کو پہنچا ہے اور صحیحین میں آیا ہے یہ ہے کہ ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں میں نے وضو کیا اور گھر سے بقصد صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلا اور عہد کیا کہ آج آپ کی خدمت سے جدا نہ ہوں گا۔ میں مسجد تشریف میں آیا۔ یہاں آپ کو نہ پایا۔ لوگوں نے کہا کہ حضورؐ تو ابھی قبا کی جانب تشریف لے گئے ہیں۔ میں بھی

آپ کے قدموں کے نشان پر چل دیا۔ لوگوں نے پتہ دیا کہ آپ پر اریس پر تشریف رکھتے ہیں میں اس احاطہ کے دروازے پر پہنچا جس کے اندر وہ کنواں واقع ہے۔ میں بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے حاجت ضروری سے فراغت پا کر وضو کیا۔ اس کے بعد میں بھی آپ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کنوئیں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ساق مبارک کو کھولے ہوئے پاؤں کو کنوئیں میں لٹکائے ہوئے ہیں۔ میں سلام کر کے واپس آ گیا اور دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا کہ آج سرورِ انبیاءؐ کی درباری کروں گا ایک ساعت کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا کون ہے جواب دیا کہ ابو بکر۔ میں نے کہا کہ کھڑے رہیے میں حضورؐ کو خبر کر دوں۔ میں نے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابو بکر آئے ہیں اور اجازت مانگتے ہیں آپ نے فرمایا آنے دو اور ان کو جنت کی خوش خبری دے دو۔ میں ابو بکر صدیق کے پاس آیا اور جنت کی خوشخبری سنادی۔ پھر ابو بکر باغ میں داخل ہوئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی جانب بیٹھ گئے اور آپ کی اتباع میں اپنے پاؤں کو کنوئیں میں لٹکا دیا میں واپس آ کر پھر دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں اپنے اس بھائی کا منتظر تھا جس کو گھر چھوڑ آیا تھا۔ میں وضو کر رہا تھا اور دل میں کہتا تھا کہ کاش اس وقت وہ بھی آ جانا۔ کیونکہ آج پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقت خاص ہے۔ اگر وہ آجائے تو وہ بھی حضورؐ کی بشارت سے مشرف ہو جائے۔ اسی اثنا میں عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ پہنچے۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے دریافت کیا کون ہو۔ کہا عمر۔ میں نے کہا ٹھہرے رہو تاکہ حضورؐ کو خبر کر دوں۔ میں نے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ عمر آئے ہیں اور اجازت طلب کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آنے دو۔ اور ان کو بھی جنت کی خوش خبری دے دو۔ میں عمر کے پاس آیا۔ ان کو جنت کی خوشخبری دی۔ حضرت عمر بھی باغ میں داخل ہوئے۔ سرورِ انبیاءؐ کے بائیں جانب جس طرح آنحضرتؐ بیٹھے ہوئے تھے بیٹھ گئے۔ میں واپس آ کر دروازے پر بیٹھ گیا اور منتظر تھا کہ کاش میرا بھائی آ جانا۔ تھوڑی دیر بعد عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ آئے میں نے ان کی بھی خبر پہنچائی آپ نے فرمایا کہ آنے دو اور ان کو بھی جنت کی بشارت دو مع اس بلا کے جو ان کے سر پر آئے گی۔ میں نے عثمان کے پاس آ کر کہا کہ اندر آجائیے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں اس بلا کے

ساتھ جو تمہارے سر پر آئے گی۔ حضرت عثمان اندر آئے۔ چونکہ آنحضرتؐ کی نشست کی جانب اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف بھی جگہ تنگ تھی اس لئے ان کے روبرو دوسری جانب بیٹھ گئے۔

صبح بخاری میں ہے کہ آنسور کی انگوٹھی جو دستِ اقدس میں رہا کرتی تھی وہ آپ کے بعد ابوبکرؓ پھر عمرؓ کے ہاتھ میں رہی۔ ان حضرات کے بعد حضرت عثمان کے ہاتھ میں آئی۔ ایک دن حضرت عثمان کنوئیں پر بیٹھے ہوئے تھے اور انگوٹھی مبارک کو اُتار کر عادت کے موافق پھرا رہے تھے۔ انگوٹھی کنوئیں میں گر پڑی۔ تین روز تک جستجو کی اور پانی بھی کھینچا لیکن نہ ملی اور صبحِ مسلم میں ابن عمرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ انگوٹھی معقبات کے ہاتھ سے گری جو عثمان رضی اللہ عنہ کے خادم تھے ان دونوں حدیثوں میں مجازہ اور تاویل کر لیجئے واللہ اعلم۔ انگوٹھی کا گرنا آپ کی خلافت کے چھ سال گزر جانے کے بعد پیش آیا اور اسی دن سے آپ کی خلافت میں فتنہ شروع ہوا۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کی خاتمِ شریف میں کوئی اسرار ضرور پنہاں ہو گا۔ جیسا کہ خاتمِ سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کے گم ہونے میں تھا کہ اس کی گم شدگی سے آپ کے ملک میں خلل واقع ہو گیا تھا۔ بعض نے کہا ہے وہ دوسرا کنواں تھا اور یہ صدقاتِ عثمانیہ میں سے تھا۔ اور یہ حضرت عثمانؓ کا حصہ تھا۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے مالوں میں سے اس کو حضرت عثمان کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور دوسرا مال جو عبدالرحمن بن عوف سے چالیس ہزار دینار میں خرید کر اُمہاتِ المومنین اور ان کے علاوہ غیروں پر وقف کر دیا تھا اس مال کو بھی بیرارِ یس ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں واللہ اعلم۔

بیرارِ یس میں سیڑھیاں تھیں جن کے ذریعہ سے کنوئیں میں اُترنا اور اس سے وضو کرنا آسان تھا۔ ۳۲ ہجری میں اس کنوئیں کی تجدید کی گئی۔ اب اس میں اُترنے کا راستہ بند ہے۔ اس کے اوپر کی عمارت بھی نہیں باقی ہے۔ کہتے ہیں کہ رومیوں کے کسی غلام نے جو خباثتِ نفس اور نفاق کے مرض میں گرفتار تھا اس کا ایک باغ تھا اس نے نشاناتِ مصطفویہ کو مٹانے کی غرض سے اُترنے کا راستہ بند کر دیا۔ اور عمارت کو منہدم کر دیا۔ خذلہ اللہ۔

بیر غرس۔ یہ مسجد قبا کے شرقی جانب سے نصف میل کے فاصلہ پر ہے اور

غُرُ اُن مقامات کا نام ہے جو اس کے گردا گرد ہیں یہ ایک بہت بڑا کنواں ہے جس میں وہ درودہ سے زائد پانی ہے۔ اور اس کے پانی پر سبزی (کائی) غالب ہے اس میں زیتہ بھی ہے جس کے ذریعہ سے کنویں میں اُنڑ جاتے ہیں۔ ششہ ہجری میں اس کی تجدید ہوئی تھی۔ یہ بات ثبوت کو پہنچی ہے کہ آنحضرتؐ نے اس سے وضو کر کے بقیہ پانی کو اس میں ڈال دیا۔ ابن حبان ثقتہ لوگوں سے نقل کرتے ہیں کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ، بیرغس سے پانی منگواتے تھے اور فرماتے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ اس کا پانی پیتے تھے اور وضو کرتے تھے۔ ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنسور نے فرمایا کہ میں نے آج کی رات بہشت کے کنوؤں میں سے کسی کنویں پر صبح کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو بیرغس پر پہنچے اور وضو فرمایا۔ لعاب مبارک ڈالا آپ کے سامنے تختہ شہدیش کیا گیا۔ اس شہد کو بھی اس کنویں میں ڈال دیا اور ابن ماجہ ہند سے صحیح روایت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو وصال کے بعد سات مشکیزے میرے کنویں کے پانی سے یعنی بیرغس سے غسل دینا۔ آنحضرتؐ نے حالت حیات میں بھی اس کنویں کا پانی پیا ہے اور بھی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ سے فرمایا تھا کہ جب میں اس عالم سے سفر کروں تو بیرغس کے سات مشک پانی سے کہ جس کا پانی مطلقاً صرف نہ کیا گیا ہو۔ مجھے غسل دینا۔ اور امام محمد باقر سلام اللہ علیہ وعلیٰ آباءہ الکرام سے بھی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد وصال کے غسل بیرغس کے پانی سے ہوا تھا۔ آپ حیات میں بھی اُس کا پانی پیتے تھے۔

بیر رومہ - یہ بھی ایک بڑا کنواں ہے جو مسجد قبلتین کے شمالی جانب وادی عقیق میں واقع ہے اس کا پانی نہایت ہی لطیف اور بہت ہی شیریں ہے جس کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں آیا ہے لعن القلبی قلب المزنی۔ ترجمہ (بہت ہی عمدہ کنواں مزنی ہے) مزنی اور رومہ ایک ہی بات ہے۔ یہ کنواں مزنی کا تھا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس سے خرید کر وقف کر دیا تھا۔ نقل ہے کہ جب امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے حدیث نبویؐ کو سنا تو اس کنویں کا نصف حصہ سواؤنٹوں کے عوض میں خرید کر وقف کر دیا۔ کنویں کے مالک نے جب پانی کے اوپر مخلوق کی بھیڑ کثرت سے

دیکھی جو اس کو اس کے نصف حصہ سے کنویں کا نفع اٹھانے سے مانع ہوتی تھی تو بقیہ نصف حصہ بھی کچھ تھوڑی چیز کے عوض حضرت عثمان کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

ابن شیبہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا من یشتری رومۃ یشرب سر واک فی الجنة ترجمہ۔ (جو شخص ہر رومہ کو خریدے وہ سیراب ہوگا جنت میں) عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے مال سے خرید کر وقف کر دیا۔ بغوی نے بشر اسلمی سے روایت کی ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مہاجرین کی تشریف آوری کثرت سے ہو گئی تو پانی کی قلت محسوس کی جانے لگی۔ اس مقدس شہر میں شیریں پانی بہت کم تھا۔ بنی غفار کے ایک آدمی کے پاس ایک چشمہ دار کنواں تھا جس کو ہر رومہ کہتے تھے۔ یہ شخص پانی کا ایک مشکیزہ ایک مد کے عوض میں فروخت کرتا تھا۔ ایک دن سرور انبیاءؐ نے اس آدمی سے فرمایا کہ اس کنوئیں کو اس چشمہ کے عوض جو تجھ کو جنت میں ملے گا میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے اور میرے بچوں کے لئے اس کنویں کے سوا دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو پچیس ہزار درہم میں خرید کر اس کو مسلمانوں پر وقف کر دیا ابن عبد البر بیان کرتے ہیں کہ یہ کنواں ایک یہودی کا تھا۔ وہ اس کا پانی مسلمانوں کے ہاتھ بیچتا تھا۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنوئیں کے خریدنے کی ترغیب فرمائی اور اس کے خریدار کو جنت کی بشارت دی۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے اس کنوئیں کا نصف حصہ بارہ ہزار درہم کے عوض خرید لیا۔ لیکن بعد میں جب اس یہودی کو اس کے نصف حصہ سے نفع اٹھانا دشوار ہو گیا تو بقیہ نصف حصہ بھی اکٹھا ہزار کے عوض بیچ ڈالا۔

نسائی اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا گیا تو آپؐ نے محاصرہ کرنے والوں سے فرمایا کہ لوگو! میں تم کو خدا اور دین اسلام کی قسم دیتا ہوں تم خوب جانتے ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تھے اور مدینہ میں شیریں پانی کا وجود نہ تھا بجز رومہ کے پانی کے تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ جو شخص رومہ کو خریدے اس کے لئے اسی طرح کا کنواں بہشت میں ملے گا۔ میں نے اس کنوئیں کو خرید کر اس کو مالدار، فقیر، اور مسافران پر وقف کر دیا۔ اور یہ

بھی حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص حبشِ عسره کے لئے سامان مہیا کرے گا اس کے لئے بہشت واجب ہے۔ لہذا میں نے اس کا بھی سامان کیا تھا۔ لوگوں نے جواب دیا، ہم جانتے ہیں اور صبح میں بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے۔ پر رومہ کا وجود جاہلیت کے وقت سے ہے یہ منہدم ہو گیا تھا۔ شہدہ ہجری میں اس کی تجدید ہوئی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے من حضر بئر رومۃ فلہ الجنة ترجمہ :- جو شخص بئر رومہ کو کھودے اس کے لئے جنت ہے) اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی اس کے کھودنے اور اصلاح کی ضرورت تھی۔ واللہ اعلم۔

بیر لُصناعۃ۔ یہ کنواں مدینہ منورہ کے ثبامی باب کے نزدیک واقع ہے جب الثمان مشہد مطہرہ سیدنا حمزہ بن مطلب رضی اللہ عنہ کے رشتے پر چلے تو چلنے والے کے دہنی جانب واقع ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ بیر لُصناعۃ پر آئے اور ایک ڈول پانی طلب فرما کر وضو کیا بقیہ پانی مع لعابِ دہن مبارک کنوئیں میں ڈال دیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو شخص بیمار ہوتا تھا اس کو لُصناعۃ کے پانی سے غسل دیتے تھے۔ اس کی برکت سے بیمار کو جلد شفا حاصل ہو جاتی تھی۔ اہل سنت ابو بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو شخص بیمار ہوتا تھا اس کو تین دن لُصناعۃ کے پانی سے غسل دیتے تھے وہ صحت پا جاتا تھا۔ ابو داؤد و احمد و ترمذی وغیرہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ کی خدمت میں لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے لئے بیر لُصناعۃ سے پانی لاتے ہیں۔ حالانکہ لوگ اس میں کتوں کے گوشت حیض کے چھتھرے اور مختلف نجاستیں ڈالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔

نسائی نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا آپ بیر لُصناعۃ پر وضو فرماتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس پانی سے وضو کرتے ہیں حالانکہ اس میں لوگ بہت سی نجس چیزیں ڈالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا الماء لا ینجسہ شیئی یعنی پانی کو کوئی چیز نجس نہیں بنا سکتی۔ سہل بن سعد سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنا لعاب مبارک بیر لُصناعۃ میں ڈالا، اس کا پانی پیا اور اس کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ ابی اسید جو بیر لُصناعۃ کے مالک تھے بیان کرتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن مبارک ڈالنے کے بعد ہم اس کا پانی پیتے تھے اور برکت حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارے باغ میں میوہ نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ حضور نے فرمایا غول بیا بانی ہے جو میوہ کو چرا لے جاتا ہے اس کے بعد اگر میوہ میں کمی ہو تو کہو بسم اللہ اچیبی رسول اللہ جب ابواسید نے آنحضرت کے حکم سے اس کلمہ کو پڑھا تو ایک آواز سنی کہ اے ابواسید مجھے معاف کیجئے اور جناب رسالت کے حضور میں نہ لے جائیے۔ اس کے بعد ہرگز تمہارے گھر اور باغ کے قریب نہ جاؤں گا۔ اور میں تم کو ایک آیت سکھاتا ہوں جس کی برکت سے کوئی صدمہ تم کو یا تمہارے گھر والوں کو نہ پہنچے گا اور وہ آیت الکرسی ہے۔ جب ابواسید نے سارا قصہ دربار رسالت میں آکر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا لیکن دروغ گو ہے۔ سنی می کہتے ہیں کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں اور بعضوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ پیر البصہ اب بعضے اروام کے باغ میں آگیا ہے۔ جس سے اس کی زیارت آسانی سے میسر نہیں ہوتی ہے۔

پیر البصہ۔ یہ بفتح کے قریب تبا کے رشتے میں بائیں جانب واقع ہے۔ اگر بفتح کی جانب سے مدینہ مکرّمہ کے حصار کے نیچے چلیں تو یہ مذکورہ جگہ پر ملے گا۔ ابن عدی ابی سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنسور علیہ السلام ان کے گھر میں تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ تمہارے یہاں کچھ سد ہے تاکہ میں اس سے سر کو دھوؤں کیونکہ آج جمعہ کا دن ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں ہے۔ سدر لے لیا اور آنحضرت کے ہمراہ پیر پر چلا گیا۔ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے سر مبارک کو دھویا اور غسلہ کو کنوئیں میں ڈال دیا۔ اس کنوئیں میں زینہ ہیں اور اس کا پانی بہت نزدیک ہے۔

پیر حار۔ اس لفظ کی تحقیق شارحین حدیث نے کی ہے اور اس طرح مشہور ہے کہ رار موقوف اور حار مقصور ہے۔ حار ایک مرد یا ایک عورت کا نام ہے اس کنوئیں کی اصناف اس کی طرف کردی ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ حار اس مقام کا نام ہے جس جگہ یہ کنواں واقع ہے۔ یہ جگہ مسجد نبوی کے شمالی جانب قلعہ کی دیوار کے متصل مسجد نبوی سے بہت ہی قریب ہے۔ اگر قلعہ کی دیوار بیچ میں حائل نہ ہوتی تو مسجد شریف سے اس کنوئیں کا فاصلہ بہت ہی قریب تھا۔ کہتے ہیں کہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات تشریف

لاٹے تھے اور وہاں کے درختوں کے سایہ میں بیٹھتے تھے۔ اور اس کا پانی پیتے تھے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ابو طلحہ انصاری کے پاس باغ کی حیثیت میں بہت مال تھا۔ اور ان کے مالوں میں سے محبوب ترین مال ان کے نزدیک مسجد کے ردبرو ہی پر جار تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پر تشریف لے جاتے تھے اور اس کا پانی پیتے تھے۔ ابو طلحہ نے اس کنوئیں کو اپنے عزیز واقارب کے لئے وقف کر دیا تھا۔ میرے والد اور حسان ابو طلحہ کے اعزائیں سے تھے۔ حسان نے اپنے حصے کو معاویہ کے ہاتھ بیع ڈالا۔ حضرت حسان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم ابو طلحہ کے صدقے کو کس لئے بیچتے ہو۔ کہا کہ میں کیوں نہ بیچوں جب کہ ایک ساعہ تم ایک ساعہ درہم کے عوض بیچتے ہیں۔ معاویہ نے وہاں پر ایک محل بنوایا۔ جس مقام پر پہلے معاویہ کا محل تھا بعد میں وہاں بنی جزیلہ اور ابو جعفر منصوبہ کے محل بھی تھے۔ اب یہ کنواں ایک چھوٹے باغ میں ہے اور وہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے پانی نہایت شیریں اور ہوا خوش گوار اور مقام کشادہ ہے۔

بیر العہن۔ یہ عوائے مدینہ میں مسجد قبا کے شرقی جانب ایک بڑے باغ میں ہے جو ثرفا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہاں پر زراعت اور درخت بہت ہیں۔ مقام پاک صاف اور لطیف ہے۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر وضو کیا اور نماز ادا فرمائی۔ ان کے علاوہ اور بہت سے کنوئیں، اموال و صدقات، مساجد اور اشجار الیہ ہیں جو غزوات اور سفروں کے دوران مختلف شہروں میں آپ کی تشریف آوری سے مشرف ہوئے ہیں۔ ان میں چٹے، وادیاں، خطے اور پٹے بھی شامل ہیں۔ ان سب کا ذکر اس شہر مبارک کی تواریخ میں موجود ہے۔ لیکن اس جگہ اختصار اور تنگی وقت کے پیش نظر کوتاہی سے کام لیا گیا ہے۔

منجملہ ان پاک چٹنوں کے جو اس وقت جاری ہیں اور ان سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ چشمہ زرقا ہے۔ یہ قبا کے نخیل کے درمیان سے نکلتا ہے۔ مروان بن الحکم جس وقت مدینہ کے عامل تھے حضرت معاویہ کے حکم سے اس چشمہ کو کھود کر مدینہ منورہ تک لائے۔ اس کا پانی نہایت شیریں اور لطیف ہے۔ بغیر حکم کے اس کی صفت خیال میں نہیں آ سکتی منجملہ ان وادیوں کے جو مشہور اور متبرک ہیں وادی عقیق ہے۔ احادیث میں اس کے فضائل کا ذکر موجود ہے۔ اہل عرب کے اشعار میں اس کا تذکرہ حدیث سے زائد ہے۔ صحیح حدیث

میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وادی عقیق کی شان میں میں نے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ آج کی رات ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور کہا صل فی ہذا الوادی المبارک۔ ترجمہ :- (اس وادی مبارک میں آپ نماز پڑھیے) دوسری حدیث میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ العقیق وادی مبارک۔ ترجمہ :- (عقیق وادی مبارک ہے) انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انس نے کہا میں ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ سے باہر وادی عقیق کی طرف گیا۔ آپ نے فرمایا اے انس اس وادی کے پانی سے لوٹے بھرو ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں اور وہ ہم کو دوست رکھتا ہے۔ سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں شکار بہت کرتا تھا اور آنحضرت کی خدمت میں ہدیتاً گوشت بھیجا کرتا تھا۔ ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کہاں تھے میں نے عرض کیا شکار کو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے خبر ہوتی تو وادی عقیق تک تمہارے ساتھ چلتا۔ وادی عقیق مدینہ منورہ کے قبلہ کی جانب مائل ہے۔ فاصلہ وادی عقیق اور قبا کے درمیان کا فیصلہ میں ایک دن یا اس سے کچھ زیادہ کا ہے۔ اور وہاں سے ذی الحلیفہ سے گزرتا اور بیرومہ کے غری جانب ہوتا ہوا مدینہ میں پہنچتا ہے۔ اور اس وادی کی کثرت روانی اور دیگر وادیوں کے متعلق لوگوں نے عجیب و غریب حکایات نقل کی ہیں۔ واللہ اعلم۔

گیارہواں باب

ان مکانات اور مشاہدات کا بیان جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں منقول اور مشہور ہیں

علماء تاریخ اور حدود و آثار کے محققین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مساجد و مشاہد جو آپ کے سفر و غزوات میں منقول اور مشہور ہیں جمع کر دیے ہیں۔ ان میں سے

اکثر اس زمانہ میں لاپتہ ہو چکے ہیں اُن کے آثار تک مٹ گئے ہیں اور بجز خبر کے کوئی اثر نہیں مل سکتا۔ مگر وہ مقامات جن کی زیارت سے لوگ مشرف ہوتے ہیں۔ ان کے حالات ان اوراق میں لکھے جائیں گے یہ ان بعض مساجد کا تذکرہ ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں واقع ہے۔

مسجد ذی الحلیفہ۔ بعضوں نے اس کو مسجد الشجرہ بھی کہا ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے جب پہلی مرتبہ عمرہ کی نیت سے مکہ کا قصد فرمایا اور دوبارہ حج کی غرض سے مکہ کا ارادہ کیا تو درخت سمرہ کے سایہ میں بیٹھے۔ یہ درخت ذی الحلیفہ میں تھا۔ یہاں آپؐ نے نماز ادا فرمائی۔ رات میں قیام بھی فرمایا اور وہیں سے آپؐ نے احرام باندھا۔ اب یہ اہل مدینہ کا میقات ہے۔ وہاں پر جو بڑی مسجد تھی وہ طویل زمانہ کی وجہ سے منہدم ہو گئی تھی۔ ^{۱۸۶} شہ ھ میں اس کی تجدید کی گئی اور آنحضرتؐ نے اس مسجد میں نماز اسطوانہ وسطیٰ کی جانب ادا فرمائی تھی۔ شجرہ بھی اسی مقام پر تھا۔ مطری کہتے ہیں کہ اس بڑی مسجد کے قبلہ کی جانب ایک دوسری چھوٹی سی مسجد ہے جو ایک تیر کے فاصلہ پر ہے ممکن ہے حضورؐ نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی ہو۔ سہمنووی کہتے ہیں کہ اس چھوٹی مسجد کو مسجد المعرس کہتے ہیں جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے بعض غزوات سے واپسی کے وقت یہاں تعریس فرمایا تھا اور نماز ادا کی تھی۔ آخر رات میں آرام کی غرض سے مسافر کے اتر پڑنے کو تعریس کہتے ہیں اور صحیح حدیث میں ابن عمرؓ سے آیا ہے کہ آنحضرتؐ کا خرچ شجرہ کے راستے سے تھا۔ اور داخلہ معرس کے راستے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی اس مقام پر پہنچتے تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریس کا مقام ڈھونڈ کر وہیں تعریس کیا کرتے اور منجملہ ان دوسری مسجدوں کے جو مکہ مکرمہ کے راستہ میں ہیں۔

مسجد شرف الرواح بھی ہے۔ روح ایک مقام کا نام ہے۔ مدینہ منورہ اور اس کے درمیان میں اکتالیس میل کا فاصلہ ہے۔ صحیح میں مسلم نے کہا ہے کہ چھتیس میل ہے اس مسجد سے مدینہ منورہ کی جانب اکثر پانی کے نالے ہیں۔ جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوں تو راستہ کے داہنی جانب شرف رواح کے نزدیک ایک مسجد ملے گی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس میں نماز ادا فرمائی تھی اور آنحضرتؐ کے بعد یہ نالہ آباد ہو گیا تھا اور اب وہاں پر بہت سے چٹھے اور آبادیاں ہو گئی تھیں۔ والی مدینہ کی جانب سے وہاں پر ایک حاکم رہتا تھا۔ وادی کے باشندوں کے اشعار و اقوال صفحہ زمانہ پر یادگار ہیں اس وقت بھی بعض نشانات اور ٹیلوں کو دیکھ کر وہاں کی آبادی پر استدلال پکڑ سکتے ہیں۔ قافلہ کی گزر گاہ پر بہت سی پرانی قبریں ہیں جو کبھی اس وادی کے باشندوں کا مدفن تھا۔ سہمنووی کہتے ہیں کہ لوگ ان کو شہداد کی قبریں کہتے ہیں ممکن ہے کہ یہ اہل بیت کی قبور ہوں جو ظلماً قتل کئے گئے ہیں جیسا کہ بعض ان خبروں سے معلوم ہوتا ہے جو اس کے ترجمے میں آئے اس کو وادی بنی سالم کہتے ہیں۔ یہ حجاز کے عربوں کا بطن تھا۔ لیکن اب وہاں کے مکانات یا باشندوں کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ وادی اور اہل وادی کو سیلاب فنا بہا لے گیا۔ وہاں پر ایک پہاڑ ہے اس کو جبل ورقان کہتے ہیں۔ عرق الطیبہ بھی اسی کا نام ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ اول غزوہ جو آنحضرتؐ نے کیا تھا وہ غزوہ ابوا تھا۔ جب آپ عرق الطیبہ کے نزدیک روحا پر پہنچے تو فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو اس پہاڑ یعنی ورقان کا کیا نام ہے اس کا نام حمت ہے اس کے بعد آپ نے دعا کی۔ اللہم بارک فیہ وبارک لاہلہ فیہ ترجمہ :- اے اللہ تو اس میں برکت دے اور یہاں کے رہنے والوں کو برکت عطا فرما اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جانتے ہو اس وادی کا کیا نام ہے۔ اس کا نام سحاج ہے اور یہ وادی جنت کی وادیوں میں سے ہے۔ مجھ سے پہلے ستر پیغمبروں نے اس وادی میں نماز ادا کی ہے اور موسیٰ بن عمران علی نبینا وعلیہ السلام نے مع ستر ہزار بنی اسرائیل کے یہاں قیام کیا ہے۔ آپ دو عبائی قبطوانی پہنے ہوئے اونٹنی ورتہ پر سوار تھے۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ عیسیٰ بن مریم بھی بقصد حج یا عمرہ اس وادی میں نہ گزر لیں۔

ابو عبیدہ بکری نے کہا ہے کہ مضر بن نزار کی قبر روحا میں ہے۔ مضر بن نزار آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ وادی روحا میں پہاڑ کی جانب ایک مسجد ہے۔ جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو روانہ ہوں تو یہ مسجد راستہ کے بائیں جانب پڑے گی۔ اس کو مسجد الغزالہ کہتے ہیں۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

اس مسجد میں نماز ادا فرمائی تھی یہاں پر ایک مقام ہے جس کو انابیہ کہتے ہیں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں پر قیام فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ وہاں پر ایک درخت تھا جب ابن عمر وہاں قیام کرتے تھے تو وضو کرتے اور لقبہ پانی درخت کی جڑ میں ڈالتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی طرح کرتے ہوئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ آنحضرتؐ کے اتباع میں درخت کے گرد پھر کر اُس کی جڑ میں پانی ڈالتے تھے۔ اس مسجد کا وہ راستہ جس سے آنحضرتؐ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو تشریف لے جاتے تھے۔ بائیں جانب ہے زمانہ قدیم سے یہی راستہ جاری تھا۔ اس کو انبیاء کا راستہ کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین جب مکہ مکرمہ کے حج کا قصد کر کے تشریف لے جاتے تھے وہ سب اسی راستے سے گزرتے تھے۔ اسی راہ میں ایک کنواں بھی ہے جس کو پیر السقیاء کہتے ہیں یہ اس پہاڑ کی گھائی پر ہے جس کا نام ہر شا ہے۔ اب اس راستے کے دائیں جانب ایک دوسرا راستہ بھی ہے جس پر لوگ چلتے ہیں علمائے تاریخ نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ کی بہت سی مساجد نبویہ اور مقامات مصطفویہ کو بیان کیا ہے مگر اس وقت اُن میں سے بیشتر کے علامات و نشانات مٹ چکے ہیں بجز ان مساجد کے جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ گو کہ ان کے اثرات بے شک پائے جاتے ہیں لیکن وہ طالبانِ مشرق جن کی چشم بصیرت سرمدِ ہدایت سے منور ہیں اور جن کے باطن کی آنکھیں نورِ عنایت سے منور ہو رہی ہیں۔ ان سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ان تمام پہاڑوں، میدانوں اور مکانات سے کس قدر روحانیت اور نورانیت جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ ان مقامات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جو جمالِ مصطفوی کے سعادتِ اثر سے ممتاز نہ ہوا ہو۔

مسجد بدر۔ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے بدر ایک مشہور مقام ہے۔ یہ ایک وادی ہے آنحضرتؐ کا سب سے پہلا غزوہ اسی مقام پر ہوا اور یہ غزوہ اسلام کی عزت، مسلمانوں کی شوکت اور کفار کی ذلت کا سبب ہوا اس کی تفصیل غزوات کی کتاب میں لکھی گئی ہے۔ اس مقام پر آنحضرتؐ کے لئے ایک عرش بنایا گیا تھا۔ عرش اس مکان کو کہتے ہیں جو خرمہ کی شاخ وغیرہ سے تیار کیا جائے۔ اس کے بعد

لوگوں نے وہاں پر ایک مسجد تعمیر کرادی جو اب بھی موجود ہے۔ اس مقام کے متبرک مقامات میں ان شہدا کی قبریں شمار کی جاتی ہیں جو اس غزوہ میں شرف شہادت کو پہنچے تھے۔ یہاں کے غرائب میں جو چیز مشہور ہے وہ یہ ہے کہ مزاراتِ شہدا کے بالائی جانب ریت کا جو ٹیلہ ہے وہاں سے نقارہ کی مانند ایک آواز سنائی دیتی ہے جس کے سننے یا وجود میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ ثقہ لوگوں کے بیان سے اس کا سنا ثابت ہے۔ اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ لیکن بعض متاخرین یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس کے نیچے کوئی ایسی شے موجود ہو جو ہمارے ادراک سے باہر ہے واللہ اعلم۔

سہمنودی نے مسجد بدر کا تذکرہ اپنی تاریخ میں نہیں کیا ہے۔ اُن مساجد کے منجملہ جو مکہ کے راستہ میں معلوم اور متعین ہیں مسجد خلیص ہے۔ یہ مسجد مکہ معظمہ سے تین روز کے فاصلے پر ہے جہاں پر ایک کھجور کا درخت اور ایک چشمہ تھا۔ وہاں پر ایک مسجد تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی تھی۔ اور اس سال یعنی ۹۹ھ میں سلطان روم نے اس مسجد کی تجدید کرائی اور چشمہ کو اس مسجد کے صحن میں جاری کر دیا۔ سہمنودی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حرہ عقبہ میں خلیص ایک دوسری مسجد ہے گاؤں سے لے کر وہاں تک تین میل کا فاصلہ ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قدید جو خلیص سے مدینہ منورہ کی جانب ایک دوسرا پڑاؤ ہے اس مسجد کے راستے کے داہنی جانب ہے ام معبد کا خیمہ قدید ہی میں تھا۔ جب آنحضرتؐ اور ابو بکر صدیقؓ ہجرت کے دوران قدید پہنچے تھے تو یہ ام معبد ہی تھیں جن کی بکریوں کے تھن میں آنحضرتؐ کے معجزے سے دودھ اُتر آیا تھا۔

مسجد کسوف۔ یہ مسجد تنیم کے قریب مکہ معظمہ سے ایک منزل اور تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر بھی یہیں پر ہے اور ان کا نکاح وزفاف بھی اسی مقام پر ہوا تھا۔

مسجد النعیم۔ تنیم ایک مقام ہے۔ مکہ کے رہنے والے عمرہ کا احرام یہیں سے باندھتے ہیں۔ سہمنودی کہتے ہیں کہ یہاں پر ایک درخت تھا اور کنوئیں بھی تھیں اور اسی جگہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تھی۔ لیکن اب یہاں پر مشہور مسجد حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے کہ آنحضرتؐ کے حکم سے حج و دارع میں عمرہ کا احرام پہنیں سے باندھا تھا اور یہ مقام بہت زیادہ مشہور ہے۔
 مسجد ذی طوی - ذی طوی اُن مکانات سے متصل ایک کنواں ہے جو مکہ مکرمہ سے خارج ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے تھے تو اسی مقام پر قیام فرمایا تھا۔ اور رات یہیں گزار دی تھی۔ صبح کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ کا مصلے برا کہ غبط میں تھا۔ اس وقت جو مسجد موجود ہے یہ مقام اس کے علاوہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بارہواں باب

مقبۃ شریفہ بقیع اور وہاں کے دیگر مقابر مرتبہ کا ذکر اور فضائل بقیع کا بیان

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ جب اخیر رات ہوئی تو آپ بقیع کی جانب تشریف لے گئے اور وہاں کے مدفونوں کو سلام کیا۔ نیز ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور کہا السَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارِ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ وَ اَتَاکُمْ مَا تَوْعَدُوْنَ وَاَنَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَاهْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ۔

دوسری روایت میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آیا ہے کہ آنحضرتؐ گھر سے باہر تشریف لائے میں بھی آپ کے پیچھے باہر آگئی۔ میرا خیال یہ تھا کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں تشریف نہ لے جاتے ہوں۔ آخر کار آنحضرتؐ بقیع میں پہنچے اور دیر تک کھڑے رہے۔ آپ نے تین مرتبہ دست مبارک کو اٹھا کر دُعا فرمائی اور جلد ہی واپس ہوئے۔ میں نے بھی جلدی کی۔ آنحضرتؐ کے پہنچنے سے پہلے گھر میں آگئی اور چپ چاپ

آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ جب آپ نے مجھ میں اضطراب کے نشانات مشاہدہ کئے تو فرمایا کہ اے عائشہ کیا حال ہے اور کیا ہوا کہ تم مضطرب معلوم ہوتی ہو۔ میں نے سارا قصہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ سیاہی جو میں نے اپنے سامنے دیکھی تھی شاید تمہیں تھیں۔

میں نے کہا۔ بے شک یا رسول اللہ۔

آپ نے اپنا دست شفقت میرے سینہ پر مار کر فرمایا کیا تم نے گمان کیا تھا کہ خدا و رسول خدا تم پر ظلم کریں گے۔

میں نے کہا کہ یا رسول اللہ خدا سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں ایسا ہی خیال تھا۔ لیکن میں کیا کروں۔ تقاضائے بشری نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا۔

حضور نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور باہر سے آواز دی انہوں نے تم سے پوشیدہ رکھا۔ میں نے بھی ظاہر نہ کیا۔ جبریل علیہ السلام کی عادت ہے کہ جب تم لباس اتارتی ہو گھر کے اندر نہیں آتے ہیں۔ اور میں نے بھی گمان کیا کہ تم سو رہی ہو۔ کیوں بیدار کر کے پریشان کروں۔ جبریل علیہ السلام وحی لائے تھے کہ آپ کے پروردگار حکم کرتے ہیں کہ آپ بقیع تشریف لے جائیں اور اہل بقیع کے لئے استغفار کریں۔

آپ کی دعا کے الفاظ نسائی کی روایت میں ایسے آئے ہیں السّلام علیکم دار قوم مومنین وانا وایاکم متواعدون غلامواکلون اور بعض روایت میں یہ لفظ بھی زیادہ کئے ہیں الھم لا تخر منا اجرھم ولا تفتنا بعدھم۔

بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ یہ واقعہ نصف شعبان کی شب میں ہوا اور یہ بھی آیا ہے السّلام علیکم اھل القبور ویعفی اللہ لنا ولکم انتم لنا سلف و عن بلاثر۔ اور ابی موسیٰ غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آدھی رات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بیدار کیا اور فرمایا مجھ کو حکم ہوا ہے کہ بقیع میں جاؤں اور اہل بقیع کے لئے بخشش کی دعا کروں۔ آنحضرت کے ہمراہ میں بقیع میں گیا۔ آپ نے قیام کیا اور فرمایا السّلام علیکم یا اھل المقابر

لہین ما اصبحتم فیہ مما اصبحت الناس فیہ اقبلت الفتن کقطع اللیل
المظلم یتبع اخرها اولها الاخرۃ شر من الاولى اس کے بعد فرمایا کہ اے ابو موہبہ
جبریلؑ اللہ کی طرف سے دُنیا کے خزانوں کی کنجیاں میرے پاس لائے اور مجھ کو مختار
بنایا کہ چاہوں تو دُنیا میں رہنا ہمیشہ کے لئے اختیار کر لوں یا جنت میں درجاتِ عالیہ
کو پسند کر لوں یا پروردگار کی ملاقات کے لئے جلدی کر دوں۔ میں نے اپنے پروردگار کی
ملاقات کو پسند کر لیا۔ ابو موہبہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خزانِ دُنیا
کی کنجیاں لے لیجئے اس کے بعد بہشت میں داخل ہو جائیے فرمایا نہیں خدا کی قسم اے
ابو موہبہ میں اپنے پروردگار کی ملاقات کو چاہتا ہوں۔ اس کے بعد بقیع سے واپس
ہوئے اور جس دروس میں آپ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی ہے۔ وہ شروع
ہو گیا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور بقیع غرتہ میں آئے اور تین مرتبہ فرمایا
السَّلَامُ عَلَیْکُمْ یا اهل القبور۔ اور ارشاد فرمایا کہ آرام کرو تم اے مردِ خلاص
ہوئے تم ان فتنوں اور بلاؤں سے جو تمہارے بعد ہوں گی۔ اس کے بعد آپ اپنے
اصحاب کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ لوگ یعنی مرے تم سے بہتر ہیں
صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں۔ جس طرح یہ ایمان لائے
ہم بھی ایمان لائے ہیں ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا ہے ہم بھی خرچ
کرتے ہیں۔ یہ لوگ دُنیا سے گئے ہم بھی جائیں گے۔ پھر ان لوگوں کو ہم پر کس وجہ
سے فضیلت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ دُنیا سے گزر گئے اور اپنے اجر میں سے
کوئی چیز دُنیا میں نہ لی اور میں نہیں جانتا ہوں کہ تم اس کے بعد کیا کام کرو گے اور
کیا کیا فتنے تمہارے درمیان میں ظاہر ہوں گے۔

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مقبرہ
کی جانب تشریف لائے۔ اور فرمایا السَّلَامُ عَلَیْکُمْ یا قومِ مومنین وانا انشاء اللہ بکم
لاحقون۔ پھر فرمایا کاش ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میرے صحابی ہو۔ میرے بھائی
وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے۔ اور انہوں نے ابھی تک ملکِ ہستی میں قدم بھی
نہیں رکھا ہے۔ میں ان لوگوں کا حوض کوثر پر مقدمۃ الجیش ہوں گا۔ صحابہ نے عرض

کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی اُمت کے جو لوگ آپ کے بعد آئیں گے اور آپ نے ان کو دیکھا تک نہیں ہے ان کو کس طرح سے پہچانے گا۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص کے پاس سیاہ گھوڑے ہوں اور دوسرے کے پاس ابلق۔ کیا وہ شخص اپنے گھوڑوں کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا۔ میری اُمت بھی قیامت کے دن وضو کے آثار کی وجہ سے سفید پیشانی سفید پاؤں پیچ کلیان گھوڑے کی طرح اٹھیں گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ یقین کے مقبرہ سے ستر آدمی بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے نہ تو اپنے جسم کو داغاً ہو گا نہ کسی فال بد سے سروکار رکھا ہو گا بلکہ ہر کام میں خدائے تعالیٰ پر بھروسہ رکھا ہو گا۔ دوسری روایت میں ایک لاکھ کی تعداد آئی ہے۔ اور اعمال میں اتنا زیادہ کر دیا ہے کہ انہوں نے جادو بھی نہیں سیکھا۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یقین کے راستے سے مدینہ منورہ کو آ رہا تھا میرے ساتھ ابن راس جالوت بھی تھے جو اہل کتاب میں سے ہیں۔ جب ان کی نظر یقین پر پڑی تو کہا یہی ہے۔ یہی ہے۔ معصوب نے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے وہ کہنے لگے کہ میں نے نوریت میں پڑھا ہے کہ ایک مقبرہ دو سنگستان کے درمیان میں ہے جس کا نام نخیل ہے۔ اس میں سے ستر ہزار آدمی ایسے اٹھیں گے جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اسی کے مثل دوسری خبریں مقبرہ نبی سلمہ کے لئے بھی آئی ہیں۔ یہ مقبرہ منزل بنی حرام کے نزدیک مدینہ منورہ کے غنی جانب جبل سلع کے دامن میں مساجد فتح کے راستہ پر ہے جیسا کہ مساجد کے ذکر میں معلوم ہو چکا ہو گا لیکن اب یہ مقبرہ مفقود ہے اور اس میں مردے دفن نہیں ہوتے ہیں نیز یقین کی فضیلت اس میں مردوں کا دفن کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آپ کے اصحاب کی مدینہ منورہ میں موت اور حضور کی شفاعت و شہادت کی بشارت میں بہت سی احادیث اور اخبار موجود ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص مدینہ میں مرے اور یقین میں دفن کیا جائے وہ حضور کی شفاعت سے ممتاز ہو گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم زمین سے اٹھیں گے آپ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد اہل یقین پھر اہل مکہ۔

اور دوسری حدیث میں ہے من مات باحد الحرمين لبعث من الامنین يوم القيمة۔
ترجمہ :- جو شخص کہ دونوں حرموں میں سے کسی حرم میں مرے وہ قیامت کے
دن آمینین کے گروہ میں اٹھایا جائے گا۔

ایک اور حدیث ہے کہ دو مقبرے ایسے ہیں جن کی روشنی آسمان پر ایسی ہے جیسی کہ زمین
پر چاند سورج کی۔ ایک تو مقبرہ بقیع ہے اور دوسرا مقبرہ عسقلان۔ کعب احبار سے روایت
ہے تو ریت میں آیا ہے کہ بقیع کے مقبرہ پر ملائکہ مقرر ہیں اور جس وقت یہ بھر جاتا ہے تو اس
کو اٹھا کر ہبشت میں جھاڑ دیتے ہیں۔ لیکن بقیع کے مدفون بے شمار ہیں۔ اور بہت سے اصحاب
جنت مآب نے حضور کے زمانہ میں نیز آنسور کے بعد وفات پائی ہے۔ اسی مقبرہ متبرکہ
میں دفن ہوئے ہیں۔ قاضی عیاض مدارک میں امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ دس ہزار
صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ اور ایسے ہی سادات اہل
بیت نبوت سلام اللہ علیہم اور علمائے تابعین رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ جن کی قبور کا
پورا پورا پتہ معلوم نہیں مگر بعض کے قبور کی سمت ضرور معلوم ہوئی ہے۔ کیونکہ زمانہ سلف
میں بنائے قبور یا ان کے نام لکھنے کا دستور نہ تھا۔ یقیناً لوجہ طول زمانہ ان کے
نشانات مٹ گئے ہیں اور اس زمانہ میں جو بعض قبریں اور قبے بنائے گئے ہیں یہ سارے
گمان غالب کے اعتبار پر بنائے گئے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں پتہ نہیں چلتا۔ ہمنوردی
رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل - ان قبروں کا بیان جو بعینہ یا بحیثیت سمت کے معلوم ہیں۔

قبر ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
آپ سب سے پہلے شخص ہیں جو بقیع میں دفن ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی
موت کے بعد ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ان کو بقیع میں دفن کر دتا کہ ہمارے
لئے اس معاملے میں یہ مقدمتہ الجیش ہوں اور فرمایا السلف سلفنا عثمان بن
مظعون۔ ترجمہ :- (کیا ہی عمدہ مقدمتہ الجیش ہمارے لئے عثمان بن مظعون ہیں)۔
اس وقت بقیع میں عرقہ نامی درخت بہت لگے ہوئے تھے۔ اسی سبب سے اس مقام
کو بقیع عرقہ کہتے ہیں۔ آپ نے ان درختوں کو نکال کر زمین صاف کی اور عثمان بن
مظعون کو دفن کیا۔ آپ کی قبر دار عقیل کی شرقی جانب ہے۔ اس وقت بھی ان کا قبہ

وہاں پر موجود ہے۔ آنحضرتؐ نے اس کا نام روحا رکھا ہے یہ مقام بقیع کے وسط میں ہے حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے مہاجرین میں سے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان کو کہاں دفن کریں آپ نے فرمایا کہ بقیع میں قبر تیار کرو۔ قبر سے ایک پتھر لکھا۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اٹھا کر قبر کی پائنتی نصب کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ سر ہانے نصب کیا۔ جب مروان ابن الحکم مدینہ منورہ کا والی مقرر ہوا ایک دن اس کا گزر عثمان بن مظعون کی قبر پر ہوا حکم دیا کہ اس پتھر کو یہاں سے اٹھا کر پھینک دو۔ میں نہیں چاہتا کہ عثمان بن مظعون کی قبر پر کوئی ایسی علامت رہے جس کے ذریعہ سے وہ ممتاز اور معین ہوں بنو امیہ اس کو اس حرکت پر ملامت کی اور کہا کہ تو نے بہت ہی بُرا کیا۔ جس پتھر کو پیغمبر خداؐ نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر رکھا تھا تو نے جدا کر دیا۔ مروان نے کہا میں حکم دے چکا اب اس کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے حکم دیا کہ اس پتھر کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قبر پر رکھیں۔

ابو داؤد صحیح روایت میں بیان کرتے ہیں کہ جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن کیا تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک پتھر لاؤ۔ وہاں ایک بہت بڑا پتھر تھا جس کو کوئی اٹھانہ سکتا تھا۔ سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آستین چڑھا کر ایک ہی مرتبہ میں اس پتھر کو اٹھا لیا اور عثمان بن مظعون کے سر ہانے رکھ دیا۔ اور یہ فرمایا کہ اس پتھر سے اپنے بھائی کے قبر کی نشانی کرتا ہوں۔ میرے گھر والوں میں سے جو شخص مرے گا یہیں دفن کر دوں گا۔ عثمان بن مظعون کی قبر آنسور کے مکان کے مقابل تھی جو شخص یہاں کھڑا ہوتا بغیر کاوٹ اس کی نظر آنحضرتؐ کے گھر پر پڑتی۔ اس کے بعد سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔ آپ چھ مہینے کے تھے اور بقول بعض اس سے زیادہ۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس بقیع کے اندر دفن کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ابراہیم کے لئے جنت میں ایک انا ہوگی جو ان کی ایام شیرخوارگی کو پورا کرے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ابراہیم کی قبر پر مٹی ڈالی اور پانی چھڑکا۔ اس سے پہلے کسی قبر پر پانی نہیں چھڑکا گیا تھا۔ ان کی قبر پر

سنگ ریزے بھی چنے۔ جب دفن سے فارغ ہوئے تو فرمایا السلام علیکم۔ جب سیدنا ابراہیم کی قبر بقیع میں بن گئی تو ہر قبیلہ نے ایک گوشہ میں اپنا مقبرہ بنجوا کر لیا۔ اور بقیع عرقہ مسلمانوں کا قبرستان ہو گیا۔

قبر رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ وسلم۔ جب ان کی وفات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ان کو ہمارے مقدمۃ الجیش عثمان بن مظعون کے پاس دفن کرو۔ لہذا ان کی قبر کے متصل حضرت رقیہؓ کو دفن کیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو عورتوں کی ایک جماعت نے اُن پر رونا شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مار کر منع کیا اور چھڑکا۔ سردارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ رنے دو جو حرکت ہاتھ اور زبان سے ہوتی ہے وہ شیطان کی جانب سے ہے ورنہ رونا بغیر لوحہ کے منع نہیں ہے۔

روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا رقیہؓ کی قبر کے کنارے قوتی تھیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے کے کنارے سے ان کے آنسو پونچھتے تھے مشہور ہے کہ آنحضرتؐ رقیہؓ کے انتقال میں موجود نہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے لئے چھوڑ کر غزوہ بدر کو روانہ ہو گئے تھے۔ جب زید بن حارثہؓ غزوہ بدر کی فتح کی خوشخبری لائے تو عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کی قبر پر کھڑے ہیں اور دفن کر رہے ہیں۔ جو بات صحت کو پہنچی ہے وہ آنحضرتؐ کی اُم کلثومؓ کے دفن کے وقت کی موجودگی ہے۔ اور شاید پہلی خبر جس سے حضورؐ کی موجودگی سمجھی جاتی ہے ان کے دفن میں ہے۔ یا زینبؓ کے انتقال میں جو شہ میں ہوا ہے۔ سید علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک دفن کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ نے عثمان بن مظعون کے دفن اور ان کی قبر کے نزدیک پتھر رکھتے وقت فرمایا تھا کہ میں اپنے اہل بیت کو ان کے قریب دفن کیا کروں گا۔ اور اس وقت اُسی مقام کے قریب ایک قبہ ہے اس کو قبۃ بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔

قبر فاطمہ بنت اسد۔ ام امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ۔ بہ روایت محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب یہ بھی سیدنا ابراہیم اور عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک دفن ہیں۔

در دوسری روایتیں بھی اس کی تائید میں آئی ہیں۔ سہمنودی کہتے ہیں کہ اس وقت اس
 جگہ کے متعلق لوگوں کا جو یہ اعتقاد ہے کہ جو قبہ فاطمہ بنت اسد کا قبہ امیر المومنین عثمان
 رضی اللہ عنہ کے شمالی جانب ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ بعض مورخین نے اس کی موافقت
 بھی کی ہے۔ سہمنودی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سرورِ انبیاءؐ اس محبت
 و شفقت کے باوجود جو ان سے رکھتے تھے ان کو بقیع سے دُور دفن کرتے حالانکہ عثمان
 بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن کے وقت جو الفاظ آپؐ نے ادا فرمائے تھے۔
 رہ ابھی معلوم ہو چکے تھے۔ اب جب کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا مشہد بقیع میں
 حقیقتاً داخل نہیں ہے اور یہ قبہ جو فاطمہ بنت اسد کی طرف منسوب ہے۔ بذات خود
 دُور ہے تو فاطمہ بنت اسد کا اس میں دفن کرنا بہت ہی بعید بات ہے۔ محمد بن علی
 بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد کے انتقال کا وقت
 نزدیک آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ان کا انتقال ہو تو مجھے خبر کرنا
 اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ مسجد کی اس جگہ میں جس کو آج کل قبر فاطمہ کہتے ہیں قبر کھود
 کر بغلی بناؤ۔ جب لحد کھودنے سے فالغ ہوئے تو سرورِ انبیاءؐ صلی اللہ علیہ وسلم قبر
 میں اترے اور لحد میں لیٹ گئے پھر قرآن پڑھا اس کے بعد اپنے جسم مبارک سے
 پیراہن شریف اتارا اور فرمایا کہ اس کو ان کے کفن میں داخل کرو۔ اور ان کی قبر کے
 پاس نو تکبیروں سے نماز ادا فرمائی۔ اور فرمایا کہ قبر کے دہانے سے کوئی شخص بے خوف
 اور محفوظ نہیں ہو سکتا۔ سوائے فاطمہ بنت اسد کے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا
 قاسم بھی نہیں یعنی آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و سرزند صغریٰ ہی میں اس عالم
 سے شریف لے گئے تھے آپؐ نے فرمایا بلکہ ابراہیم بھی نہیں۔ یعنی قاسم کے متعلق
 کیا پوچھتے ہو ابراہیم جو ان سے بہت چھوٹے تھے وہ بھی بے خوف نہیں ہیں۔ جابر
 ابن عبد اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ اپنے اصحاب کی ایک جماعت میں بیٹھے
 ہوئے تھے کہ ایک شخص خبر لایا عقیل اور جعفر اور علی کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ آپؐ نے
 فرمایا کہ اٹھو ہم اپنی ماں کی طرف چلیں۔ آپؐ اٹھے اور آپ کے اصحاب بھی نہایت خشوع و
 خضوع کے ساتھ آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب فاطمہ کے دروازے پر پہنچے تو آپؐ نے
 اپنے جسم مبارک سے پیراہن شریف اتارا اور لوگوں کو دے کر فرمایا کہ غسل کے بعد

کفن کے نیچے پہنا دو۔ جب اُن کا جنازہ باہر آیا تو جنازہ کا پایہ اپنے شانہ مبارک پر رکھا۔ اور راستہ میں کبھی جنازہ سے آگے اور کبھی اُس کے پیچھے چلتے تھے۔ جب قبر پر پہنچے تو لحد میں اتر کر لیٹ گئے اور پھر باہر نکلے اور فرمایا کہ جنازہ لاؤ۔ بسم اللہ و علی اسم رسول اللہ۔ بعد دفن کے قبر کے سر ہانے کھڑے ہوئے اور فرمایا جزاک اللہ من امر و دبیۃ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم نے آپ سے فاطمہ بن اسد کے متعلق دو خاص باتیں دیکھیں جو کبھی کسی اور کے متعلق نہیں دیکھی تھیں۔ ان کے لئے آپ نے اپنا کرتہ اُتارا اور اس کو اُن کا کفن بنایا۔ دوسرے آپ اُن کی لحد میں اترے اور لیٹ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ کرتہ دینے سے میری یہ غرض تھی کہ ان کو آتش دوزخ نہ چھوئے اور لحد میں لیٹنے سے یہ مقصد تھا کہ ان کی قبر کثادہ ہو جائے۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کوئی بھی اُن کے بعد ابوطالب کے سوا اتنا نیکو کار نہ تھا۔ میں نے انہیں اپنا پیرا ہن اس لئے پہنایا کہ ان کو جہلم بے بہشت ملے۔ اور ان کی قبر میں میں اس واسطے لیٹا کہ بلائے قبر سے اُن کو امن رہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کے سر ہانے بیٹھ کر فرمایا یا امی بعد امی اور بہت ثنا کی۔ اپنا پیرا ہن تشریف ان کے کفن میں رکھا۔ اس کے بعد اسامہ بن زید اور ابوالیوب انصاری و عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ان کے لئے قبر کھودیں اور لحد اپنے دست اقدس سے بنائی اور خود ہی اس کی مٹی نکالی پھر آپ نے لحد میں لیٹ کر فرمایا اللہ الذی یحیی و یمیت وھو حی لا یموت اغفر لاهی فاطمۃ بنت اسد ووسع علیہا مدخلہا بحق نبیک و الانبیاء قبلی فانک ارحم الراحمین۔ اور چار تجکیریں پڑھ کے لحد سے نکل آئے۔ عباس و ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے۔ عبدالعزیز بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ پانچ آدمیوں کے سوا کسی کی قبر میں کبھی نہیں لیٹے۔ ان میں تین عورتیں تھیں۔ اور دو مرد۔ ایک خدیجہ رضی اللہ عنہا جن کی قبر مکہ میں ہے اور چار دوسری جن کی قبریں مدینہ منورہ میں ہیں۔ اول خدیجہؓ کے صاحبزادے جن کو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گود میں پرورش کیا تھا۔

دوسرے عبد اللہ المزنی جن کو ذوالبجادیں کہتے ہیں۔ تیسری اُم رُمان یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں۔ چوتھی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہم اجمعین۔

قبر عبد الرحمن بن عوف۔ ان کی قبر عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس ہے۔ رضی اللہ عنہما۔ ابن زبالب حمید بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عوف کا جب اخیر وقت تھا تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک آدمی بھیجا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کریں جہاں تمہارے بھائی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ تمہارا گھر تنگ ہو جائے گا۔ اس لئے میں نہیں چاہتا۔ میرے اور عثمان بن مظعون کے درمیان عہد تھا کہ ہم دونوں میں سے جو کوئی مرے ایک دوسرے کے پہلو میں دفن ہو اس سون کر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب اُن کا انتقال ہو تو اُن کا جنازہ میرے گھر کے سامنے سے لے جانا۔ چنانچہ سب نے دلیا ہی کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُن پر نماز ادا کی۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ عیسیٰ بن مریم اس جگہ دفن ہوں گے۔ لہذا حکمت الہی اس کی مقتضی ہے کہ کسی کو وہ جگہ دفن کے لئے میسر نہ ہو۔ چنانچہ تاریخ دانوں پر روشن ہے۔

قبر سعد بن ابی وقاص۔ ابن شیبہ ابن وہبان سے روایت کرتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص ان کو بلا کر اپنے ہمراہ بقیع کی طرف لے گئے اور چند میخیں بھی اپنے ساتھ لیتے گئے تھے۔ جب عقیل کے گھر مشرقیہ شامیہ گوشے میں پہنچے جہاں عثمان بن مظعون کی قبر ہے۔ مجھ سے کہا کہ یہاں پر ایک قبر بنیاد کرو۔ اور جو میخیں اپنے ساتھ لے گئے تھے وہاں گاڑ دیں۔ اور کہا کہ جب میں مرجاؤں تو یہ جگہ میرے آدمیوں کو دکھلا دینا تا کہ مجھے یہیں دفن کریں۔ ان کے انتقال کے بعد یہ خبر میں نے ان کے لڑکے کو پہنچا دی۔ لہذا ان کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔

قبر عبد اللہ بن مسعود۔ ابن سعد اپنے طبقات میں نقل کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھ کو عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک دفن کرنا اور

ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا۔ ۳۲ھ میں بقیع کے اندر دفن ہوئے ہیں۔ اور بعض تاریخوں میں ہے کہ ان کا انتقال کوفہ میں ۳۶ھ میں ہوا۔ واللہ اعلم۔

قبر ابن حذافۃ السہمی۔ آپ مہاجرین اولین اور اصحاب البحرین سے ہیں آنسور سے پہلے حفصہ بنت عمرؓ بن خطاب کے شوہر تھے۔ اُحد کے دن ان کے ایک زخم لگا تھا۔ اُس کی وجہ سے ماہ شوال ۳۳ھ میں مدینہ منورہ کے اندر انتقال فرمایا اور عثمان بن مظعون کا انتقال ماہ شعبان ۳۳ھ میں ہوا تھا۔

قبر سعد بن زرارہ۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر کے وقت ہجری کے سنہ اول میں ان کا انتقال ہوا۔ آپ کی قبر روحا میں عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک ہے۔ سب کو چاہیے کہ سیدنا ابراہیمؑ کی زیارت کے وقت اُن جملہ اصحاب مذکورہ پر سلام بھیجیں۔ انہیں کے قبہ میں دیوار کے اوپر ان حضرات کے نام بھی لکھے ہیں لیکن ان دونوں قبوں میں جو دنیوی قبریں موجود ہیں ان کی کوئی اہلیت نہیں ہے۔ سہمنودی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

قبر حضرت فاطمہ زہراؓ بنت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہو کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمہ زہراؓ سلام اللہ علیہا کے مرقد مطہرہ کی تعیین میں مختلف خبریں ہیں جس طریقہ سے آپ کا جلیہ کمال آپ کی حیات میں اجنبیوں کی آنکھ سے چھپا ہوا تھا۔ اسی طرح سے اُن کا عصمت جمال انتقال کے بعد بھی پوشیدہ ہی رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی وصیت کے بموجب کسی امیر و فقیہ کو آپ کی موت اور دفن سے مطلع نہیں کیا گیا۔ ان کی نماز اور جنازہ میں بھی کسی کو نہیں بلایا گیا۔ صرف علی مرتضیٰؑ اور چند اہل بیت تھے۔ رات ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ آپ کا مرقد مطہرہ بقیع میں ہے جس جگہ تمام اہل بیت نبوت آرام فرما رہے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کو آپ کے مکان ہی میں دفن کیا گیا ہے۔ جو مسجد نبویؐ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ اُن میں سے بعضے قول کچھ صحت کے قریب ہیں جو اخیر مضمون میں اشارتاً بیان کیا جائے گا۔ سہمنودی کی تاریخ میں طرفین کی روایتیں ذکر کی گئی ہیں۔ بعضے اقوال کی تزییح اور تضعیف بھی کی گئی ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قوم کے نزدیک قول اول درست

ہے۔ واللہ اعلم۔

میں چند روایتیں اس کے متعلق نقل کرتا ہوں۔ یہاں پر راجح اور مرجوح سے بحث نہیں ہے۔ محمد بن علی بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دار عقیل کے پانچ گوشہ میں بقیع کے اندر ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان کی قبر شریف اسی جگہ ہے۔ دار عقیل سے قبر شریف تک جو فاصلہ ہے وہ بعض روایتوں سے ۲۳ گز اور بعض سے ۳۴ گز معلوم ہوتا ہے اور امام المسلمین حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے دفن کی بابت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ اگر لوگوں کی رائے میرے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن کرنے کی نہ ہو تو مجھے میری والدہ کے پاس بقیع میں دفن کرنا۔ یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا کی قبر بقیع میں ہوگی جہاں پر امام حسن رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔ اور امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وعلی آباءہ الکرام سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ان کے حجرہ ہی میں دفن کیا گیا تھا۔ جس کو عمر بن عبد العزیز نے مسجد میں داخل کر دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ کے گھر ہی میں دفن کیا۔ اور حضرت فاطمہ کو چونکہ رات ہی میں دفن کر دیا گیا تھا اس لئے کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے وفات کے وقت فرمایا تھا کہ مجھے اپنے جسم کے اظہار سے شرم آتی ہے۔ مجھے مردوں کے سامنے نہ رکھیں۔ اس وقت کی رسم بھی ایسی ہی تھی کہ عورتوں کی نعش کو مردوں کی طرح لے جاتے تھے اسمار بنت عمیس خثعمیہ اور ایک اور روایت میں ہے کہ ام سلمہ نے کہا ”میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ میت کے لئے ایسا تابوت بناتے ہیں جس سے کامل پردہ پوشی ہو جاتی ہے۔ ہم تمہارے لئے بھی ایسا ہی کریں گے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے غسل وکفن کی ذمہ دار اسما بنت عمیس اور علی مرتضیٰ ہوں۔ دوسرے شخص کا وہاں پر کوئی دخل نہ ہو۔ یہ روایت اس بات کی تردید کرتی ہے جو لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ زہرا کی وفات کا علم نہ تھا اس وجہ سے آپ ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ اسما بنت عمیس اس زمانے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں غیر ممکن ہے کہ ان کی بیوی شریک

میت ہوں اور غسل بھی دیں اور ابو بکرؓ کو اطلاع نہ ہو۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ممکن ہے ابو بکر صدیقؓ کو اطلاع ہو اور حاضری کا قصد بھی کیا ہو لیکن جب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے اخطایں کوشش کی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نہ چاہا کہ خلاف مقصد علی مرتضیٰ شرکت کریں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی اس میں کوئی مصلحت ہو۔

شیخ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں ممکن ہے کہ ابو بکرؓ کو اطلاع ہو اور خیال کیا ہو کہ شاید علی مرتضیٰ شرکت نماز اور دفن کے لئے مطلع فرمائیں اور علی رضی اللہ عنہ نے گمان کیا ہو کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ بغیر بلائے ہوئے شریک ہو جائیں گے واللہ اعلم۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے علم وفات حضرت فاطمہ زہراؓ کے سلسلے میں اس سے بھی صحیح تر خبر یہ ہے کہ حضرت زہراؓ نے اپنی موت کے بعد اپنے جنازے کے اظہار کو ناپسند فرمایا تھا اسماء بنت عمیس نے کھجور کی ٹہنیوں سے جشیوں کے طریق پر گہوارہ بنا کر حضرت زہراؓ کو دکھلایا۔ حضرت فاطمہؓ نے اس کو دیکھ کر خوشی ظاہر کی اور تبسم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے اس وقت تک کسی نے جناب زہراؓ کو تبسم فرماتے یا خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ حضرت زہراؓ رضی اللہ عنہا نے اسماء بنت عمیس سے وصیت فرمائی تھیں کہ تم اور علیؓ مجھے غسل دینا کسی دوسرے کو نہ آنے دینا کہ میرے انتقال کے بعد میرے دروازے پر آئے۔ جب آپ نے وفات فرمائی تو حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا نے آکر چاہا کہ گھر کے اندر داخل ہوں۔ اسماء بنت عمیس نے ان کو مکان میں آنے سے روک دیا۔ عائشہ صدیقہؓ نے اپنے والد سے شکایت کی کہ اس خشمیہ کو کیا ہو گیا ہے کہ میرے اور بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل ہوتی ہے اور مجھ کو ان کے پاس جانے سے روکتی ہے۔ اور ان کے جنازے کے لئے اپنی جانب سے مثل ہودج عروس بنایا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت زہراؓ کے دروازے پر آکر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے اسماء بنت ابی بکرؓ کی بیوی کو کس لئے نبی کی بیٹی کے پاس آنے سے روکتی ہو اور تم نے ان کے لئے ہودج عروس کے مثل کیا چیز بنائی ہے۔ اسماء نے کہا کہ حضرت زہراؓ نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ کسی شخص کو ان کے پاس نہ آنے دوں اور جو ہودج میں نے بنایا ہے میں نے حالت حیات میں ان کو دکھلادیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ واقعہ ہے تو انھوں نے

جو کچھ تم سے وصیت کی ہے اس کو پورا کرو۔ یہ روایت جس طرح سے حضرت زہراؑ کی وفات کا علم ابو بکرؓ کو ہونا بتلاتی ہے یہ اسی طرح سے اُن کا ان کے حجرے میں دفن نہ ہونا بھی ثابت کرتی ہے ورنہ گہوارہ بنانے کی اور لوگوں سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔

بعض غریب روایتوں میں آیا ہے کہ ایک دن صبح حضرت فاطمہ زہراؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت خوش اُٹھیں اور باندی سے فرمایا کہ غسل کے لئے پانی رکھو۔ آپ نے نہایت احتیاط سے غسل فرما کر پاکیزہ کپڑے پہنے اور گھر میں ایک بستر بچھایا۔ پھر قبلہ رو ہو کر سونے کے واسطے لیٹیں۔ اور اپنے دست مبارک کو رخسارہ شریف کے نیچے رکھا۔ پھر فرمایا کہ اب میں مرتی ہوں۔ میں نے غسل بھی کر لیا ہے اور کپڑا بھی پہن لیا ہے۔ مرنے کے بعد کوئی شخص بھی مجھ کو نہ کھولے اور اسی مقام پر جس طرح سوئی ہوئی ہوں دفن کر دیں۔

جب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ گھر میں تشریف لائے تو آپ سے یہ قصہ بیان کیا گیا آپ نے دیکھا کہ ان کی روح پاک تو اعلیٰ علیین کو پہنچ گئی ہے۔ حضرت علی سلام اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو کوئی شخص نہ کھولے اسی سابق غسل اور لباس میں دفن فرمایا۔

اس حدیث کی روایت میں اختلاف ہے ابن جوزی تو اس کو موضوعات میں ذکر کرتے ہیں اور یہ بنت عمیس کی حدیث کے مخالف بھی ہے اسرار کی حدیث امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے علاوہ بہت سے علماء حدیث نے نقل کی ہے اور استدلال میں پیش کی ہے واللہ اعلم۔ مسعودی نے مروج ذہب میں بیان کیا ہے کہ امام حسن، زین العابدین، محمد باقر اور جعفر صادق سلام اللہ علیہم کی قبروں کے پاس ۳۲۲ ہجری میں ایک پتھر ملا۔ جس پر لکھا ہوا تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد لله مبدء الامم و موحی الرمد هذا قبر فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم سيدتنا نساء العالمين وقبر حسن بن علي بن الحسين بن علي وقبر محمد بن علي وجعفر بن محمد عليهم السلام۔ جس کلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اس کے مضمون سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور ایک دوسرا قول بھی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر اس مسجد میں ہے جو بقیع میں ان کی طرف منسوب ہے۔ یہ قبہ عباس میں قبلہ کی جانب مائل بشرق واقع ہے، امام غزالیؒ نے بقیع کی زیارت کے تذکرہ میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی تاکید کی ہے۔ دوسرے

لوگوں نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ مسجد بیت الحزن کے نام سے مشہور ہے اس لئے کہ حضرت زہراؑ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں لوگوں سے علیحدہ ہو کر وہاں پر قیام فرمایا تھا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بقیع کے اس مقام پر علی مرتضیٰؑ نے سکونت فرمائی تھی واللہ اعلم۔

محب طبری ذخایر العقبیٰ میں بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک نیک آدمی نے جو خدا واسطہ مجھ سے دوستی رکھتے تھے بیان کیا ہے کہ جب شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد شیخ ابوالعباس مری بقیع کی زیارت کرتے تھے تو قبۃ عباس کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت فاطمہ زہراؑ پر سلام بھیجتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ مجھ پر حضرت فاطمہؑ کی قبر اسی مقام پر منکشف ہوئی ہے۔ شیخ ابوالعباس مری اپنی صفت کشف میں قوم کے اندر مشہور ہیں۔ طبری کہتے ہیں کہ ایک مدت دراز تک شیخ کے متعلق یہی خیال تھا۔ یہاں تک کہ ابن عبدالبر نے امام حسن علیہ السلام کی وفات کے متعلق جو خبر نقل کی ہے میں نے دیکھی تو شیخ نے اپنے کشف سے جو کچھ بتایا تھا اس پر میرا اعتقاد اور زیادہ ہو گیا۔ سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ تمام قولوں میں یہ بات راجح ہے اگرچہ اس سے پیشتر بعضے شافعیہ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کے مکان کے اندر دفن ہونے کو بھی راجح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ فاطمہ زہراؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات منگل کے روز تیسری رمضان ۱۱ء میں ہوئی ہے۔

قبر امام سلیمان بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ روایت ہے کہ جب حسن بن علیؑ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو ایک آدمی حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس بھیجا کہ اگر آپ اجازت دیں تو امام حسنؑ کو حجرہ کے اندر نانا کے پہلو میں دفن کریں۔ حضرت عائشہؑ نے قبول فرمایا اور کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ وہاں پر ایک قبر کی جگہ بھی خالی ہے۔ بنو اُمیہ نے جب یہ خبر سنی تو ہتھیار بند ہو کر لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے اور بنو ہاشم بھی ان کے ہم نوا ہو گئے جب حسن رضی اللہ عنہ نے سنا کہ جنگ کی نوبت پہنچ گئی ہے تو آپ نے اپنی ذاتی خصلت کے پیش نظر کہ صلح اور امن کو پسند فرماتے تھے۔ کہا کہ اگر نوبت لڑائی کی پہنچ گئی ہے تو میں راضی نہیں ہوں۔ مجھ کو بقیع میں میری والدہ کے پہلو میں دفن کرو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ انتقال کے وقت امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھ کو میرے نانا کے پہلو میں دفن کرنا لیکن اگر بنو اُمیہ منع کریں تو ان سے جھگڑا مت کرنا۔ اور مجھ کو بقیع غرقہ میں دفن کرنا۔ کیونکہ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے

سے منع کر دیا تھا۔ آخر کار بیتھ دی ہوا جو آپ نے خبر دی تھی۔ مروان جو مدینہ کا حاکم تھا۔ لڑائی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں ہرگز روا نہیں رکھتا کہ حسن بن علی کو پیغمبر کے حجرہ میں دفن کریں اور عثمان باہر پڑے رہیں۔ ابو ہریرہؓ اور دوسرے اصحاب جو اُس وقت مدینہ میں موجود تھے کہہ رہے تھے کہ واللہ یہ صراحتاً ظلم ہے کہ حسن کو اُن کے نانا کے پہلو میں دفن ہونے سے روکا جائے۔ اس کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ کو آپ کے بھائی نے وصیت کی ہے کہ اگر لڑائی کی نوبت ہو تو مجھے مسلمانوں کے مقبرے میں دفن کرنا۔ اور قوم سے مت لڑنا۔ آخر کار ان حضرات کی خوشامد سے ان کو بقیع میں کر دیا رضی اللہ عنہ۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اُس زمانہ میں معاویہ کی جانب سے مدینہ منورہ کا امیر سعد بن العاص تھا۔ جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا جنازہ مکان سے باہر لائے تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا کہ آگے بڑھیے اور نماز پڑھائیے اگر میرے نانا کی یہ سنت نہ ہوتی کہ جنازہ کا امام امیر کو ہونا چاہیے تو تم کو ہرگز امام نہ بنانا۔

امام حسنؓ کی قبر کے نزدیک امام زین العابدین ابن امام حسین اور امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر رضی اللہ علیہم اجمعین کی قبریں ہیں۔ حقیقت میں تمام ائمہ ایک ہی مقبرہ میں مدفون ہیں۔ اس بڑے قبہ کو قبۃ عباس کہتے ہیں۔ زبیر بن بکار روایت کرتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰؓ نے امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے جسم شریف کو بھی لا کر بقیع میں دفن کیا۔

سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ۸۶۲ھ یا ۶۳ھ میں مشہد حسین و عباس میں قبلہ کی جانب ایک قبر کھودے تھے کہ زمین سے ایک لکڑی کا صندوق نکلا جو سرخ نمہ میں لپٹا ہوا تھا۔ اور اس پر کیلیں چڑی ہوئی تھیں۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ صندوق کی کیلیں بدستور چمک رہی تھیں۔ زنگ کا کچھ بھی اثر نہ تھا اور تابوت کا کپڑا بھی پُرانا نہیں ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ جسم شریف علی مرتضیٰؓ رضی اللہ عنہ کا ہو جیسا کہ زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے اور روایت ہے کہ زبیر بن معاویہ نے ہر مبارک حضرت امام المومنین حسین بن علی مرتضیٰؓ سلام اللہ علیہ کا عمرو بن العاص کے پاس جو اُس بد بخت کی جانب سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا بھیجا انہوں نے اس کی تجہیز و تکفین بقیع کے اندر اُن کی

والدہ کی قبر کے پاس کر دی۔

بعض محدثین نے بیان کیا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو یزید کے ہلاکت کے بعد لوگوں نے اس کے خزانہ میں پایا اور کفن دے کر دمشق میں باب الفردیس کے قریب دفن کیا۔ اس کے متعلق اور بھی اقوال آئے ہیں۔ بہر حال اس مشہد کی زیارت کے وقت تمام ائمہ ہدایت کے مطابق سلام پڑھیں تو بہتر ہے۔

قبر عباس بن عبدالمطلب۔ (بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا رضی اللہ عنہ) ابن شیبہ روایت کرتے ہیں کہ عباس بن عبدالمطلب کو فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کی قبر کے نزدیک بنی ہاشم کے پہلے مقبرہ میں جو دار عقیل کے گوشے میں ہے دفن کیا گیا اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ کو بقیع کے وسط میں ایک جگہ پر دفن کیا گیا۔ اس وقت یہاں پر ایک بڑا قبہ ہے۔ اسی میں عباس اور تمام ائمہ کی قبریں ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا۔

قبر صفیہ بنت عبدالمطلب (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) ابن شیبہ بیان کرتے ہیں کہ جو گلی بقیع کو جاتی ہے اس کے اخیر پر مغیرہ بن شعبہ کے مکان کے نزدیک ان دفن کیا گیا۔ یہ مقام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مغیرہ کو جاگیر میں دے دیا تھا۔ جب مغیرہ بن شعبہ نے مکان بنانا چاہا تو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس مقام کے قریب سے گزے تو فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ تم اپنی دیوار میری ماں کی قبر پر بناؤ۔ مغیرہ چونکہ حضرت عثمانؓ سے نسبت رکھتے تھے اس لئے ان کے کہنے پر عمل نہ کیا۔ زبیر تلوار پکھنچ کر کھڑے ہو گئے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی تو آپ نے مغیرہ کے پاس آدمی بھیج کر تعمیر سے منع کر دیا۔ اور اب ان کی قبر مدینہ منورہ کی شہر نپاہ کے متصل بقیع کی طرف ہے۔

قبر ابی سفیان بن الحارث۔ (ابن عبدالمطلب ابن عم المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہ) نقل کرتے ہیں کہ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان ابن الحارث کو دیکھا کہ مقبرے میں پھر رہے ہیں۔ دریافت کیا کہ اے بھائی کیا ڈھونڈتے ہو کہا اپنے دفن کے لئے ایک قبر کی جگہ ڈھونڈنا ہوں۔ عقیل ان کو اپنے گھر میں لائے اور ایک مقام معین کر دیا تاکہ وہاں پر ان کی قبر کھودی جائے۔ ابوسفیان تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ اس قصہ کو دو دن نہیں گزے تھے کہ ابوسفیان کا انتقال ہو گیا اور وہیں دفن کئے گئے۔

ان کی وفات سلسلہ میں ہوئی۔ نماز جنازہ عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ عقیل ابن ابی طالب کے قبہ کی اندرونی دیوار پر ابوسفیان اور عبد اللہ بن جعفر کا نام لکھا ہوا ہے۔ سید ہمدانی کہتے ہیں کہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو قبہ عقیل کی طرف منسوب ہے اس میں ابوسفیان بن حارث مدفون ہیں اس لئے کہ ابن زبائہ اور ابن شیبہ نے عقیل کی قبر یثرب میں بیان نہیں کی ہے۔ اور امام غزالیؒ نے بھی اپنی کتاب حیار میں ان لوگوں کی زیارت کے متعلق جن کی یثرب میں زیارت کرتے ہیں عقیل کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ ابن قدامہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ عقیل کی وفات معاویہ کی امارت کے زمانے میں شام کے اندر ہوئی۔ اور ان کی طرف اس قبہ کی نسبت اس وجہ سے ہے کہ ان کا مکان یہاں تھا۔ جیسا کہ بار بار گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ممکن ہے انہیں ملک شام سے لاکر یہاں دفن کیا گیا ہو۔ سب سے پہلے ابن النجار نے یہ بیان کیا ہے کہ عقیل کی قبر اسی قبہ میں ہے۔ چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں کہ عقیل بن ابی طالب برادر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی قبر یثرب کے اول قبہ میں ہے اور ان کے ساتھ ان کے بھتیجے عبد اللہ ابن جعفر طیار کی قبر ہے۔ ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔

بعض علمائے تاریخ بیان کرتے ہیں کہ وہ ابوا میں مدفون ہیں۔ جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں ہے ۹۰ میل میں انتقال ہوا۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر دس سال کی تھی تو گویا ان کی پیدائش ہجرت کے پہلے سال میں ہوئی تھی۔ رضی اللہ عنہ۔

ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہن کی قبریں بھی دار عقیل کے قریب ہیں۔ تاریخ میں ہے کہ جب عقیل ابن ابی طالب نے اپنے مکان میں ایک کنواں کھودا تو اس میں سے ایک پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا۔ قبر اُم حبیبہ بنت صخر بن حرب۔ عقیل نے اس کنوئیں کو پاٹ دیا۔ اور قبر کے اوپر ایک عمارت تعمیر کر دی۔ سہمندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام روایتوں کا منشا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُمہات المؤمنین کی قبریں اسی مقام پر ہیں جہاں پر اس وقت لوگ زیارت کرتے ہیں۔ مگر بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اُم المؤمنین کی قبریں امام حسن اور عباس رضی اللہ عنہما کے مقبرے کے نزدیک ہیں۔ ابن شیبہ محمد بن یحییٰ سے بیان کرتے ہیں

کہ میں نے سنا ہے لوگ کہتے تھے بقیع میں جس جگہ محمد بن زید ابن علی مدفون ہیں وہاں حضرت فاطمہؓ کی قبر کے قریب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اسی جگہ پر لوگوں نے تقریباً آٹھ گز زمین کو گہرا کھودا تو اس میں سے ایک پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا ہذا قبر ام سلمہ زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

صحیح بخاری میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عبد اللہ بن زبیر سے وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہر دو اصحاب کے پہلو میں دفن نہ کرنا بلکہ بقیع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ہمراہ دفن کرنا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مزار مکہ معظمہ میں ہے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر شرف میں تنعیم کے قریب ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ان کا نکاح و خلوت بھی شرف ہی میں ہوا ہے۔

قبر امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ ابن شیبہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت عثمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں دفن کرنا چاہا تھا۔ آپ نے اپنی حیات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق اجازت بھی لے لی تھی۔ مصریوں نے اس بات سے انکار کیا اور نہ صرف یہ کہ آپ کو وہاں دفن نہ ہونے دیا۔ بلکہ آپ کی نماز جنازہ اور دفن میں سختی سے مانع آئے۔ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان مسجد کے دروازہ پر آکر کہنے لگیں کہ واللہ مجھ کو اجازت دو کہ میں اس مرد کو دفن کروں ورنہ میں باہر نکل آؤں گی۔ اور پردہ توڑ دوں گی اس کو سنکر لوگ دفن کو منع کرنے سے باز رہے جس رات آپ کو لوگوں نے شہید کیا تھا اس کی صبح کو جبیر بن معظم و حکیم بن حزام اور عبد اللہ بن زبیر اور بعض دوسرے اصحاب آئے۔ آپ کو اُس مقام سے جہاں پڑے ہوئے تھے اٹھایا اور بقیع میں لے گئے۔ انھیں لوگوں میں سے ایک جماعت یہاں بھی مانع آئی یہاں تک کہ حسن کو کب میں جو بقیع کے مشرقی جانب ایک باغ تھا اور اس کا تعلق ابان بن عثمان سے تھا وہاں لے گئے اور جبیر بن معظم اور دوسرے لوگوں کی ایک جماعت نے آپ پر نماز پڑھی اور اسی مقام پر ایک قبر تیار کر کے آپ کو اس میں دفن کیا۔ اُسی کے برابر والی ایک دیوار گرا کر آپ کی قبر کو چھپا دیا اور واپس چلے آئے۔ حسن کو کب بقیع سے خارج ایک مقام تھا جس میں لوگ مردوں کو دفن کرنا برا سمجھتے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وہاں پر کھڑے ہوئے قرائت تھے کہ ممکن ہے کوئی نیک آدمی انتقال کرے اور یہاں دفن ہو۔ اور اس کی وجہ سے یہ مقام لوگوں کو مانوس ہو جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے شخص جو اس زمین میں دفن ہوئے عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد جس زمانے میں معاویہ کی جانب مروان مدینہ منورہ کا عامل تھا اس نے اس مقام کو بھی بقیع میں داخل کر دیا۔ اور جو پتھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کے سر ہانے رکھ کر نشان بنایا تھا کہ لوگ اس کے گرد دفن کریں اور فرمایا تھا کہ اجعلناک للمتقین اماماً۔ مروان نے اس پتھر کو اٹھایا اور عثمان بن عفان کے سر ہانے رکھ کر حکم دیا کہ لوگ ان کی قبر کے گرد دفن کیا کریں۔

قبر سعد بن معاذ الاشہر رضی اللہ عنہ۔ خندق کے روزان کے ایک زخم لگا تھا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے معاملے میں فیصلہ کرنے کے لئے طلب فرمایا۔ (جس کا تذکرہ بنو قریظہ کی مسجد کے ذکر میں ہو چکا ہے) تو جو خون ان کے زخم سے بہتا تھا وہ بند ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد جب اپنے گھر گئے تو زخم پھٹ گیا اور کثرت سے خون بہہ جانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز پڑھی۔ مقداد بن اسود کے مکان کے متصل گلی کے سرے پر بقیع کے انتہائی راستہ میں دفن کیا۔ سہمنودی کہتے ہیں کہ سعد بن معاذ کی قبر کا وہ پتہ جو فاطمہ بنت اسد کے قبہ کی طرف منسوب ہے۔ ٹھیک ہے ممکن ہے کہ یہی ان کی قبر ہو۔ فاطمہ بنت اسد کی قبر کے ساتھ آپ کی قبر مشتبہ ہو گئی ہے۔ صحیح خبروں سے ثابت ہے کہ فاطمہ بنت اسد کی قبر ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے نزدیک آنحضرت کے اہل بیت کے مقبرہ میں ہے۔

قبر ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ۔ حدیث میں ہے عبد الرحمن بن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میرے باپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے تمام دوست اس عالم سے تشریف لے گئے۔ اب میرا وقت بھی قریب آ گیا ہے۔ میرے پاس آ کر میرا ہاتھ پکڑ لو۔ میں نے ان کے قریب جا کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ میرے سہارے سے بقیع کی جانب روانہ

ہوئے۔ جب وہ بقیع کے اس مقام پر پہنچے جہاں کوئی دفن نہ تھا۔ فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے لئے اس جگہ قبر تیار کرنا۔ اسی شخص کو خبر نہ کرنا۔ میرے جنازہ کو عمقہ کی گلی سے لانا۔ جہاں آدمیوں کا گزر بہت کم ہے۔ اور تیز لے چلنا۔ کسی شخص کو مجھ پر لوح نہ کرنے دینا نہ میری قبر پر خیمے گاڑنے دینا۔ اور نہ کسی کو میرے جنازے کے ساتھ چلنے دینا۔ کہتے ہیں کہ جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو تمام آدمی میرے دروازے پر جمع ہو گئے اور منتظر تھے کہ کب جنازہ باہر لائیں گے۔ میں نے وصیت کے بموجب کسی شخص کو ان کے انتقال کی خبر نہیں کی اور صبح کے اول حصے ہی میں لوگوں کے انتشار سے پیشتر ہی جنازہ اٹھا کر بقیع میں لے گیا۔ لیکن وہاں مجھ سے پیشتر ہی لوگ اژدہام کے کھڑے تھے رضی اللہ عنہ و عن جمیع اصحاب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ قبریں ہیں جن کے متعلق اصحاب تاریخ نے جگہ بتائی ہے۔ لیکن اس وقت جو قبہ اور مشہد اس مقبرہ میں یا اس کے علاوہ مدینہ منورہ کے اطراف میں مشہور ہیں اور سلاطین متقدمین و متاخرین نے انہیں اپنے قیاس یا تحقیق سے تعمیر کیا ہے۔ منجملہ ان کے اعلیٰ اور ارفع و اعظم قبہ عباس بن عبد المطلب ہے بعض خلفائے عباسیہ نے اس کو ۵۱۹ھ ہجری میں تعمیر کیا تھا۔ دوسرے مشہور قبہ یہ ہیں:- بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں کے قبے، امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے قبے۔ قبہ سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قبہ عقیل بن ابی طالب، قبہ صفیہ (یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں ان کا قبہ احاطہ کے متصل ہے) اور قبہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس میں ایک قبر بھی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں اس عمارت کے متولی مدفون ہیں۔

ایک قبہ فاطمہ بنت اسد (امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ) کا ہے۔ بقیع کے درمیان میں دو قبے اور ہیں اور یہ دونوں قبے امہات المؤمنین کے قبے اور سیدنا ابراہیم کے قبے کے درمیان میں ہیں۔ ان میں سے ایک میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے میں نافع جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مدفون ہیں۔ اسی طرح سے سہمنودی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور اہل مدینہ میں بھی یہ مشہور ہے کہ یہ امام نافع قادری مدنی کی قبر ہے۔ اور سہمنودی کہتے ہیں کہ ابن جبیر نے مشہدوں کا جس مقام پر تذکرہ کیا ہے اس سے سمجھا جاتا ہے کہ سیدنا ابراہیم اور امام مالک کے

قبر کے درمیان ایک قبر عبدالرحمن بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اُن کو عبدالرحمن اوسط بھی کہتے ہیں۔ یہ ابو شحمہ کے نام سے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ تعریف قبر مذکور پر صادق آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک چھوٹا قبر ہے جو فاطمہ بنت اسد کے قبر کے راستہ میں ہے اس کو حلیم سعدیہ کا قبر کہتے ہیں۔ یہ حضور کی انا تھیں۔ لیکن اہل تاریخ میں سے کسی ایک نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے نہ ثبوت میں اور نہ نفی میں۔ واللہ اعلم۔

قبر سیدنا اسماعیل بن امام جعفر صادق سلام اللہ علیہما۔ یہ قبر مغربی جانب سیدنا عباس کے قبر کے مقابل ہے۔ اس قبر کی تعمیر مدینہ کی شہر بنیہ سے مقدم ہے۔ اس کے بانی ابن ابی الہیجا ہیں۔ جو عبید بن بادشاہوں میں سے کسی کے وزیر تھے اور مساجد فتح کی عمارت کے مجدد ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس مقام اور اس کے گرد اگر دو کامبدان شمالی سمت سے لے کر امام زین العابدین کے دروازہ تک پھیلا ہوا تھا۔ باب خارج اور باب روضہ کے درمیان ایک کنواں ہے جو امام زین العابدین کی طرف منسوب ہے۔ اس کا پانی بیماروں کے لئے شفا اور امراض کے لئے دوا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ امام محمد باقر بچپن کی حالت میں اس کنوئیں کے اندر گر پڑے تھے۔ اس وقت امام زین العابدین نماز میں تھے۔ آپ کو حکیم الہی کے ساتھ اس درجہ استغراق، توکل و رضا حاصل تھی کہ نماز کو قطع نہیں فرمایا۔ اس قبر کے غریبی جانب ایک مسجد ہے جو امام زین العابدین کی طرف منسوب ہے اب اکثر آدمی اس کی زیارت سے محروم ہیں۔ مدینہ منورہ کے اندر بقیع سے خارج جو مشہور مشاہد ہیں وہ تین ہیں۔ سب میں فضل و عظم مشہد سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ کے رضائی بھائی ہیں۔ اس قبر کی تعمیر ۵۹۰ھ میں خلیفہ ناصر الدین کی ماں نے کی اور جس پتھر پر تاریخ لکھی ہوئی ہے بعض جاہلوں نے مسجد مصرع سے جہاں آپ کی جائے شہادت تھی اُٹھ کر اس کو یہاں لگا دیا۔ جیسا کہ باب مساجد میں مذکور ہے۔ سلطان قاتیبانے ۸۹۳ھ ہجری میں اس کے صحن اور عمارت میں کچھ توسیع کر دی ہے۔ اور دوسری قبر جو مشہد کے اندر ہے وہ سنقر ترکی کی ہے یہ اس عمارت کا متولی تھا۔ اور ایک قبر جو صحن میں ہے وہ اشرف مدینہ میں سے کسی کی ہے لہذا یہ قبریں شہداء کی نہیں ہیں۔ اس مشہد میں پیش کر عبد اللہ بن حنظل (جو حمزہ عنہ کے

بھانجے ہیں اور معصوب بن عمیر یہ بھی سلام پڑھیں اس لئے کہ یہ لوگ بھی یہاں مدفون ہیں۔ ابو جعفر محمد باقر سلام اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حمزہ کی قبر پر زیارت کے لئے آتی تھیں اور مرست بھی کرتی تھیں آپ کی قبر پر ایک پتھر سے علامت بھی بنائی تھی حاکم امیر المومنین علی سلام اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ ہر جمعہ کو حمزہ کی قبر پر جاتی تھیں اور نماز ادا کرتی تھیں اور روتی تھیں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ ہر دوسرے تیسرے دن شہدائے احد کی قبر پر جاتیں اور نماز پڑھتی تھیں اور دعا بھی کرتی تھیں رضی اللہ عنہا۔ شہدائے احد کی فضیلت کا ایک علیحدہ فصل میں ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مشہد مالک بن سنان۔ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہما کی والدہ کا مشہد مدینہ منورہ کے غربی جانب شہر نپاہ کے اندر ہے۔ آپ کے مزار پر ایک قدیم قبہ ہے۔ آپ شہدائے احد میں سے ہیں آپ کو احد سے لاکر اس مقام پر دفن کیا ہے یہ مقام پہلے زمانے میں مدینہ منورہ کے بازار میں داخل تھا۔

مشہد محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسین بن علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ آپ ابو جعفر منصور کے زمانے میں شہید کئے گئے اور یہ مشہد مدینہ منورہ کے خارج جبل سلع کے شرقی جانب ہے آپ کے مزار پر ایک بلند قبہ اور ایک بڑی مسجد ہے مسجد کے قبلہ جانب زرقا چشمہ کا ایک گھاٹ ہے اس کے مشرقی و مغربی جانب سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اور چشمہ کو ان سیڑھیوں کے درمیان سے نکالا ہے۔ جب محمد بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ نے منصور عباسی پر خروج کیا تھا اس وقت بہت سے لوگوں نے آپ سے بیعت کر لی تھی۔ منصور نے اپنے چچا عیسیٰ بن موسیٰ کو چار ہزار فوج کے ساتھ آپ پر بھیجا۔ عیسیٰ بن موسیٰ سلع پہاڑ پر آکر ٹھہرا اور محمد بن عبد اللہ کو کہلا بھیجا کہ ہم نے تم کو امن دی۔ یہاں آکر خلیفہ کی بیعت کیجئے۔ آپ نے کہا خدا کی قسم عزت کی موت دولت کی زندگی سے بہتر ہے۔ آپ اور آپ کے ہمراہیوں نے جن کی تعداد تین سو سے کچھ زائد تھی اچھی طرح غسل کر کے خوشبو لگائی اور عیسیٰ کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ تین مرتبہ اس کو شکست دی۔ آخر دشمن کی کثیر تعداد کے سبب تاب جنگ نہ لاکر مغلوب ہوئے سبط ابن جوزی ریاض الافہام میں بیان کرتے ہیں کہ عیسیٰ بن موسیٰ نے آپ کے

سر مبارک کو منصور کے پاس بھیج دیا۔ اور آپ کے جسم کو آپ کی بہن زینب اور آپ کی دختر فاطمہ نے خفیہ طور پر بقیع میں دفن کر دیا۔ لیکن صحیح خبر جو مشہور ہے وہ مطری اور ان کے متبعین نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اسی مقام پر دفن ہوئے ہیں اور آپ احجار زیت کے نزدیک قتل کئے گئے تھے جو سنان بن مالک کے مشہد کے قریب ہے۔ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پر استسقا کے لئے دعا فرمائی تھی۔ کہتے ہیں کہ حضرت علی سلام اللہ علیہ کی ذوالفقار بھی آپ کے پاس تھی۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے آپ کے قتل کے بعد وہ تلوار منصور کے پاس بھیج دی۔ پھر منصور سے ہارون رشید کو پہنچی۔

اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ذوالفقار کو دیکھا ہے اس میں اٹھارہ فقرے تھے فقرہ لغت میں ریڑھ کے گریوں کو کہتے ہیں یہ ذوالفقار حضرت علیؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی تھی۔ کتب تاریخ اور احادیث میں اسی طرح سے تحریر ہے۔

روایت ہے کہ لڑائی کے دن اپنے ہمراہیوں میں سے ایک شخص عبداللہ بن عامر سلمیٰ سے فرمایا کہ ایک ابرہہ سے سر پر سایہ کرے گا۔ اگر ہم پر ہاتھ فٹے ہماری ہے۔ اور اگر ہم پر سے گزر کر دشمن پر پہنچا تو سمجھ لینا کہ میں احجار زیت میں شہید ہوں گا۔ عبداللہ بن عامر سلمیٰ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جیسا انہوں نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا۔ ایک ابرہہ پر ظاہر ہوا اور ہمارے سروں پر سے گزر کر عیسے کی فوج پر سایہ لگن ہو گیا۔ آخر کار عیسے کی فتح ہوئی اور محمد مقتول ہوئے۔ آپ کا خون احجار زیت میں بہا۔ آپ ہی کی وجہ سے عیسے بن موسیٰ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو سخت ضرب کی سزا دی۔ اس واسطے کہ امام مالک محمد کی موافقت کا دم بھرتے تھے۔ اس قصہ کو امام قریری نے بھی نقل کیا ہے۔

نیم اہل بقیع کی زیارت کے بیان میں۔ اہل بقیع کی زیارت میں سنت یہ ہے کہ جب بقیع کے دروازے پر پہنچے تو مستحب ہے کہ السلام علیکم یا اہل القبور پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔ اللہم اعر لاہل بقیع العرقہ اللہم لا تحرمنا اجرہم ولا تفتنا بعدہم واغفر لنا ولہم۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب اہل مقبرہ کو ہدیہ کرے تو وہاں کے مقبروں میں جتنے

مردے مدفون ہیں اسی قدر ثواب ملے گا۔ اور سلام کی نیت اور مقصود یہ ہونا چاہیے کہ جمیع آل و اصحاب اور مومنین جو اس مقبرہ شریف میں آرام فرما ہیں انہیں ثواب پہنچے۔ اپنا منہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی جانب کرے۔ جو بقیع کے دروازے کے متصل بائیں جانب مدفون ہیں۔ اور ختم زیارت بھی انہیں پر ہونا چاہیے۔ علمائے متاخرین نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ کن کی زیارت سے ابتدا کرے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ حضرت عباس اور ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو لوگ آپ کے قبہ میں مدفون ہیں ان سے ابتدا کرے۔ اس لئے کہ یہ قبہ قریب ہے اور ان سے گزر کر دوسروں کی زیارت کی طرف متوجہ ہونا ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ زمانہ قدیم میں اہل مدینہ کا یہی عمل تھا اور شیخ محمد بن عراق جو رعایت سنت اور عمل تقویٰ میں یکتا تھے اور ان کے علاوہ بعض دوسرے متاخرین نے بھی ایسا ہی مشاہدہ کیا ہے۔ اور بعضے علمائے حنفیہ نے بھی اسی طرح تصریح کی ہے۔ سہمنودی کا کلام بھی بعض مقامات میں ظاہراً اسی قول کو ترجیح دیتا ہے۔ انہیں سہمنودی نے ارشاد میں بیان کیا ہے کہ اول بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقف کا قصد کرے جو دار عقیل کے نزدیک واقع ہے۔ اس لئے منقول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پر ہی تشریف لے گئے تھے۔ اور کھڑے ہو کر اہل بقیع کے لئے دعا فرمائی تھی۔ اب یہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کو موقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اس کے بعد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کرے۔ اس کے بعد فاطمہ بنت اسد علی بن ابی طالب کی والدہ، اس کے بعد سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے۔ پھر امہات المومنین۔ پھر مالک پھر نافع پھر عباس پھر صفیہ (سردار دو جہاں کی پھوپھی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کرے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ابتدا سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرے۔ ان کے ساتھ ان کی بہنیں وغیرہ بھی مدفون ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جزو تشریف اور آپ کے ٹکڑے ہیں اس لئے دوسروں کو ان پر مقدم کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہی بہت سچا مذہب اول مسلک معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ابتدا کرے۔ اس لئے کہ آپ اہل بقیع میں افضل ہیں۔ اور ابن فرحون مالکی وغیرہ نے اس مسلک کو ترجیح دی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زیارت سے پہلے اگر کسی دوسری قبر پر گزر ہو تو سلام کرے۔ اور گزر جائے۔ تھوڑی دیر ٹھہرے اور یہی گروہ کہتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت عباسؓ اور جو لوگ ان کے قبہ میں مدفون ہیں ان کی زیارت کرے۔ اس کے بعد ازواج مطہرات حضرت عائشہ صدیقہؓ اور جو کوئی بھی ان کے ساتھ ہو۔ اس کی زیارت کرے۔ پھر مشہد عقیل پر جائے اور اس کی زیارت کرے۔ اس دروازے پر دیر تک ٹھہرے اور دعائیں طول اختیار کرے۔ اس لئے کہ یہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی تھی۔ یہاں کی دُعا مستجاب ہے۔ اس کے بعد سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ آپ کی بہنوں کی قبروں پر جائے۔ اور پھر عثمان بن مظعون کی قبر پر جائے۔ آپ اول صحابی ہیں جو اس مقبرہ میں دفن ہوئے۔ اور پھر ان دوسرے اصحاب کے وہاں جائے۔ جو اس جگہ آرام کر رہے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

بعضے علماء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ قبہ عباس سے ابتدا کرے۔ اور پھر جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں وہاں جائے اس کے بعد جو مزار سامنے آئے وہاں جائے کیونکہ جن کی شانِ جلالتِ ادنیٰ بھی ہے بغیر سلام کے وہاں سے گزر جانا عالمِ مروت اور طریقتِ ادب سے بعید ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ ایک نیک مقصد ہے اس میں افضل اور اشرف کی رعایت نہ کرنا کچھ نقصان نہیں پہنچاتا۔ علمائے مدینہ کی ایک جماعت ایسا معلوم ہوا ہے کہ جب یہ حضرات بقیع کی زیارت کا قصد کرتے تھے تو اول موقوف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرتے تھے۔ اور تمام اہل بقیع کے لئے دعا کرتے تھے۔ پھر اپنے مقصد کو پروردگارِ عالم سے طلب کر کے واپس ہوتے تھے۔ ان کے وہاں کسی خاص قبر پر جانے یا کھڑے ہونے کا کوئی اتہام نہ ہوتا تھا۔ اور یہ لوگ اس طریقت کے اختیار کرنے کی سند میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل پیش کرتے ہیں جو آپ سے منقول ہے۔ اگر یہ بات ثبوت کو پہنچ جائے اور ان کا ارادہ محض اتباع ہو تو بہت ہی اچھا ہے اور بعضے علماء نے کہا ہے کہ اگر یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوا ہو چاہے یہ صحت کو بھی نہ

پہنچے۔ ان لوگوں کا اس فعل میں آپ کے اتباع کا ارادہ کر لینا ہی درست ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وقوف موقف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت کی حصول یابی اور آنحضرتؐ کی اتباع اور اطاعت کی شرف یابی کے باوجود اگر اُس دربار کے مقربان کی زیارت کا بھی قصد کر لیا جائے تو یہ عمل زیادتی خیر و برکت اور ثواب کا باعث ہوگا۔ والسلام

تیرھواں باب

کوہ اُحد کے فضائل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ

سلم کا محب اور محبوب تھا

یہ سید الشہداء کا مقام ہے۔ غزوہ اُحد اور تمام غزوات کے تفصیلی حالات کتب تواریخ میں موجود ہیں۔ اس مقام پر جن امور کا ذکر کرنا مناسب ہے وہ اُحد کی فضیلت اور شہداء کی قبور ہیں جو اس غزوہ میں مشرف بہ شہادت ہوئے ہیں۔ صحیحین میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ اُحد کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا ہذا جبل یحبنا و نحبہ۔ ترجمہ۔ (یہ ایک پہاڑ ہے جو ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں) یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں ثبوت کو پہنچا ہے جیسا کہ بخاری کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ کی نظر کوہ اُحد پر پڑی آپ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا۔ ہذا جبل یحبنا و نحبہ علی باب من ابواب الجنة و ہذا غیر جبل ببغضنا و نبغضہ علی باب من ابواب النار۔ ترجمہ :- (یہ ایک پہاڑ ہے جو ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ یہ پہاڑ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔ اور یہ غیر ایک پہاڑ ہے جو دشمن رکھتا ہے۔ اور ہم اس کو دشمن رکھتے ہیں۔ وہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے) غیر مکہ کے راستے میں اور اُحد کے سامنے ایک پہاڑ ہے۔ حبیب خدا نے اس کو دشمن کہا ہے۔ علماء

نے کہا ہے کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمنی اور دوستی - نیک بختی اور بد بختی جمادات میں بھی ہوتی ہے۔ امام نووی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حدیث میں جانبین سے جو محبت مذکور ہے یعنی آنحضرتؐ کا جبل احد کو محبوب رکھنا اور جبل احد کا محبوب رکھنا محبوب خدا کو۔ یہ حقیقی معنی پر محمول ہے۔ لہذا وہ احد جنت کے پہاڑوں میں سے ہے اس لئے کہ انسان اس شخص کے ساتھ ہو گا جس کو وہ محبوب رکھتا ہے۔ یقیناً یہ پہاڑ جب کہ پیدا الانبیاء کا محب ہے تو اس کی جگہ پر آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب بہشت کے دروازے پر ہوگی۔ پہاڑوں کی عشق و محبت ایسی ہے جیسے جمادات میں تسبیح ان من شئ الا تسبیح بحملہ۔ ترجمہ :- (نہیں ہے کوئی شے مگر تسبیح کرتی ہے ساتھ حمد اللہ کے) جب کہ پہاڑ اور تمام جمادات اللہ تبارک و تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر کے محل ہیں تو اگر اُس کے حبیب کی محبت سے موصوف ہوں کیا مشکل ہے۔ بیت

سرحبازلی در ہمہ اشیا جا رلیست و در نہ بر گل نزدی بلبل مسکیں فریاد
 علمائے محققین کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام موجودات کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ محض جن والنس اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہ تھے۔ آپ تمام عالم کے رسول ہیں حتیٰ کہ نباتات اور جمادات کے لئے بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پہاڑ سے خطاب فرمانا اسکن یا احد فاما علیک نبی او شہید ترجمہ (کہ اے احد ٹھہر جا تیرے اوپر نبی ہیں یا شہید) یہ پہلی دلیل اس بات کی ہے کہ اس میں علم اور عقل موجود ہے کہ جس کی وجہ سے خطاب کو سمجھ سکے۔ اور عشق و محبت عقل اور فہم کے لوازمات سے ہے۔ زمانہ نبوت سے پیشتر آپ کو سچوں کا سلام کرنا وغیرہ اور آپ کی مفارقت سے مسجد شریف کے ستون کا رونا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس مدعا کی صاف دلیل ہے۔ جس طرح سے باشندگانِ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک مومن خالص دوسرا منافق۔ اسی طرح مقامات بھی دو قسموں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے کوہِ غیر منافقوں کی جانب ساکنانِ مسجد ضارہ کی جانب واقع ہوا۔ اور آخرت میں بھی ان کے ساتھ دو زنج میں رہے گا۔ غزوہ احد کے دن ابن ابی اور منافقوں کا ایک بڑا گروہ آنحضرتؐ کے ہمراہ روانہ ہوا۔ لیکن کوہ احد تک نہ جاسکا اس لئے کہ وہ صدیقین اور محبوبین کا مقام ہے۔ مدینہ کے قریب ہی سے واپس ہو کر یہ سب

بدبختی کے ٹھکانے پہنچے۔ اس حدیث کی تاویل اس مقام کے باشندوں کی محبت اور عداوت کرنا۔ اصحابِ محبت سے بعید ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ محبت اس خوشی سے کنایہ ہے جو آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے جی میں سفر سے واپس آتے ہوئے اس پہاڑ کو دیکھ کر پیدا ہوتی تھی گویا کہ یہ پہاڑ زبانِ حال سے مدینہ منورہ کی قربت اور اس کے باشندوں کی خبر کی بشارت دیتا تھا۔ اور یہ کام مجتوں کا ہے۔ اب بھی آنحضرتؐ کی محبت اور عداوت مثلاً ہذا اثر ان دونوں پہاڑوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کی نورانیت و ظلمات اور خوشی و سرور اور رنج و غم کسی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہر وقت اور ہر حالت میں جب اُحد کی طرف نظر کرتے ہیں تو ایک نور اور سرور اس میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس کا الکار کرنا گویا قوتِ حاسہ کا الکار کرنا ہے۔ اور دوسرے پہاڑ یعنی جبلِ غیر اس کو اُحد کے خلاف پاتے ہیں۔ اور اُحد کا لفظ تو حد سے مشتق ہے چونکہ یہ پہاڑ دوسرے پہاڑوں سے جدا واقع ہوا ہے۔ مدینہ منورہ کے مقابل میں شمالی جانب دو میل یا کچھ زائد فاصلے پر واقع ہے اور یہ کسی دوسرے پہاڑ سے تعلق نہیں رکھتا۔ باوجود اس کے چونکہ اس مقام سے اہل ایمان اور توحید کی مدد ہوتی ہے تو اس کو اگر اس معنی کی مناسبت سے اُحد کہیں تو بہتر ہے اس لئے اُحد مشتق ہو گا۔ اُحدیت سے جو ذات اُحد مطلق کی صفت لازمہ سے ہے بخلاف غیر کے کہ غیر وحشی گدھے کو کہتے ہیں جو بُرے اخلاق اور پست صفتوں کے ساتھ مشہور ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ اُحد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ جب اُس پر سے گذرے تو اس کے درختوں سے میوہ کھاؤ اور اگر نہ ملے تو اس کے صحرا کی گھاس استعمال کرو۔ زینب بنت نبط جواث بن مالک کے نکاح میں تھیں۔ اُن سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد سے کہا کرتی تھی کہ اُحد کی زیارت کے لئے جاؤ تو میرے لئے وہاں کے نباتات اور گھاس لیتے آیا کرو۔

حدیث میں آیا ہے کہ اُحد علیٰ سرکن من ارکان الجنۃ و علیٰ رکن من ارکان النار ترجمہ: (اُحد جنت کے رکنوں میں سے ایک رکن ہے اور غیر جہنم کے رکنوں میں سے ایک رکن ہے) اور طبرانی نے عمرو بن عوف سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اربعۃ ارجال من ارجال الجنۃ و اربعۃ ارجال من

النهار الجنة واربعة ملاحم من ملاحم الجنة قيل فما لعيان قال
احد يحبنا ونحبه من اجبال الجنة وورقان جبل من اجبال الجنة
والطور جبل من اجبال الجنة ولبنان جبل من اجبال الجنة والانهار
الاربعة النيل والفرات وسبحان وجمحان والملاحم بدر واحد و
الخنديق والحنين ترجمہ۔ (چار پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں اور چار
نہریں جنت کی نہروں میں سے ہیں اور چار لڑائیاں جنت کی لڑائیوں میں سے ہیں بعض
کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون پہاڑ ہیں فرمایا کہ اُحد ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب
رکھتے ہیں۔ جنت کے پہاڑوں میں سے ہے اور ورقان جنت کے پہاڑوں میں سے
ہے اور طور جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ اور لبنان جنت کے پہاڑوں
میں سے۔ اور چار نہریں۔ نیل۔ فرات۔ اور سحون و جیحون اور لڑائیاں بدر واحد
اور خندق اور حنین ہم ابن شیبہ نے اس حدیث کو اپنی مختصر میں ابو ہریرہ رضی اللہ
عنه سے نقل کیا ہے لیکن جنگ کے ذکر سے سکوت کیا ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے
کہ خانہ کعبہ کی بنیاد چھ پہاڑوں سے ہے۔ ابو فیس و طور و قدس اور ورقان و
رضویٰ اور اُحد۔ ابن شیبہ انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت رب العزت جل جلالہ نے کوہ طور پر تجلی فرمائی تو
چھ پہاڑ عظمت باری عز اسمہ سے اُڑے اس کے تین ٹکڑے مدینہ منورہ میں گرے
اور تین مکہ معظمہ میں۔ جو ٹکڑے مدینہ منورہ میں گرے وہ اُحد اور ورقان اور رضویٰ
ہیں اور مکہ میں گرنے والے میں حرا و ثبیر اور ثور ہیں۔ ورقان مکہ کے راستے میں مدینہ
سے چار منزل پر ایک پہاڑ ہے۔ جیسا کہ مساجد کے تذکرے میں اشارتاً ذکر کیا گیا ہے۔
اور رضویٰ منبع میں ہے جو ایک مقام کا نام ہے اتنے ہی فاصلے پر ہے۔ ثبیر منا کے
پہاڑ کا نام ہے۔ ابن شیبہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ موسیٰؑ
اور ہارونؑ علیہم السلام بقتضی حج یا عمرہ مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔ لوٹتے وقت مدینہ
منورہ پہنچ کر کوہ اُحد پر آرام فرماتے تھے کہ ناگاہ ہارون نبی کو پیام اجل پہنچا۔
کوہ اُحد ہی پر دفن ہو گئے۔ اب بھی آپ کی قبر اس پہاڑ پر مشہور ہے۔ جیسا کہ اس شہر کے
باشندگان کے بیان میں ذکر کیا جائے گا۔ اور جبل اُحد کے اوپر ایک مسجد ہے کہ

بچھلے زمانے کے بعض غائبانے بنائی ہے۔ سرورِ انبیاء کا اس پہاڑ پر چڑھنے کا راستہ متعین نہیں ہو سکا اور مسجد فتح میں آپ کا نماز پڑھنا جو کہ اختتامِ پہاڑ پر واقع ہے اس کے متعلق ثبوت نہیں ہے۔ اس پہاڑ کے بعض غار میں آنحضرتؐ کے چھپنے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک اور دوسرا مقام ہے یہاں پر آدمی کے سر کے برابر پتھر میں ایک نشان ہے جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ حضورؐ نے اس پتھر پر نشست فرمائی تھی اور اپنے سر اقدس کو وہاں پر رکھا تھا۔ علماء کے نزدیک کوئی ایسا ثبوت جو اعتبار کے لائق ہو نہیں ملتا۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قبر پر جو شہدائے اُحد سے ہیں کھڑے ہوئے اور یہ آیت پڑھی من المومنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ الا یہ اللہم ان عبدک ونبیک لشہدان ہو کاء شہداء فرمایا کہ تم آؤ اور شہدائے اُحد پر سلام پڑھو۔ جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں جو کوئی بھی ان پر سلام پڑھتا ہے۔ اس کو جواب دیتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری جگہ اور شہیدوں کی قبروں پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ لوگ میرے اصحاب ہیں قیامت کے دن میں ان کی گواہی دوں گا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے اصحاب نہیں ہیں فرمایا کہ تم بھی میرے صحابی ہو لیکن میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کرو گے۔ یہ لوگ تو دارِ دنیا سے سلامت گئے۔

روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ اپنے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کی لاش پر کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ سید الشہداء کے ناک اور کان کاٹ لئے گئے ہیں۔ نیز آپ کے شکم کو چاک کر کے جگر کو نکال لیا گیا ہے۔ فرمایا کہ اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ صفیہ غمگین ہوں گی اور میرے بعد یہ سنت ہو جائے گی تو میں ان کو ایسا ہی چھوڑ دیتا تاکہ درندوں کے پیٹ اور چڑیوں کے پوٹوں میں جاتے۔ پھر فرمایا کہ مجھ کو کوئی مصیبت اس کے مانند نہ پہنچی ہوگی۔ نہ ایسی غصہ ناک جگہ پر کبھی کھڑا ہوا ہوں گا۔ اسی درمیان میں جبریلؑ میں پہنچے اور وحی لائے۔ مکتوب فی اهل السموات السبع حضرتہ بن عبدالمطلب اسد اللہ و اسد رسولہ۔ ترجمہ (ساتوں آسمانوں کے باشندوں میں لکھا ہوا ہے کہ حمزہ بن عبدالمطلب اللہ کے شیر اور اس کے رسول کے شیر ہیں) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ایک چادر پہناؤ اور نماز ادا فرمائی اور سات تکبیریں کہیں پھر

دفن کر دیا۔ آنحضرتؐ کے شہدائے اُحد پر نماز پڑھنے میں علماء میں مشہور اختلاف ہے۔ ابو داؤد اور حاتم اپنی صحیح میں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اُحد کے دن فرمایا کہ تمہارے بھائیوں کو جو کچھ پہنچنا تھا پہنچ چکا۔ حق تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز چڑیوں کے پوٹوں میں رکھ دیا ہے۔ جنت کی نہروں میں داخل ہوتے ہیں اور بہشت کے میوے کھاتے ہیں۔ سونے کی قندیلیں جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی ہیں۔ اس میں آرام کرتے ہیں اور اپنے رب سے کہتے ہیں کہ اے رب العزت کون ہے جو ہماری خبر ہمارے ان بھائیوں کو پہنچا دے جو دنیا میں ہیں۔ اور وہ ہماری حالت سے مطلع ہو کر جہاد سے کوتاہی نہ کریں۔

حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پہنچاؤں گا۔ لہذا یہ آیت نازل ہوئی ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتاً بل احياء عند ربهم يرزقون اكلية۔ (موتاً پر جو تنوین ہے یہ تنوین تحفیری ہے اور احياء پر جو تنوین ہے یہ تنوین تعظیمی ہے)۔ ترجمہ:- (اور مت گمان کرو ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں قتل کئے گئے۔ معمولی مردہ بلکہ وہ حیات ممتاز رکھتے ہیں اپنے رب کے نزدیک رزق دئے جاتے ہیں۔ آخر آیت تک)۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ ہر سال شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور فرماتے تھے۔ سلام علیکم بما صبرتم فنعمة عقی الدائرہ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص ان شہداء کے اُپر سے گزرے اور اُن پر سلام بھیجے تو یہ لوگ قیامت تک اس پر سلام بھیجتے رہیں گے۔ چنانچہ سید الشہداء اور دوسرے شہیدوں کی قبر سے جو احادیث ہیں سلام کا جواب دینے کی سلف سے آثار اور خبریں ملی ہیں۔ شہدائے اُحد کی کل تعداد کا شمار صحیح قول کے اعتبار سے شرعاً ہے۔ سہمنودی کی تاریخ میں انہیں اتنی ہی تعداد میں شمار کیا گیا ہے اور ان حضرات کے مزارات کا مقام تعیین کرنے میں بہت کوشش کی ہے۔ فی زمانہ سید الشہداء کے مشہد کی غریب جانب ایک حد بنادی گئی ہے جس میں شہیدوں کی قبریں ہیں لیکن قبور کی صورتیں نہیں بنائی گئی ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

روایت ہے کہ آنحضرتؐ شہدائے اُحد میں سے دو تین آدمیوں کو ایک کپڑے

میں رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان میں جس شخص کا علم قرآن زائد ہو اس کو قبر میں پہلے رکھو۔ صحیح خبروں میں آیا ہے کہ چھیالیس سال کے بعد جب بعض شہدائے اُحد کی قبروں کو کھولا گیا تو اسی طرح سے تر و تازہ مثل غنچہ گل مع کفنوں کے نکلے۔ یہ معلوم ہوتا تھا گویا ان کو کل ہی دفن کیا گیا ہے اور بعضوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ زخم پر رکھے ہوئے ہیں جب ہاتھ کو زخم سے علیحدہ کرتے تھے تو اس زخم سے تازہ خون جاری ہو جاتا تھا اور جب ان کے ہاتھ کو چھوڑ دیتے تھے تو وہ پھر زخم کی جگہ پہنچ جاتا تھا۔ ان قبور کے کھولنے کے متعلق جو واقعات مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ تھا کہ ایک شخص کا عزیز ایک اجنبی کے ساتھ مدفون ہو گیا تھا۔ آنحضرتؐ کی صریح اجازت کی وجہ سے یا بوجہ دلالت حال کی وجہ سے اور یا پھر قیاس اور اجتہاد کے سبب سے اس کو نکال کر علیحدہ دفن کرنا چاہتے تھے اور دوسرا واقعہ یہ تھا کہ نالوں میں سیلاب آ جانے کی وجہ سے قبریں کھل گئی تھیں اور زیادہ تر اس وجہ سے بھی کہ معاویہ بن ابوسفیان نے اپنی امارت کے زمانہ میں اپنی طرف سے ایک چہنمہ نکال کر اس مشہد مقدس کی راہ سے جاری کیا تھا جس کی وجہ سے اکثر شہدار کی قبریں کھل گئیں اور شہیدوں کو قبر سے بالا نکالا گیا۔

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے شفا السقام میں لکھا ہے کہ جب معاویہ نے نہر جاری کی تو حکم دیا کہ شہداء اپنی قبروں سے منتقل کئے جائیں۔ ایک پھاڑہ سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب کے پائے مبارک پر لگا۔ اس سے خون جاری ہو گیا۔ بیان کرتے ہیں کہ معاویہ کے عاہل نے چہنمہ کھودنے کے دن مدینہ میں منادی کر دی تھی کہ امیر المومنین کا چہنمہ جاری ہو رہا ہے جس شخص کا مردہ احد میں مدفون ہو، وہ آئے اور اس کو یہاں سے منتقل کر کے کسی دوسری جگہ لے جائے۔ واللہ اعلم۔

بعض شہدائے اُحد اس مقام کے علاوہ دوسری جگہ بھی دفن ہوئے ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے یہ فرما دیا تھا کہ جو شخص جس جگہ شہید ہو اس کو وہیں دفن کرو۔ سنان بن مالک بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں کیونکہ آپ کا انتقال اندرون مدینہ ہوا تھا۔ اور اسی جگہ جس جگہ پر آپ کا مشہد ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

چودھواں باب

بدال ارشد ک اللہ واسعدک۔ حضرت رفیع الشان رسول الانس والجان علیہ افضل صلوات الرحمن کی زیارت کے فضائل میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ بعض احادیث قبر شریف کی زیارت کو صریح الفاظ میں بتلاتی ہیں۔ اور بعضی دوسرے لفظوں کے ساتھ اس طریقہ پر گویا ہیں کہ ان میں یہ مدعا بھی شامل ہے اور یہ مطلب بھی حاصل ہو سکتا ہے لیکن وہ حدیثیں جن میں زیارت کرنا صریح لفظوں میں ثابت ہے یہ ہیں۔ یہ حدیثیں ثقہ لوگوں سے متعدد طریقوں پر ہم تک آئی ہیں ان میں سے بعضی درجہ صحت کو پہنچتی ہیں اور اکثر حن کے درجہ کو۔

حدیث اول۔ مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي تَرْجَمَ (جو شخص میری قبر شریف کی زیارت کرے میری شفاعت اس کے لئے واجب اور لازم ہے)۔ قبر شریف کی زیارت کرنے والے کے لئے اس خصوصیت کی خاص وجہ ہے کیونکہ جہاں تک آنحضرتؐ کی شفاعت کا تعلق ہے اس نعمت سے ہر مسلمان کو نوازا جائے گا اور آپ کی یہ کرم فرمائی اور مومن نوازی جملہ مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ لیکن یہاں پر شفاعت سے مراد خاص شفاعت ہے جو درجہ خاص کے حصول کا ذریعہ ہوگا۔ ان کے علاوہ غیر زائرین کا اپنے زیادتی اعمال اور کثرتِ فضائل کے باوجود اس درجہ پر پہنچنا میسر نہ ہوگا۔ جس طریقہ سے آنحضرتؐ کے بعض اصحاب کو آپ کی بقیہ اُمت پر خصوصیت حاصل ہے۔ تمام عمر بجز ایک نظر کے آل سرور کے جمال باکمال سے مشرف نہ ہوا ہو۔ اس مدعا کے ثبوت پر پُر تو ڈالتا ہے باوجودیکہ یہ کلام وجوب شفاعت کی خبر دیتا ہے اس کا واقعاً پورا ہو جانا اس لئے ضروری ہے کہ آنحضرتؐ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور ایفائے عہد کا وعدہ چونکہ آنحضرتؐ کی طرف سے ہوا ہے۔ اس لئے ضرور پورا ہوگا اور یہ دوسروں کے معاملہ میں جواز اور امکان کے درجے میں باقی رہتا ہے۔ اس کے علاوہ زائر کے لئے یہ بشارت بھی ہے کہ وہ دین اسلام پر مرے گا۔ یہ بھی سیدنا علیہ

افضل الصلوة والسلام کی برکت کے طفیل ہوگا۔ وہ اس طرح کہ شفاعت کے لئے دین اسلام پر مزنا ضروری ہے۔

حدیث ثانی۔ من تراہ قبری حلت لہ شفاعتی ترجمہ: (جس نے ہماری قبر کی زیارت کی۔ اُس کی شفاعت ہمارے اوپر لازم ہے)۔

تیسری حدیث۔ من جاءنی زائرًا تعدلہ حاجۃ الازیارتی کان حقًا علی ان اکون لہ شفیعًا یوم القیمة۔ ترجمہ: (جو شخص کہ آوے میری زیارت کے لئے اور نہ ہو اس کو حاجت سوائے ہماری زیارت کے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اُس کے شفیع ہو جائیں دن قیامت کے) یہ دونوں حدیثیں حدیث اول کی تقریباً ہم معنی ہیں لیکن تیسری میں صدق و اخلاص کی شرط ضرور موجود ہے اور انسان کے افعال و اعمال کا دار و مدار اخلاص ہی پر ہے۔

چوتھی حدیث۔ من حج فزار قبری بعد وفاتی کان گمن زارنی فی حیاتی۔ فرماتے ہیں کہ میری قبر کی زیارت میری وفات کے بعد میری صحبت کا حکم رکھتی ہے۔ گویا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی گویا وہ شخص میری زندگی میں میری صحبت سے فیض یاب ہوا۔ اس حدیث سے حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت حیات کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن اس مسئلہ کی تحقیق بالتفصیل آخری باب میں کی جائے گی۔ اس حدیث کا مضمون اُس اشارہ کا جو حدیث اول میں بیان کیا گیا ہے موید ہے یعنی زائر کے لئے مخصوص اور ممتاز ہونا حضرت رسولؐ مختار کی قبر کرامت شمار کا کہ جو دوسروں کے لئے نہیں ہے۔ جس طرح سے آنحضرتؐ کے اصحاب زیادتی، فضیلت اور کثرت ثواب میں ممتاز ہیں لیکن اس تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ آپ کی قبر کا زیارت کرنے والا من کل الوجوہ صحابی کے حکم میں شمار کیا جائے لگے یا تمام فضل اور تمام احکام میں اُسے بھی شریک کر لیا جائے۔ جس طرح خواب میں آنحضرتؐ سید انام سے کسی حدیث کا سن لینا احکام شرعیہ کے لئے مثبت نہیں ہے باوجود اُسے کہ آپ کا خواب میں دیکھنا صحیح اور حق ہے۔ بہو جب حدیث من رأی فی المنام فقد رآی الحق۔ ترجمہ: (جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا بس ٹھیک مجھی کو دیکھا)۔

پانچویں حدیث - من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی ترجمہ (جس شخص نے خانہ کعبہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی مجھ پر ظلم کیا)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل نہ کرنے پر وعید ہے اور حج کرنے کے بعد اس فضیلت سے محروم رہنے پر تنبیہ اور سزا ہے کیونکہ آنسوؤں کی بہت ہی خواہش تھی کہ آپ کی اُمت ثواب حاصل کرے اور یہ آپ کی اُمت پر کمال شفقت ہے۔

حدیث چھٹی - من زارنی الی المدینۃ کنت لہ شفیعاً و شہیداً - ترجمہ - (جو شخص کہ ہماری زیارت کرے مدینہ میں ہم اس کے لئے شفیع ہوں گے اور گواہ) شفاعت گنہگاروں کے لئے ہوگی۔ اور شہادت اہل طاعت کے لئے ایک روایت میں آیا ہے من زار قبری کنت لہ شفیعاً و شہیداً۔

حدیث ساتویں - من زارنی متعمداً کان فی جوارى یوم القیمۃ و من مات فی احد الحرامین بعثہ اللہ من اکا منین یوم القیمۃ - فرماتے ہیں جو شخص میری زیارت کرے اور اس کو مقصود اصلی سمجھے۔ قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا اور جو شخص کہ حرم مکہ یا مدینہ میں مرے۔ قیامت کے عذاب سے امن میں ہوگا۔

حدیث آٹھویں - قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حج حجة الاسلام و زار قبری و غزی و کاف و صلی فی بیت المقدس لم یسال اللہ عز و جل فیما افترض علیہ - اس حدیث میں فریضہ حج کی فضیلت اور حضرت سیدنا ام کی قبر شریف کی زیارت۔ کفار کے ساتھ جہاد کرنا۔ اور بیت المقدس میں نماز ادا کرنا۔ جو نیک لوگوں کا مقام ہے ذکر کئے گئے ہیں۔ احتمال رکھتا ہے کہ یہ مخصوص جزا یعنی فرائض مخصوص کا نہ پوچھا جانا مجموعہ امور کے اوپر ہے یا فرداً فرداً پر مترتب ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حدیث نویں - من حج الی مکۃ ثم قصد فی مسجدی کتبت لہ حجتان مبرورتان - آنحضرت کی زیارت کا قصد کرنا اور آپ کی مسجد شریف کی زیارت سے مشرف ہونا حج مقبول کے برابر ہے بلکہ قبولیت حج کا سبب ہے اور حج مبرور کی جزا جو با جنت ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے حج مبرور اس حج کو کہتے ہیں جس میں محرمات

اور منہا ہی کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو اور ریا کو دخل نہ ہو۔ حقیقتاً یہ حج دربارہ خداوندی میں قبول ہوگا۔ اور یہ اللہ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے۔

حدیث دسویں۔ من زارنی میتاً فکانما زارنی حیا و من زار قبری و جبت له شفاعتی یوم القیمة و ما من احد من امتی له سعة ثم لم یزرنی فلیس له عذر۔ اس حدیث کے معنی حدیث اول اور چوتھی کے مضمون پر مشتمل ہیں۔ پانچویں حدیث کا مضمون بھی اسی کے موافق ہے۔

گیارہویں حدیث۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ من زار قبری بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی و من لم یزر قبری فقد جبنانی۔ یہ بھی چوتھی اور پانچویں حدیث کے مضمون کے موافق ہے۔

حدیث بارہویں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے من سال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدرجة والوسيلة حلت له شفاعته یوم القیمة و من زار قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ (جو شخص کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کرے اس کو قیامت کے دن درجہ اور وسیلہ کی شفاعت بھی حاصل ہوگی۔ اور جو شخص کہ جناب رسول مقبول کی زیارت کرے ہوگا پڑوس میں حضور کے) اور وہ ان لفظوں سے ہے اللہُمَّ ات محمد الوسيلة و الدرجة الرفیعة شفاعت کے حصول کا سبب ہے اور ہر ایک حدیث کے لئے طرق متعدّد ہیں اگر ان کو جدا جدا کیا جائے تو جس قدر احادیث ذکر کی گئیں ان سے زائد حدیثیں ہوں گی۔ اسی طرح سے سید علیہ الرحمۃ نے کہا ہے۔

فصل۔ منجملہ ان احادیث کے جن سے حیات انبیاء و صلوات اللہ علیہم ثابت ہوتی ہے۔ نصوص قرآنی کے علاوہ زمرہ شہداء اور متقاتلین فی سبیل اللہ کی حیات میں مذکور ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ ابو یعلیٰ ثقہ لوگوں سے نقل کرتے ہیں انس بن مالک سے روایت ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون۔ ترجمہ :- (فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں) اور وہ حدیث جو خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ

سلم کی حیات کو ثابت کرتی ہے۔ اور بہت مشہور ہے۔ ما من احد یسلم علی اکرامہ اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔ ترجمہ (کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو مجھ پر سلام بھیجے مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس کرتے ہیں یہاں تک کہ میں اس پر اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں)۔ لیکن علمائے اختلاف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ فضیلت ہر اس شخص کے لئے عام ہے جو شرف اسلام سے مشرف ہو چکا ہو خواہ قبر شریف کا زائر ہو یا غائب۔ اور جس مقام پر بھی ہو یا یہ زائرین قبر شریف اور مدینہ منورہ کے حاضرین کے ساتھ مخصوص ہے۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ فضیلت زائرین کے لئے مخصوص ہے۔ اس قبہ کے قرینہ پر جو احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں ہے۔ ما من احد یسلم علی عند قدیری۔ ترجمہ: (نہیں ہے کوئی شخص کہ جو سلام بھیجے مجھ پر میری قبر کے نزدیک)۔ اس کلام کی تحقیق جس طرح سے بعض متاخرین فضلاء نے کی ہے یہ ہے کہ سلام بھیجنا سیدنا نام صلے اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کا ہے۔ اول قسم یہ کہ ارادہ دعا اور درخواست کا ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار سے حضرت رسالت پر نزول سلام اور رحمت کا۔ خواہ لفظ حاضر سے ہو یا غائب سے۔ اس کا کہنے والا دربار میں حاضر ہو یا نہ ہو لیکن وہ کہے السلام علی محمد یا کہے السلام علیک یا رسول اللہ۔ اس قسم کو بعض علمائے جناب رسالت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ اور اس کا استعمال غیر کے لئے منع کرتے ہیں۔ مگر طفیلی اور نابالغ کی حیثیت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اس سے مقصود سلام اور تعظیم ہو جیسا کہ زیارت کرنے والے قبر شریف پر پہنچنے کے بعد کہتے ہیں یا جس طرح کہ مجلس میں آنے والا اہل مجلس کو سلام کرتا ہے لیکن یہ کیفیت مخصوص آنحضرت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ سلام بموجب حکم شریعت مستحق جواب کا ہے خواہ روبرو سلام کرے یا کسی قاصد کے ذریعہ سلام بھیجے۔ اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت ہی مستحق ہیں کہ اس واجب کی ادائیگی کریں۔ اور اگر یہ حکم یعنی جواب دینا سلام کا قسم اول بھی ثابت ہو جائے تو کچھ بعید نہیں ہے اور دوسری قسم میں جواب کا دنیا بطور امتیاز کے ہے۔ اور جو حدیث میں آیا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جو شخص آپ کی اُمت میں سے

آپ پر ایک مرتبہ سلام بھیجے میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔
 ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قسم اول کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی طرح سے لوگوں نے
 کہا ہے اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے بہت سے فرشتے پیدا
 کئے ہیں جو زمین میں پھرتے ہیں۔ اور میری اُمت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔
 یہ غائب کے متعلق ہے لیکن جو شخص کہ حاضر ہے اس کے متعلق دو حدیثیں آئی ہیں پہلی
 حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت اُس کے سلام کو سنتے ہیں اور بنفس نفیس خود
 جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث سابق کا مضمون یہی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے
 روایت ہے۔ من صلی علی فی قبری رد دت علیہ ومن صلی علی فی مکان اخر یبلغونہ۔
 ترجمہ: جو شخص کہ صلوٰۃ بھیجتا ہے مجھ پر میرے روضے کے پاس میں خود اس کو
 جواب دیتا ہوں۔ اور جو شخص کہ صلوٰۃ بھیجتا ہے مجھ پر دوسرے مقام سے وہ مجھ
 تک پہنچاتے ہیں۔ اور دوسری حدیث جو کہ دلالت کرتی ہے غیبت کی حالت میں
 ایک فرشتہ مقرر ہے جو آنحضرت تک سلام پہنچاتا ہے۔

روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ما من عبد یسلم علی عند قبری
 لا وکل اللہ بھا ملکاً یبلغنی وکفی اجر اخرتہ و دیناہ و کنت لہ شہید و شفیعاً یوم القیمۃ
 ترجمہ: کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جو سلام بھیجے میرے روضے کے نزدیک مگر
 مقرر کرتا ہے اللہ تعالیٰ ساتھ اس کے ایک فرشتہ جو پہنچاتا ہے میرے پاس
 اور کفایت کرتا ہے اللہ اس کے اجر کو دنیا اور آخرت میں اور ہوں گا میں اس کے لئے
 گواہ اور شفیع دن قیامت کے) واللہ اعلم۔ وجہ توفیق یہ ہو سکتی ہے کہ پروردگار عالم کا یہ
 قاعدہ جاری ہوگا کہ ایک فرشتہ دربار رسالت میں مقرر رہتا ہوگا کہ بندوں کا سلام
 پہنچایا کرے جیسا کہ بادشاہوں میں دستور ہے۔ باوجود اس کے بعض خالص بندے
 اور خاص مقرب اور تمام شکستہ دلوں کا سلام خود بخود سنتے ہوں اور بنفس نفیس
 جواب دیتے ہوں۔ عبدالحق جو اکابر ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ احکام صغریٰ میں صحیح اسناد
 کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص مسلمان بھائی کو دنیا میں پہنچاتا تھا اب وہ اس کی قبر پر گزرا اور

سلام کیا تو وہ اس کو پہچان کر سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور ابن عبد البر نے بھی اس حدیث کی تصحیح کرتے ہوئے روایت کیا ہے۔ اور ابن تیمیہ نے بھی معمولی لفظی فرق کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ نیز امام عبد الحق کتاب عاقبت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ ما من رجل يزور قبر أبيه في مجلس عند الكلا استانس به حتى يقوم - ترجمہ :- (نہیں ہے کوئی آدمی جو اپنے باپ کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے نزدیک بیٹھے مگر وہ اُسے انسیت پکڑتا ہے کھڑے ہونے تک) ابن ابی الدنیار ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے شناسا کی قبر پر گزے تو صاحب قبر اس کو پہچان لیتا ہے اور اگر اس پر سلام کر دے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے۔ سہمندی کہتے ہیں کہ اس مفہوم کی بہت سی حدیثیں ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اس مفہوم کی حدیثیں عام مومنین کے لئے ثابت ہیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہنا۔

بازری تو ثیق عری الايمان میں سلیمان بن سحیم سے روایت کرتے ہیں کہ سلیمان نے کہا کہ میں نے آنسر در صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو لوگ آپ کی زیارت کو آتے ہیں اور آپ کو سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ ان کا سلام سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نعم وارد علیہم۔ ہاں میں سنتا ہوں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔ ابن نجار نے ابراہیم بن بشر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج ادا کیا اور آنحضرت کی زیارت کے لئے مدینہ میں آیا۔ جب آپ کی قبر شریف پر پہنچا اور سلام عرض کیا تو اندر سے میں نے ایک آواز سنی کہ ارشاد فرماتے ہیں وعلیک السلام۔ اسی طرح اولیاء اللہ اور اُمت کے نیک لوگوں سے بہت سی باتیں منقول ہیں اور تمام علماء متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حیات میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور اسی طریقے سے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اپنی قبروں میں اس حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ جو حیات شہدائے کامل تر ہے کہ جس کے متعلق قرآن مجید میں خبر دی گئی ہے اور کیوں نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء ہیں اور شہیدوں کے اعمال آپ ہی کی ترازو میں ہیں۔ آنسر در نے ارشاد فرمایا ہے کہ علی بعد وفاتی کعلی فی حیاتی۔

یعنی میرا علم بعد وفات کے مثل اس علم کے ہے جو میری حیات میں تھا۔ اس کو حافظ مندر نے اور ابن عدی نے کامل میں روایت کیا ہے۔ اور ابو یعلیٰ ثقہ لوگوں سے نقل کرتے ہوئے انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔

بیہقی انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور تصحیح کرتے ہیں کہ الا نبیاء لا یتروکون فی قبورہم بعد اربعین لیلة ولکنہم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور۔ ترجمہ۔ (انبیاء علیہم الصلوٰۃ اپنی قبروں میں چھوڑے جاتے ہیں بعد چالیس دن کے لیکن وہ نماز پڑھتے ہیں اللہ کے سامنے یہاں تک کہ صور پھونکا جائے) بیہقی کہتے ہیں کہ اگر صحت کو ترجیح جائیں تو حدیث کے لفظ یہی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ قبر میں انبیاء کی حیات دائمی ہے لیکن چالیس دن تک نماز اور عبادت ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ بیہقی اور بھی کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات پر بہت سی صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں۔ اس کے بعد ذکر کیا ہے کہ جب آنحضرتؐ موسیٰ علیہ السلام پر گزے تو حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح کی اور دوسری حدیثیں بھی ہیں کہ آنحضرتؐ نے انبیاء سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ سلام اللہ اجمعین بیہقی کہتے ہیں کہ ان تمام احادیث کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی روحیں وفات کے بعد ان پر واپس کر دیتے ہیں۔ اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک مثل شہدا کے زندہ ہیں۔ اُس کے بعد صاعقہ نفخہ اولیٰ بحکم نص فصعق من فی السموات ومن فی الارض۔ ترجمہ۔ (اے ہوش ہو جائیں گے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں) ان کے اندر بھی اثر کرے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ من کل الوجوہ مت ہو۔ بجز اس کے کہ اُس حالت میں شعور جاتا رہے گا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ شہدا حکم الہی کی وجہ سے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اَلَا مَا شَاءَ اللہ۔

بیہقی کہتے ہیں کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کا دن سب دنوں سے افضل ہے۔ ختم اس دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو۔ تمہارا درود اُس دن میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول ہمارے درود آپ

پر کس طرح پیش کئے جائیں گے۔ حالانکہ آپ بوسیدہ ہو گئے ہوں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسم کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ اور بزاز صحیح لوگوں سے نقل کرتے ہوئے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو زمین پر پھرتے ہیں اور مجھ کو میری اُمت کے اعمال پہنچاتے ہیں اور آپ نے فرمایا میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے اس لئے کہ تمہارے اعمال جب میرے سامنے پیش کئے جائیں گے تو جو نیک عمل ہو گا میں اس پر خدا کا شکر ادا کروں گا اور جو بُرے ہوں گے اس پر تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ استاد منصور بعد ادی کہتے ہیں کہ محققین علمائے متکلمین قائل ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں۔ آپ اپنی اُمت کی اطاعت سے خوش ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے جسم قبر کے اندر بوسیدہ نہیں ہوتے۔

بیہقی کتاب الاعتقاد میں کہتے ہیں کہ انبیاء علیہ السلام کی ارواح قبض کرنے کے بعد پھر ڈال دی جاتی ہیں۔ اور یہ سب خدا کے نزدیک شہداء کے مثل زندہ ہیں۔ اسی کتاب الاعتقاد میں بیہقی کہتے ہیں کہ انبیاء علیہ السلام کی رُوحیں قبض کرنے کے بعد ان پر واپس کر دی جاتی ہیں۔ اور وہ حضرات خدا کے نزدیک شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ اس لئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں پیغمبروں کی ایک جماعت سے ملاقات کی تھی۔ صاحبِ تلخیص جو شافعی المذہب ہیں کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا جو مال آپ کے بعد باقی رہا تھا وہ آپ ہی کی ملکیت میں رہا۔ جیسا کہ حالتِ حیات میں تھا۔ ورثہ کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوا۔ جس طرح کہ مردوں کا منتقل ہو جاتا ہے اور اس کا مصرف اس طرح تھا کہ بلا لحاظ حصہ کے آپ کے اہل و عیال پر خرچ کیا جائے۔ جیسا کہ میراث میں کرتے ہیں۔ اور اس کو آلِ سرور کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔ امام الحرمین نے اس قول کی تصحیح کر کے فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ میں صدیق رضی اللہ عنہ کے قاعدہ کے موافق ہے۔ ان اکابر علماء کا کلام تقاضہ کرتا ہے کہ احکامِ دنیا میں بھی حیات کو ثابت کیا جائے لہذا انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے اخص اور اکمل و اتم ہے۔ یہی

مذہب مختار و منصور ہے۔ نہ کہ جیسا کلام بہیقی سے بعض مقامات پر ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی حیات مثل حیات شہدا کے ہے بلکہ بہیقی کی مراد افضل حیات کی تشبیہ دینا ہے۔ اور رفع استبعاد کرنا ہے۔ نہ کہ جمیع خصوصیات ہیں۔ اور اس صورت میں اعتراض نہیں کیا جاسکے گا۔ بعض علمائے اس مقام پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر اس حیات سے مراد وہ حالت ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ نے شہیدوں کے ساتھ ثابت کی ہے اور فرمایا ہے **بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْسَلُ قُتُولُ** — تو صحیح ہے لیکن اس باب میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ کہ شہدا پر احکام موت مثل ملکیت وغیرہ جاری ہیں۔ اور یہ کہا ہے کہ امام سے تعجب ہے کہ خود کہتے ہیں۔ **مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ عَنِ النِّسْوَةِ وَمَاتَ وَهُوَ رَاضٍ مِنَ الْعَشْرَةِ**۔ ترجمہ :-۔ دانتقال فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بیویاں چھوڑ گئے اور انتقال فرمایا رسول خدا نے اور آپ راضی تھے دس سے آنحضرت کی طرف موت کی نسبت کرتے ہیں پھر اثبات حیات کس طرح ہوگا۔ ورنہ کئی کہتے ہیں کہ کوئی تعجب کی جگہ نہیں ہے کہ آپ نے انتقال فرمایا اور اللہ نے زندہ کیا۔

غایت المرام میں شہرستانی امام الحرمین سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور جو لوگ آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں آپ اس کو خود سنتے ہیں۔ اور شفاعت السقام میں سبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت دائمی نہیں ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو ذائقہ موت کے بعد زندہ فرمادیا۔ اور ملکیت کا انتقال وغیرہ اس موت کے ساتھ شرط ہے جو دائمی ہو اور یہ حیات شہدا کی حیات سے اعلیٰ اور اکمل ہے۔ روح کے لئے حیات کا ثبوت بے شبہ اور بے اشکال کے ہے۔ اور حدیثوں سے ثابت ہوا ہے کہ انبیاء کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے اور تمام مردوں کے لئے روح کا جسم میں لوٹنا ثابت ہے۔ اگرچہ وہ شہدانہ ہوں۔ کلام تو بدن کے اندر روح کے طرح قیام کرنے سے ہے کہ اُس قیام سے وہ اس طرح زندہ ہو جس طرح دنیا میں تھا۔ یا بغیر روح کے ہی زندہ رہے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ اس لئے روح کی حیات دائمی اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایک عادی بات ہے۔

ن عقلی اور عقل اس کو جائز بھی رکھتی ہے۔ بس اگر کوئی دلیل معنی صحت کو پہنچے تو اس پر اعتقاد کرنا واجب ہے۔ علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے اور اس کو ثابت کرتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں (جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) نماز ادا فرمانا یقیناً ایسے جسم کا تقاضا کرتا ہے جو محل حیات ہو اور اسی طرح سے جو صفات شب معراج میں مذکور ہوئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی طرف اسناد کئے گئے ہیں سب اجسام کے صفات ہیں۔ انتہی۔

تمام اہل سنت والجماعت اس پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ سب مردوں کے لئے اور خاں کر انبیاء کے لئے ادراک مثل علم و شمع ثابت ہے۔ اور یقین ہے کہ حیات ہر میت کے لئے قبر میں عود کرتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اور یہ نہیں فرمایا ہے کہ حیات عود کرنے کے بعد قبر میں پھر موت آتی ہے بلکہ قبر کی نعمت یا اس کے عذاب کو قیامت تک ادراک کرتا ہے گا۔ اور بلاشبہ اس قسم کا ادراک حیات کے ساتھ مشروط ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ کسی جزئی حیات اس کے اجزا میں سے کافی ہو اور اس قسم کی حیات جس طرح دنیا میں تھی ثابت نہ ہو لیکن جو دلائل حیات انبیاء پر دلالت کرتے ہیں ان کا تقاضا تو یہی ہے کہ ان کی حیات غذا سے بے پرواہ ہونے کے باوجود ایسی ہو جیسی دنیا میں تھی کیونکہ غذا تو دنیا میں اسباب عادیہ سے ہے اور حق سبحانہ قادر ہیں کہ غذا کے بغیر بھی زندہ رکھیں اور جسم میں بعض ایسی کیفیتیں اور حالتیں پیدا فرمادیں کہ غذا کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ جس طرح کبھی کبھی خوشی اور غم کے حاصل ہونے پر مدتوں کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ یاد بھی نہیں آتا۔ حالانکہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ غذا حیات و بقائے بدن کے لئے سبب ہے۔ لیکن کوئی دلیل اس کے حصر پر نہیں پائی جاتی۔ ممکن ہے حق سبحانہ تعالیٰ کے پاس ایسے دوسرے اسباب بھی ہوں جو بدن کو باقی رکھ سکیں۔ اِنَّهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

مسائرہ میں قدوة المحققین کمال الدین ابن الہمام رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جملہ اہل حق اس پر متفق ہیں کہ قبر میں روح اس حد تک لوٹائی جاتی ہے کہ جس کے ذریعہ سے مردہ قبر کی نعمت اور عذاب کا ادراک کر سکے۔ بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ روح

کے اعادہ کرنے میں تردد کرتے ہیں۔ اور حیات و روح کے آپس میں لازم و ملزوم ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ بجز اس بات کے کہ عادت الہی ایسی ہی جاری ہے کہ حیات کی بقا روح کے ذریعہ سے ہے ورنہ اصل میں حیات کا ممکن ہونا اور پروردگار عالم کا بغیر تعلق ارواح کے جسموں کے زندہ کرنے پر قادر ہونا کوئی بات نہیں ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ بعضے علمائے حنفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ روح جسم میں رکھ دی جاتی ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ روح مٹی سے متصل ہوتی ہے اور تکلیف روح و مٹی کو ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے۔ ”انتہی“

فصل۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی حیات میں اور اس صفت کے ثبوت میں اور اس کے احکام اور آثار کے مترتب ہونے میں علما میں سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ ہاں بعضے علمائے انبیاء کی قبروں میں ان کے موجود ہونے اور ثابت رہنے میں البتہ کلام کیا ہے۔

شیخ علاء الدین قونوی جو محققین علمائے شافعیہ سے تعلق رکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی قبروں میں ان کی اس طرح کی حیات یا وجود جس طرح سے وفات سے پہلے تھا اور ان حضرات کا قبروں کے اندر مدامت اور استقرار فروعی مسائل میں سے نہیں ہے۔ جس میں دلائل ظنیہ غیر قطعیہ کافی ہو سکیں اور مشاہدہ خارجی سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کو جو حیات وفات سے پہلے حاصل تھی وہ زوال پذیر ہو گئی اور اُس حیات کے عود کا دعویٰ کرنے کے لئے کوئی دلیل قطعی اور واضح چاہیے۔ تاکہ اس سے اعتقاد حاصل ہو۔ باوجودیکہ ہم ان حضرات کی حیات کا پروردگار جل جلالہ کے نزدیک اس حیات کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں جو اس حیات متعارف سے اعلیٰ اور اشرف ہے اور ہم یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ سموات و ارض میں سدرۃ المنتہیٰ عنہا جنت الماویٰ کے نزدیک اپنے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہیں اور یہ حالت بہت ہی افضل و اکمل ہے۔ اس حالت سے کہ آپ قبر میں مقیم ہوں اگرچہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ مومن کی قبر میں بمقدار دراز کی نظر کے کشادگی کر دیتے ہیں تو پھر سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے متعلق کیا کہنا لیکن آپ کا جنت اعلیٰ میں رہنا جس کی چوڑائی مثل چوڑائی آسمان و زمین کے ہے بہت

ہی اکمل و اعلیٰ ہے۔ باوجودیکہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء کو چالیس دن کے بعد قبر میں نہیں چھوڑتے ہیں۔ اور یہ حضرات اپنے پروردگار کے نزدیک قیامت تک نمازیں پڑھتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ میں اپنے پروردگار کے نزدیک اس سے زیادہ بزرگ ہوں کہ مجھ کو تین دن کے بعد قبر میں چھوڑیں اس سے ظاہر ہو گیا کہ یقین کر لینا انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبر میں اس حیات کے ساتھ اقامت کرنا جو وفات سے پہلے تھی اور ان کا قبر کے اندر دائمی رہنا دشوار ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا یہ نہیں بتلاتا ہے کہ وہیں آپ کا قیام دائمی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین سے آسمانوں میں ملاقات کی ہے۔ بس تطبیق یہ ہے کہ ان حضرات کے آسمانوں پر قیام فرما ہونے کے باوجود یہ کبھی کبھی دوسری جگہ بھی منتقل ہو جاتے ہوں تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا قبروں کے اندر دائمی رہنا لازم نہیں آتا۔ یہاں تک قولوی کا کلام تھا۔ ان کے لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو جو تردد ہے وہ قبر کے اندر دائمی حیات اور دائمی قیام میں ہے۔ لیکن اصل مدعا یعنی ثبوت حیات پر در دگار عالم کے نزدیک ثابت اور مسلم ہے۔ بوجہ ثبوت دلیل قطعی نص قرآنی کے۔ چنانچہ کلام مذکور کو تحریر فرماتے کے بعد خود ہی کہتے ہیں کہ ایسی دوسری حیات کے ثبوت میں جو اس حیات معہودہ اور معلومہ جیسی ہے۔ (کہ غذا عادتاً حاصل نہیں ہو سکتی)۔ کوئی جھگڑا اور تردد نہیں ہے۔ ان کے اختلاف کا خلاصہ قبر کے اندر دائمی قیام اس حیات کے ساتھ کرنے سے ہے جو وفات سے پہلے تھی لیکن اس مقام پر کلام کی گنجائش ہے اگر غور سے سنا جائے تو ممکن ہے کہ قابل قبول ہو اور وہ یہ ہے کہ قطعی دلیل سے اصل حیات ثابت ہونے کے بعد (جیسا کہ خود انہوں نے قبر میں عدم دوام کا اعتراف کیا ہے) اور اکیلا نبیاء کا یترو کون۔ وانا اکرم علی سرتی۔ یہ دو حدیثیں لا کر اپنے مدعا کو تقویت دی ہے تو اکیلا نبیاء احیاء فی قبورہم یصلون کے وارد ہونے کے اعتبار سے اور آپ کا موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے ملاحظہ فرمانا بحکم اذا تعاد ارضا تساقطعا۔ تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان حضرات کے احیاء شریف کو قبر میں

رکھا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اور ان حضرات کا اپنی حالت پر باقی رہنا ہی اصل ہے۔ اس وقت تک جب تک کہ کوئی دلیل قطعی اس کے خلاف قائم ہوا اور یہ اب تک نہیں قائم ہوئی۔ پس ثابت ہو گیا کہ جو حیات یقینی ہے وہ قبور میں ہے نہ کہ آسمان میں واللہ اعلم۔ اور محققین حضرات اہل حدیث اور تشریح کرنے والے کہتے ہیں کہ حدیث الانبیاء لا یتروکون۔ اور اسی طرح سے انا کرم علی دینی۔ درجہ ثبوت کو نہیں پہنچی ہیں۔ ان حدیثوں کے راویوں میں سے بعض ایسے ہیں جو سوئے حفظ بلکہ اس سے اور زیادہ باتوں کی طرف منسوب ہیں اور اگر بالفرض صحیح بھی ہوں تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر عبادت کے نہیں چھوڑتے ہیں بلکہ قبر میں تین دن کے گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور صلوٰۃ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے فضائل میں آیا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر نہیں ہے جس کو تین دن کے بعد قبر سے نہ اٹھا لیتے ہوں۔ سوائے میرے کہ میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ میں قیامت کے دن تک اپنی اُمت ہی میں رہوں۔ تاکہ یہ لوگ بحکم و ما کان اللہ یعد بہم وانت فیہم۔ ترجمہ:- واللہ نہیں عذاب کرے گا اُن لوگوں پر جب تک کہ آپ اُن میں ہیں، نزل بلا سے محفوظ رہیں۔ ممکن ہے کہ اس حدیث شریف کے بموجب قبر میں حیاتِ دائمی آنحضرتؐ کے لئے مخصوص ہو۔ اور تمام انبیاء کے لئے اصل حیات جو متفق علیہ ہے اللہ کے نزدیک ثابت ہو۔ واللہ اعلم۔

روایت ہے کہ جب عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایوں نے گھیر لیا تو بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ سے کہا مصلحت یہ ہے کہ آپ ملک شام کو چلے جائیں تاکہ اس بلا سے آپ کو خلاصی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہرگز روا نہیں رکھتا۔ کہ اپنے دارِ ہجرت سے جدا ہو جاؤں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کو چھوڑ دوں۔ اور واقعہ حرہ میں سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے حجرہ شریف سے تین دن تک اذان سننے کا واقعہ مشہور ہے۔ جب کہ لوگوں نے مسجد نبوی کو چھوڑ دیا تھا۔ لیکن قولوی نے اس کو ترجیح دیا ہے کہ آنحضرتؐ کا بہشتِ علی میں رہنا قبر شریف سے بہتر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مومنین کی قبرِ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے نو سید المرسلین کی قبر شریف جنت کے بہترین باغوں میں

سے ہوگی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کے لئے قبر میں آپ کے وجود کی وجہ سے ایسی حالت ہو کہ منتقل کئے بغیر آسمان و زمین اور جنتوں سے پردہ اٹھا دیا گیا ہو۔ اس کے لئے اُمورِ آخرت اور احوالِ برزخ کو دنیا کی حالتوں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ جو حدود و سمیت سے منقید ہیں۔ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے اور اور آنحضرتؐ کا ان کو آسمان پر دیکھنے کے درمیان مطابقت کے سلسلہ میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام قیام فرما ہونے کے باوجود کبھی کبھی اپنی قبور میں بھی نزول فرماتے ہیں۔ جو لوگ ان حضرات کے قبر میں دوام کے قائل ہیں وہ اس کے خلاف کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ان حضرات کا قبر میں قیام تو ضرور ہے لیکن اس کے باوجود کسی کسی وقت اس قوت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے۔ آسمانوں پر بھی عروج کرتے ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو قبور میں اس وقت دیکھا جب آپ آسمانوں سے گزر رہے تھے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ یعنی یہ حال فاعل سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ مفعول سے۔ گویا کہ آسمانوں میں قیام کی صفت آنحضرتؐ کی ہے نہ کہ انبیاء کی۔ اگرچہ یہ تاویل ظاہر کے خلاف ہے۔ اور شیخ ابن ابی حمزہ ہجہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر انبیاء کو شبِ معراج میں دیکھنا چند احتمال رکھتا ہے اول یہ کہ ان حضرات کو ان کی قبور میں جس طرح سے آپ نے خبر دی ہے آسمانوں کے ان مقامات سے مشاہدہ کیا ہوا اور حق سبحانہ تعالیٰ نے وہ قوت بصیرت جس سے اس حالت کو ادراک کر سکیں۔ آنحضرتؐ کو عطا فرمائی ہو جس طرح سے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے رایت الجنۃ والنار فی عرض هذا الحائط۔ ترجمہ:۔ میں نے جنت اور دوزخ کو اس دیوار کی چوڑائی میں دیکھا ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ جنت اور دوزخ کو اس مقام سے دیکھا ہو جیسا کہ کہتے ہیں کہ میں نے چاند کو اپنے مکان میں روشن دان سے دیکھا مراد موضع روشن دان ہوتا ہے۔ یا جنت اور دوزخ کی شکل کو دیوار کے عرض میں متشکل کر دیا ہوا اور قدرت ان دونوں کی صلاحیت رکھتی ہے۔

دوسری وجہ ہے کہ آنحضرتؐ انبیاء کو آسمانوں میں دیکھنا اس طرح ہوا ہو کہ

انبیاء کی ارواح کو انسانی شکل میں کر دیا گیا ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ انبیاء کرام کو قبور سے اٹھا کر اپنے حبیب مکرم کی تعظیم کے لئے اس مقام پر لے گئے ہوں تاکہ آپ کو ان سے دل بستگی ہو۔ اس کے علاوہ اور بہت سی وجہیں بھی ہو سکتی ہیں جو ہمارے علم سے باہر ہیں۔ یہ تمام صورتیں احتمال رکھتی ہیں اور کسی ایک صورت کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ قدرت کا ملکہ ہر قسم کی صلاحیت رکھتی ہے۔ "انتہی"

منجملہ ان دلائل کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر میں ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ سلطان سعید نور الدین شہید کا واقعہ ہے۔ شہسہ ہجری میں سلطان نور الدین نے آنحضرت کو ایک رات میں تین مرتبہ خواب میں دیکھا اور ان کو نصراہنوں کی شرارت سے مطلع کیا۔ نور الدین مدینہ منورہ میں ایک ہزار فوج کے ساتھ پہنچا اور ان دونوں ملعونوں کو جلادیا۔ پھر حجرہ شریف کے گردا گرد کھائی کھدوائی اور اس کھائی کو بگھلے ہوئے رانگ سے پُر کر دیا۔ جیسا کہ اس کو بالتفصیل مسجد شریف کے فضائل میں بیان کیا جا چکا ہے۔

مدینہ منورہ کے تمام مورخین نے اس قصہ کا ذکر کیا ہے۔ انہی میں شیخ جمال الدین مطری اور مجد الدین فیروز آبادی اور بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔ اور تصدیق بھی کی ہے۔ امام عبد اللہ یافعی سلطان مذکور کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ بعض کا ملین شیوخ نے کہا ہے کہ سلطان نور الدین کا شمار چالیس اولیاء میں سے ہے۔ اُن کے نائب سلطان صلاح الدین ایوبی تین سو میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ میں نے شاہان اسلام اور ان کے بعد والوں کی تاریخیں معلوم کیں تو خلفائے راشدین اور عمر ابن عبد العزیز کے بعد کوئی بادشاہ نور الدین سے زیادہ نیک سیرت نہیں ملا لیکن تعجب ہے کہ اُن کے تذکرہ میں یہ مشہور قصہ نہیں پایا جاتا واللہ اعلم۔

علامہ قولوی انبیاء کے قبروں میں وجود پر تردید کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ انبیاء کی توجہ قبور سے منقطع اور ان کا قبر سے تعلق جدا ہو گیا ہے۔ بلکہ انبیاء اور ان کی قبروں میں ایک خاص غیر منقطع دائمی تعلق

ثابت ہے جو کسی دوسرے مقام سے اس درجہ کا تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے تمام مومنین کی قبروں اور ان کی روحوں میں خاص دائمی تعلق ہے جس کی وجہ سے وہ زائرین کو پہچانتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ جمیع اوقات میں زیارت کا مستحب ہونا اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس کے بعد اس بات پر بہت سی احادیث لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تمام حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مردوں کو ادراک اور سمع حاصل ہے کوئی شک نہیں ہے کہ سمع عارضی ہے جو حیات کے ساتھ مشروط ہے۔ بس سب کے سب زندہ ہیں لیکن ان سب کی حیات شہد کی حیات سے کم درجہ رکھتی ہے۔ اور انبیاء کی حیات شہد کی حیات سے کامل تر ہے۔ اس مسئلہ میں محقق اور جمہور علماء کے نزدیک پسندیدہ وہ رائے ہے جو تاج الدین سبکی سے نقل کی گئی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال والیہ المزیج والمآل۔

فصل۔ مسئلہ مذکورہ کا ثمتہ۔ بحث اول حدیث الادرد اللہ علیہ
 روحی۔ پر جو اعتراض پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی اُمتی آپ پر سلام کرتا ہے تو آپ کے بدن شریف میں روح ڈالی جاتی ہے۔ یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ آپ کو حیات دائمی حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر حیات دائمی ہوتی تو سلام کے وقت روح ڈالنا۔ کے کیا معنی ہوں گے۔ اس اعتراض کا جواب چند وجوہ سے بیان کیا ہے۔ منجملہ اس کے یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد وہ روح نہیں ہے جو میت کے قالب میں ڈالی جائے۔ بلکہ عالم استغراق سے اس عالم کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اس عالم کے لوگوں کا احساس کرنا کہ سلام اور اس کے جواب کا تدارک آسان ہو اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کلام اہل ظاہر کی سمجھ کے مطابق ہے۔ چونکہ عرف عام میں مردوں کا روح کے بغیر جواب دنیا ممکن نہیں ہے اس لئے ان لفظوں سے تعبیر کر دی۔ اصل مقصد سلام کا سُننا اور جواب کا دینا کامل طرح پر ہے۔ اس بات کے باوجود اگر روح سے ظاہر معنی ہی لئے جائیں تو لازم آتا ہے کہ جسم شریف میں روح کی بقا دائمی ہو۔ یہ اس لئے کہ جب کسی شخص کے سلام کی وجہ سے روح مبارک آنحضرتؐ کے جسم میں بھی

گئی تو پھر اس کے قبض ہونے کا اعتقاد رکھنا بھی لازم ہو گا۔ اور یہ بغیر کسی دلیل کے نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا اعتقاد رکھا بھی جائے تو پے درپے موت کا آنا لازم آجائے گا۔ جو شمار سے باہر ہے اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اس کا تسلیم کر لینا عقلمند کی شان سے بعید ہے۔ اس لئے یہ عمل ایک قسم کے عذاب سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ شب و روز میں ذرا سا وقت بھی ایسا نہیں ملے گا کہ جس میں کوئی نہ کوئی آپ کی اُمت میں سے آپ پر سلام نہ بھیجتا ہو۔ لہذا آپ کے لئے دائمی حیات اور ہمیشہ سلام کا جواب فرمانا لازم آگیا۔ شیخ مجدالدین شیرازی کہتے ہیں کہ حضور کا علی روح فرمانا آپ کی شخصیت کے ثبوت پر صاف دلیل ہے۔ اور اس شخصیت پر صلوٰۃ و سلام پہنچنا گویا کہ خاص ایک نئی وضع سے اور حالت مخصوص سے روح مراد ہے۔ مع ثبوت اصل حیات کے۔ ہاں اگر کہا جاتا کہ روح فی ادنی جسدی ہے تو اس کے خلاف سمجھا جاتا۔

بحث ثانی۔ بظاہر اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اور ایسے ہی دیگر انبیاء کا شب معراج میں نماز ادا کرنا موسیٰ علیہ السلام کا حج کے لئے آنا اور تلبیہ کہنا ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ تینہ سے اتر رہے ہیں اور تلبیہ پکار رہے ہیں اسی طرح سے آپ نے فرمایا ہے کہ گویا میں یونس کو دیکھ رہا ہوں کہ تلبیہ پکار رہے ہیں۔ یہ کیا معنی رکھتا ہے۔ باوجودیکہ نماز نیز تمام عبادتیں دُنیا کے اعمال میں سے ہیں۔ کیونکہ دُنیا ہی دار تکلیف اور دار امتحان ہے۔ دار آخرت میں کوئی تکلیف امر و نہی نہیں ہے۔ اس سوال کا جواب بھی چند وجہ سے دیتے ہیں۔ اول جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ یہاں پر بمعنی ذکر و دعا ہے اور یہ آخرت کے اعمال میں سے ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء خدا کے نزدیک زندہ ہیں۔ اگر حج و نماز ادا کریں تو کچھ بعید نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حالت ان حضرات کی حیات کے وقت کی ہے جو آنسو و رصلے اللہ علیہ وسلم کو دکھائی گئی تھیں۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا۔ وَكَانَ النَّظَرُ إِلَى مُوسَى كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَى يُونُسَ۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ عالم برزخ میں دُنیا کے احکام کا جاری ہونا ثابت ہے۔ کثرتِ اعمال اور زیادتیِ اجر

کے منافی بھی نہیں ہے۔ عمل کا منقطع ہونا آخرت کے دن کے ساتھ مخصوص ہے جو آخرت میں منقطع ہے۔ وہ تکلیف اگر بغیر تکلیف اور مجاہدہ کے عمل کے اور بطور لذت ذکر مولے کے حاصل ہو جائے تو کوئی بات مانع نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے وقت سجدہ کریں گے اور سجدہ کے معنی یہاں پر بجز عبادت و عمل کے دوسرے نہیں ہو سکتے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ خواب ہے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے بیننا انا نائم را یتنی اطون بالکعبۃ۔ نیند میں دیکھنا بیداری کے حکم میں ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس حالت سے ان انبیاء کے حالات سے آپ کو خبر دینا ہے جو آپ پر وحی کی گئی۔ ان انبیاء کے حالات سے آپ نے بوجہ کمال یقین کے اس کو مشاہدہ کے حکم میں لا کر دیکھنے سے تعبیر فرما دیا۔ شیخ علاؤ الدین قونوی کہتے ہیں کہ یہ بات کہنا کچھ بعید نہیں ہے کہ انبیاء کی ارواح مقدسہ بدن سے جدا ہونے کے بعد بمنزلہ ملائکہ بلکہ ملائکہ سے افضل ہیں۔ تو جس طرح سے ملائکہ مختلف صورت میں متبدل ہو جاتے ہیں اسی طرح سے ارواح مقدسہ انبیاء بھی مختلف جسموں میں متمثل ہو جاتیں۔ ممکن ہے کہ یہ تصرف بعض خاص بندوں کی حالت حیات میں بھی حاصل ہو جائے اور ایک روح متعدد بدلوں میں بدن معہود کے علاوہ متصرف ہو جائے۔ جیسا کہ بعض محققین نے ابدال کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے۔ ان ابدال میں سے کوئی ابدال کبھی کسی مقام کو چلا جاتا ہے۔ اور اول جگہ میں اپنی شکل و مثال چھوڑ جاتا ہے۔ صوفیہ قدس اللہ سرہم نے عالم اجسام اور عالم ارواح کے درمیان ایک عالم متوسط ثابت کیا ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ وہ عالم اجساد سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہے۔ ارواح کا ظہور اور مختلف صورتوں کا دکھلائی پڑنا اسی عالم پر منحصر ہے۔ جبریل علیہ السلام کا وحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہونا اور حضرت مریمؑ کے سامنے بصورت بشری دکھلائی دینا اسی عالم کے احکام میں سے شمار کرتے ہیں۔ لہذا جائز ہے کہ موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر مقیم ہونے کے باوجود قبر میں اپنی شکل مثالی سے متمثل ہوئے ہوں اور آنحضرتؐ نے ان کو دونوں مقام پر مشاہدہ فرمایا ہو۔ عالم

مثال کے ثبوت کے بعد بہت سے مسائل کے جواب خود بخود نکل آتے ہیں۔ اور بہت سے اعتراضات خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ جیسے وسعتِ جنت کا بیان اور آپ کا جنت کو دیوار کی چوڑائی میں مشاہدہ فرمانا وغیرہ۔ یہاں پر شیخ کا کلام ختم ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حیات کے مسئلہ کی تحقیق وغیرہ اس عالم کے پہچاننے پر موقوف ہے۔ اور آنحضرت کا موسیٰ اور یونس علیہم السلام کو دیکھنے ہی تحقیق کرنے کے دوران ضروری ہے کہ عالم روحانی کے زمان و مکان کو عالم جسمانی کے زمان و مکان کے درمیان فرق و امتیاز قائم کر لیا جائے۔ جیسا کہ صوفیائے محققین نے ان دونوں کے درمیان فرق و امتیاز قائم کر لیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ عالم روحانی میں زمانہ ماضی مستقبل اور حال کی تقسیم نہیں ہے۔ یونس علیہ السلام کا بطن ماری میں ہونا، موسیٰ علیہ السلام کا دریائے نیل سے عبور کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی حالت یہ سب ایک ہے۔ بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان حضرات کو حج اور تلبیہ کی حالت میں دیکھنا وہی اصل حالت ہے۔ جو ان حضرات نے اپنی حیات میں حج کیا اور تلبیہ کہا تھا۔ اس حالت کی حقیقت اور اس کا ادراک ان کے متمثل ہونے کے قائل ہونے سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور آنحضرت کا ان کی صورت مثالیہ کے مشاہدہ کرنے کے مباحث کے سلسلے میں کلام کو طول دینا حقیقتاً اصل مقصود سے دور لے جاتا ہے۔ لہذا اتنے ہی پر اکتفا کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

۱۵ پندرہواں باب

گنبدِ خضرا کی زیارت کے مستحب و واجب ہونے کا بیان

بزرگانِ دین نے اس سعادت کے حاصل کرنے کا قصد فرمایا۔ اور اس دربار سے مشرف ہوئے۔ نیز آنجناب جنتِ مآب سے وسیلہ و استمداد حاصل کرنے کا بیان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار کی زیارت علماء دین کے نزدیک بالاتفاق قولاً وفعلاً بہترین سنن اور موکدترین مستحبات میں سے ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر کی زیارت ایک متفق علیہ سنت اور مرغوب فضیلت ہے۔ بعض علماء مالکیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور دوسروں نے اس قول کی تاویل سنت واجبہ سے کی ہے۔ گویا سنت واجبہ سے مراد موکدہ غایت تاکید ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ بعد ادا کے حج فریضہ زیارت ادا کرنا سنت ہے۔ قاضی حسین جو ائمہ شافعیہ کے مشاہیر میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ جب فریضہ حج سے فارغ ہو جائے تو ملتزم کے پاس وقوف کرے۔ اور دعا کر کے مدینہ منورہ آکر سید کائنات کی زیارت سے مشرف ہو۔ قاضی ابوالطیب کہتے ہیں کہ حج و عمرہ کے بعد مستحب ہے کہ آنحضرت کی زیارت کا قصد کرے۔

حسن بن زیاد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حاجیوں کے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ مکہ معظمہ سے ابتدا کریں اور حج کے ارکان بجا لا کر اس کے بعد مدینہ منورہ آئیں اور آنحضرت کی زیارت کریں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک زیارت بہترین مستحبات اور موکدترین مستحبات درجہ واجبات کے قریب ہے۔ چاروں مذاہب کے علماء نے حج کو مقدم کرنے کی تصریح فرمادی ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر حج کے راستے میں مدینہ شریف پڑے تو بہتر یہ ہے کہ ابتدا مدینہ سے کرے۔ اس کے بعد حج کو متوجہ ہو۔ اور بعض بزرگان دین نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر حج کا راستہ مدینہ کی جانب سے نہ ہو لیکن دیار محبوب ان سے قریب ہو تو مدینہ کی حاضری کو مقدم کرنا لازم وقت میں شمار کیا جائے۔ اور بعض تابعین کو مکہ کے عازمین کے لئے مدینہ منورہ کی زیارت کو مقدم قرار دینے پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تاج الدین سبکی نے آنحضرت کی زیارت کی فضیلت اور قربت کو چار اصول شریعت سے ثابت کیا ہے۔ اول اصول کتاب اللہ فرمان حق سبحانہ تعالیٰ۔ ولوانہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ والستغفر لہم الرسول لوجود اللہ تو اباً رحیمًا۔ ترجمہ: اور

اگر تحقیق کہ لوگ جب ظلم کریں اپنی جانوں پر آویں آپ کے پاس اور استغفار طلب کریں وہ لوگ اللہ سے اور استغفار کریں ان کے لئے رسول تو البتہ پاؤ گے تم اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم والا کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ترغیب دلا کر دربار رسالت کی حاضری پر دلالت کرتی ہے۔ اور آنجناب سے مغفرت کا سوال کرنا اور آنحضرت سے استغفار کا طلب کرنا یہ وہ مرتبہ عظیم ہے جو کبھی انقطاع پذیر نہ ہوگا۔ چونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت موت و حیات یکساں ہے اور آنحضرت کا موت کے بعد امت کے لئے استغفار کرنا۔ آپ استغفار اس وقت فرماتے ہیں جب ملائکہ امت کے اعمال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ فصل سابق میں یہ سب وضاحت سے گزر چکا ہے۔ آنحضرت کی کمال رحمت سے جو آپ اپنی امت کے ساتھ رکھتے ہیں امید ہے کہ آپ اس شخص کے لئے ضرور استغفار کریں گے۔ جو آپ کے دربار میں اس کا طالب بن کر حاضر ہو۔ یہ بمقابلہ دوسروں کے موکد ترین ہے۔ اور تمام علماء نے اس آیت سے آپ کی موت و حیات کی حالت کو برابر سمجھا ہے۔ یہاں تک کہ آداب زیارت میں حکم کرتے ہیں کہ اس آیت کو پڑھے اور استغفار کرے۔ اس سلسلے میں اس اعوانی کا قصہ بہت مشہور ہے جو آپ کی رحلت کے بعد زیارت کے لئے آیا تھا۔ اور اس آیت کو پڑھا تھا۔ چاروں مذاہب کے پیروان نے اور ہر اس شخص نے جس نے ارکان حج تصنیف کئے ہیں اس حکایت کو ضرور بیان کیا ہے۔ اور بہت سے علمائے کبار نے جو سند ان کو معلوم ہوئی ہے اسی سند سے روایت کیا ہے۔ محمد بن حرب ہلالی کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے آپ کے سامنے بیٹھا ہی تھا کہ یکایک ایک عسراہلی نے آن کر زیارت کی اور کہنے لگا یا خیر الرسل حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ پر جو سچی کتاب نازل فرمائی ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ **دَلُوا أَنَّهُمْ أَذْطَلَمُوا أَنفُسَهُمْ** آیتہ میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے بخشش کا طالب آیا ہوں۔ آپ میرے لئے استغفار کریں۔ یہ کہہ کر رونے لگا اور بیت پڑھی۔ بیت

فطاب طیبہن لقاء والاکم

فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

یا خیر من دفنت لقاء عظمہ

نفسی الفداء بقبر انت ساکنہ

اس کے بعد خواب میں دیکھتا ہوں کہ آپ مجھ سے فرماتے ہیں اس شخص کو بلا کر خوش خبری سنا دو کہ حق تعالیٰ نے میری شفاعت سے اس کے گناہ بخش دیئے۔

حافظ ابو عبد اللہ مصباح الظلام میں امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے تین روزہ بعد ایک اعرابی آیا اور قبر پر گر پڑا اس کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالتا تھا اور کہتا تھا کہ یا رسول اللہ آپ نے جو کچھ اپنے رب سے سنا وہ میں نے آپ سے سنا اور آپ نے جو کچھ خدا سے یاد کیا میں نے آپ سے یاد کیا اور وہ یہ آیت ہے۔ ولوا نھم اذ ظلموا انفسھم الا یہ۔ میں نے اپنے اُپر ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ قبر شریف سے ایک آواز آئی قد غفر لک۔ احادیث سے زیارت کے بارے میں سنت ہونا ثابت ہے۔ جو اس کی فضیلت میں ذکر کی گئیں۔ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ قبور کی زیارت کرنا سنت ہے۔ چونکہ سید المرسلین کی قبر شریف سید القبور ہے اس لئے اس کے استحباب کے لئے اتنا ہی ثبوت کافی ہے اجماع امت سے اس کی فضیلت اور استحباب کو بیان کر دیا گیا اگر اختلاف ہے تو عورتوں کے بارے میں ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ عورتوں کو جائز نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے عورتوں کو قبور کی زیارت کرنے سے منع فرما دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم کی زیارت عورت و مرد دونوں کے لئے مستحب ہے۔ اور ان قبور شریف کی زیارت اس ممانعت سے مستثنیٰ ہے جو عورتوں کی بابت آئی ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ آپ نے ابتدائے اسلام میں منع فرمایا تھا وہ ممانعت اس حدیث کی وجہ سے تھی نہایت کم عن زیارة القبور۔ ترجمہ :- (میں نے تم کو قبور کی زیارت سے منع کیا تھا۔) یہ بعد میں منسوخ ہو گئی۔

منہنوری جو شافعیہ کے علمائے متاخرین میں سے ہیں اولیاء اللہ اور صاحبین کی قبور کو بھی اسی حکم میں رکھتے ہیں۔ اور سیدۃ النساء فاطمہ زہرا کا شہداء اُحد کی زیارت کرنا اور سید الشہداء کی زیارت کے لئے ان کا تشریف لے جانا ثابت ہو چکا ہے۔ جیسا کہ فصل بقیع اور اس کے قبور میں مذکور ہو چکا ہے اور دور واپوں

میں اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکہ میں عبدالرحمن بن ابی بکر کی قبر کی زیارت کرنا بھی آیا ہے جو منہنوری کے اس قول کا موید ہے واللہ اعلم۔ لیکن قیاس کا تقاضا اور فیصلہ یہ ہے کہ اگر بقیع کی قبروں اور شہدائے اُحد کے مقابر اور دوسری قبور کی زیارت کرنا مستحب ہے تو قبر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت۔ اس کی تعظیم۔ اس سے برکت حاصل کرنا اور بذریعہ صلوٰۃ و سلام کے رحمت اور فیض حاصل کرنا بطریق اولیٰ مستحب ہو گا۔ اور بعض علمائے کہا ہے کہ قبول کی زیارت سے مقصود محض یاد آوری آخرت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ دوسرے القبور فانہا تذکرکم الاخرۃ۔ ترجمہ :- (قبروں کی زیارت کرو وہ تم کو آخرت یاد دلائیں گی) اور کبھی زیارت قبور اہل قبور پر دعا اور استغفار کے لئے ہے۔ جس طرح آنحضرت کی بابت آیا ہے کہ اہل بقیع کی زیارت کی اور کبھی اہل قبور کے انتفاع کی وجہ سے جس طرح قبور صالحین کی زیارت کے متعلق آیا ہے۔ امام حجت الاسلام کہتے ہیں کہ جس شخص سے حالت حیات برکت حاصل کرتے ہیں بعد موت کے بھی اس سے برکت حاصل کر سکتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ موسیٰ کاظم سلام اللہ علیہ کی قبر احابت دعا کے لئے تریاق اکبر ہے اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ہم نے چار اولیاء اللہ کو پایا ہے کہ وہ اپنی قبور میں اس طرح سے تصرف کرتے ہیں جس طرح سے حالت حیات میں کرتے تھے۔ یا اس سے زیادہ۔ شیخ معروف کرخی و شیخ محی الدین جیلی اور دوا اور مشائخ کا ذکر کیا ہے۔ بعض علمائے مذہب استدلال قبور اور قصد انتفاع میں اختلاف رکھتے ہیں۔ چنانچہ شیخ کمال الدین بن ہمام نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابو محمد مالکی کہتے ہیں کہ میت سے قصد انتفاع کرنا بدعت ہے مگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام قبور مرسلین کی زیارت میں بدعت نہیں ہے۔ امام تاج الدین سبکی کہتے ہیں کہ ابو محمد مالکی کا انبیاء کی قبور شریفہ کو مشتتہ قرار دینا صحیح ہے۔ لیکن غیر قبروں کی بابت بدعت کا حکم لگانا اس میں اعتراض ہے۔ انتہی کبھی کبھی زیارت اہل قبور کا حق ادا کرنے کے لئے ہوتی ہے حدیث میں آیا ہے کہ میت کے لئے سب سے مانوس حالت اس وقت ہوتی ہے

جب کوئی اس کے شناساؤں میں سے اس کی قبر کی زیارت کرتا ہے۔ اس کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں۔ حدیث مرفوعہ میں آیا ہے من زار قبر ابویہ فی کل جمعة او احد ہما کتب بار و ان کان فی الدنیا ما قبل ذالک بہما عاقا۔ ترجمہ :- (جو شخص کہ اپنے ماں باپ کے قبر کی زیارت ہر جمعہ کرتا ہے یا ان دونوں میں سے ایک کی وہ لکھا جاتا ہے نیک اگرچہ دنیا میں اس سے پہلے ان دونوں کا عاق شدہ ہو)۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کرنے میں یہ تمام معنی مذکورہ حاصل ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ آپ مکروہ رکھتے تھے کہ لوگ کہیں زینا قبر النبی۔ اس قول کی وجہ کراہت میں اختلاف ہے عبدالحق مصقلی کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیارت ایک ایسا فعل ہے جس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ لیکن آنحضرتؐ کے قبر کی زیارت واجب ہے۔ قاضی عیاض مالکی کے نزدیک مختار یہ ہے کہ قبر کی طرف زیارت کا منسوب کر دینا کراہت کی وجہ ہے۔ اگر کہیں کہ زینا قبر النبی تو کوئی کراہت نہیں ہے بوجہ حدیث اللہم لا تجعل قبری وثنای عبد اشتد غضب اللہ علی قوم اخذوا قبور انبیائہم مساجد۔ ترجمہ :- (اے اللہ مت بنا تو میری قبر کو بت کہ جس کی پرستش کی جائے۔ سخت ہو گیا اللہ کا غصہ اس قوم پر جنہوں نے بنا لیا اپنے نبی کی قبروں کو سجدہ گاہ) اور اگرچہ زیارت اس قسم سے نہیں ہے۔ لیکن زبان کو اس لفظ سے محفوظ رکھنا تقاضہ احتیاط ہے۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ ہے لیکن حدیث میں قبر کا لفظ واقع ہو جانا اس بات کے منافی ہے۔ سبکی کہتے ہیں ممکن ہے یہ حدیث امام مالک کو نہ پہنچی ہو۔ ابن رشد نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ میں زرت النبی کے کہنے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے اعلیٰ اور ارفع ہیں کہ آپ کی زیارت کی جائے۔ ہاں قبر کی زیارت کہہ سکتے ہو۔ اور ابن رشد یہ بھی کہتے ہیں کہ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ اکثر مردوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور آپ ہر زندہ مخلوق سے زندہ تر ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ زیارت کا لفظ اکثر و بیشتر میت کے ایصال نفع کے لئے استعمال کیا جاتا ہے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اس غرض سے نہیں ہے۔ بہر صورت کراہت کا منشا باعتبار ظاہر کے رعایت لفظی ہے۔ اور دوسروں کے نزدیک عدم کراہت پسندیدہ ہے یہی ظاہر ہے۔

فصل - قبر شریف کی زیارت کے لئے سفر اختیار کرنا اور اس سعادت عظمیٰ کے حصول کے لئے اونٹوں کے کچاؤے کرنا۔ اب جب کہ زیارت کی فضیلت اور اس کا مستحب ہونا ثابت ہو گیا تو سفر کا جواز اور اس کا انتخاب بھی لازم آیا۔ دلائل کے عام ہونے کی وجہ سے قرب اور بعد دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔ لیکن حدیث ہے لا تشدوا الرجال الا الى ثلثة مساجد۔ ترجمہ :- (مت کسوتم اپنے کچاؤوں کو مگر تین مسجدوں کی طرف) اس حدیث سے مراد ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ نحو کا قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ آمنہ مستثنیٰ کے جنس سے ہونا چاہیے۔ پس مطلق سفر کی ممانعت جو ان مساجد کے علاوہ ہو لازم نہیں آتی اور ان تین مسجدوں کے علاوہ سفر کرنا کس طرح منع ہو سکتا ہے۔ حالانکہ بالاتفاق سفر حج و سفر جہاد اور وار کفر سے ہجرت کرنا نیز تجارت اور تمام مصالح دنیویہ کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہے کہ قربت مقصودہ مساجد کے قصد میں تین ہیں۔ مسجد حرام و مسجد النبی اور مسجد اقصیٰ۔ ان کے علاوہ ایسی مسجدیں نہیں ہیں باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد آپ کی مسجد شریف کے قصد کو مستلزم ہے۔ اور آپ کی قربت کی وجہ سے ہے۔ اور اس مقام کی برکت سے مقصد وہاں کے موجودین کی تعظیم ہے۔ جس طرح سے آپ کی حالت حیات میں آپ کے شرف صحبت حاصل کرنے کی غرض سے سفر کرتے تھے نہ کہ محض مقام کی۔ بعضوں نے کہا ہے کہ تین مسجدوں کے علاوہ جو سفر کرنے کی ممانعت کی گئی ہے وہ باعتبار تعظیم و فضیلت اور ثواب دو چند ہونے کی غرض سے ہے جیسا کہ ان مساجد کی حاضری میں ہے۔ ورنہ اس اعتقاد کے بغیر کوئی ممانعت اور کراہت نہیں ہے۔ لیکن جو مساجد متبرکہ شہروں سے قریب ہوں ان کی سوار یا پیادہ پا زیارت کرنا جائز ہے جس طرح سے کہ مسجد قبا کو۔ بعض علما نے کہا ہے اور جمہور علما کہتے ہیں کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ زیارت کی نذر ماننا جائز نہیں ہے اور بعضوں نے مطلقاً جائز رکھا

ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر سفر بے شدّرحال (بغیر کجاواکے) ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے متعلق پوچھا جس نے مسجد قبا تک پیدل جانے کی مدینہ میں نذر مانی تھی۔ فرمایا کہ اس پر اس کا پورا کرنا لازم ہے ظاہر آپ نے یہ حکم اس کے فضائل کی وجہ سے دیا ہے۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس میں نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے۔ اور اس میں دو رکعت پڑھ لینا مسجد اقصیٰ میں ہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔ آنحضرتؐ کا اس مسجد کی طرف سوار و پیادہ سفر کرنا اور عمر رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ اگر یہ مسجد کسی سمت سے اطراف زمین کے ہوتی تو افسوس ہے ان اونٹوں پر جو اس کی طلب میں ہلاک نہ ہوتے۔ ان فضائل کا خیال کرتے ہوئے حضرت عبداللہ نے یہ سمجھا کہ گویا یہ مسجد بھی مقصود برکت کے اعتبار سے مساجد ثلاثہ کے حکم میں ہے۔ اور سفر و شدّرحال کے اختیار کرنے کے سلسلے میں مساجد ثلاثہ کے مذکورہ حکم میں اس مسجد کا ذکر نہ کرنا اکتفا کرنے کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ مدینہ منورہ سے قریب ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ اس کی فضیلت کا ذکر کیا جا چکا تھا۔ واللہ اعلم۔

جب کوئی آدمی حضرت سید المرسلین کی زیارت کی نذر مان لے تو اس کے پورا کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے لیکن غیر بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نذر میں اختلاف ہے۔ سلف صالحین کا سید کائنات کی زیارت کی غرض سے سفر کرنا کثرت سے ثابت ہے۔ منجملہ اس کے۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانہ میں بلال مؤذن کا شام سے مدینہ آنے کا قصہ مشہور ہے۔ ابن عساکر رضی اللہ عنہ ابی دردار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بلالؓ نے آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا آپ فرماتے ہیں کہ اے بلالؓ یہ کیا ظلم ہے کہ کبھی ہماری زیارت کو نہیں آتے۔ اُسی وقت بلالؓ اپنی سواری کے ذریعہ مدینہ کے قصد سے روانہ ہو گئے۔ جب قبر تشریف پر پہنچے تو اس کبار ہو کر عاجزی کے ساتھ روئے نیاز خاک پر رکھا۔ حن اور حسین رضی اللہ عنہم حجرہ سے باہر نکلے ان کو گود میں لے کر سر و چشم کو چوما۔ تھوڑا ہی زمانہ گزر اٹھا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بھی دارِ بقا کو تشریف لے جا چکی تھیں۔ لوگوں نے بلالؓ سے اذان سننے کی خواہش کی۔ سب نے مشوہ کیا کہ حن اور حسین رضی اللہ عنہم فرمائیں تو بلالؓ کو اذان کہنے سے گریز نہ ہوگا ورنہ بلالؓ نے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہیں کہی ہے حتیٰ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بلالؓ سے چاہا تھا کہ ابو بکرؓ کے لئے اذان پکارا کریں تو بلالؓ نے کہہ دیا تھا کہ اے ابو بکرؓ تم نے مال دے کر مجھے خرید لیا اور راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ یہ سب آپؐ نے اپنے لئے کیا تھا یا خدا کے لئے۔ ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے خدا کے لئے کیا تھا۔ بلالؓ نے کہا مجھ کو اب بھی خدا ہی کے لئے چھوڑ دو تاکہ میں خود مختار رہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کے لئے اذان کہوں اس کے بعد شام کو چلے گئے تھے اور وہاں سے زیارت کرنے کو مدینہ منورہ تشریف لائے۔ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جب امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما نے اُن سے فرمایا کہ اذان کہیے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی چھت پر جس جگہ کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں کھڑے ہوتے تھے چڑھے۔ جب اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو لوگوں میں شور مچ گیا گو یا تمام شہر مدینہ حرکت میں آ گیا۔ جب الشہد ان لا الہ الا اللہ کہا تو زلزل بہت زائد ہو گیا۔ ساکنانِ مدینہ میں گریہ و زاری اور شور بہت زیادہ پیدا ہو گیا جب الشہد ان محمد رسول اللہ فرمایا ایک دوسری قیامت قائم ہو گئی۔ کوئی عورت و مرد خورد و کلال مدینہ میں الیسا نہ تھا جو گھر سے باہر نہ نکل آیا ہو اور نہ رو یا ہو۔ گویا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت کا دن نازہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ انتہائی بے چینی اور غم کی وجہ سے اذان کو پورا نہ کر سکے اور اُنز آئے۔ رضی اللہ عنہ۔

کہتے ہیں کہ جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ملک شام فتح کیا اور بیت المقدس کے باشندوں سے صلح کی اور کعب احبار آکر مشرف باسلام ہوئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام سے بے انتہا مسرت ہوئی۔ واپسی کے وقت اُن سے فرمایا کہ اے کعب اگر چاہو تو ہمارے ساتھ مدینہ چلو اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لو۔ کعب احبار نے کہا بہت خوب اے امیر المومنین میں الیسا ہی کروں گا۔ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد سب سے پہلا کام جو امیر المومنین نے کیا وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام تھا۔

عبدالرزاق نے صحیح سندوں سے روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب

سفر سے واپس آتے تھے تو پہلے قبر شریف پر پہنچتے اور کہتے السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَنْبَاءَ - امام مالک کی موطا میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ایک شخص نے ابن عمرؓ کے غلام نافع سے دریافت کیا کہ کیا تم نے یہ دیکھا تھا کہ ابن عمرؓ قبر شریف پر سلام کرتے تھے انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے دیکھا اور سو بار سے زائد دیکھا کہ قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر کہتے تھے السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ السَّلَامُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ السَّلَامُ عَلَى ابْنِ - مسند امام عظیم ابو حنیفہ میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس سنت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر قبلہ کی جانب سے آوے اور قبلہ کی طرف پشت کر کے کہے السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحِمْنَا اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ۔

بیان کرتے ہیں کہ مردان بن الحکم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنا روئے نیاز قبر شریف نبویؐ پر رکھے ہوئے تھا۔ مردان نے اس کی گردن پکڑ کر کہا کہ تو جانتا ہے جس فعل کا تو مرتکب ہو رہا ہے یہ کیسا ہے؟ اس نے کہا خبردار مجھے چھوڑ دے میں نے اپنا چہرہ پتھر پر نہیں رکھا ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت پر رکھا ہے۔ اور کہنے لگا کہ میں نے پیغمبر خداؐ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ دین پر اس وقت رونا چاہیے جس وقت ولایت نا اہل کو پہنچے۔ اللہ اس کہنے والے سے راضی ہو۔ عمر بن عبد العزیز ملک شام سے مدینہ منورہ کو قاصد بھیجا کرتے تھے تاکہ ان کا سلام رسالتؐ پناہ کی جناب میں عرض کرے۔ ان کا یہ فعل تابعین کے وسط زمانہ میں تھا۔ اس خبر کی روایت مشہور ہے۔ اور حسن ابن حسن رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قوم کو قبر شریف کے گرد کھڑے ہوئے دیکھ کر حسن نے ان کو منع کیا اور کہا کہ پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے میری قبر کو عید مت بناؤ اور اپنے مکالوں کو قبرستان نہ کرو۔ جہاں کہیں تم ہو مجھ پر درود بھیجو۔ یقیناً تمہارا درود میرے پاس پہنچتا ہے۔

زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا وہ اُس کھڑکی سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے نزدیک تھی آتا تھا اور دُعا کرتا تھا آپ نے اس کو منع کیا۔ اسی حدیث کے مضمون کو اس کے اوپر پڑھا۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ سہل بن سہیل کہتے ہیں میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام

کو آیا اس وقت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر میں شام کا کھانا نوش جان فرما رہے تھے مجھ کو اپنے پاس بلایا چونکہ مجھے کھانے کی خواہش کم تھی اس لئے کھانے میں شامل نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ قبر پر کیوں کھڑے ہو سلام کرو اور چلے جاؤ۔ پھر کہا قال البنی صلی اللہ علیہ وسلم لا تتخذن واقبری عید الحدیث۔

ترجمہ :- (فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری قبر کو عید مت بناؤ۔ الآخر) اور فرمایا کہ تم اور باشندگان اندلس نزدیکی میں برابر ہو۔ اسی طرح کی روایت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے بھی آئی ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ شخص جن کو ان امامان دین سے منع کیا ہے حد اعتدال سے گزر گئے ہوں گے یا لکھ اور بناوٹ کی علامات اُن میں مشاہدہ فرمائی ہوں گی یا ان حضرات کا مقصد تنبیہ اور تعلیم اس بات کی رہی ہوگی کہ حضور باطنی میں قرب و بعد دونوں برابر ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

بیت۔

در راہ عشق مرحلہ قرب بعد نیست می بینمت عیاں دُعا می فرستمت

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ قبر شریف کے نزدیک دیر تک کھڑا ہونا مکروہ ہے خاص کر اہل مدینہ کے لئے ورنہ اصل زیارت اور قبر شریف کی حاضری سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ٹھہرنے کے مترادف ہے جس سے انکار کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ائمہ اہل بیت سلام اللہ علیہم اجمعین سے روایات صحیح آئی ہیں کہ جب یہ حضرات آنحضرت کے سلام کو حاضر ہونے تھے تو اس سنون کے قریب جو روضہ شریف کے متصل ہے کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے اور فرماتے تھے کہ یہ رسول خدا کے سر کی جگہ ہے۔

مطری کہتے ہیں کہ حجرہ شریف کو مسجد میں داخل کئے جانے سے پیشتر بزرگوں کا یہی طریقہ تھا اور اب کھڑے ہونے کی جگہ چاندی کی میخ کے مقابل میں ہے جو آنحضرت کے روئے الہ کے مقابل دیوار سے لگی ہے۔ چنانچہ آداب زیارت کے بیان میں انشاء اللہ اس کا ذکر آئے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لا تجعلوا قبری عیسا کی بابت حافظ منذری کہتے ہیں۔ احتمال ہے کہ آپ کی مراد قبر شریف کی کثرت زیارت پر براہِ نیجنت کرنا ہو اور اس بات کی جانب اشارہ ہو کہ آنسور کی

زیارت عید کی طرح مت بناؤ کہ ہر سال میں ایک دو مرتبہ سے زائد نہ آؤ اور لا تجعلوا بیوتکم قبوراً سے مراد مکالوں میں نماز ترک کرنا ہے اور مکالوں کو مثل قبور کے بنا دینا ہے۔ یعنی مثل مردوں کے پڑے رہیں اور کوئی طاعت و عبادت نہ کریں لہذا اس حدیث کو ان معنی پر محمول کرنا مناسب ہے۔ اور سبکی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد زیارت کے لئے تعین وقت کی ممانعت ہے جیسا کہ عید کے لئے وقت مقرر ہے بلکہ تمام سال پور پوری زندگی زیارت کا وقت ہے۔ یا عید کے تشبیہ دینے کا یہ مقصد رہا ہو گا کہ اس میں زینت و آرائش اور اجتماع سے پرہیز کیا جائے۔ جیسا کہ عید میں رسم ہے بلکہ چاہیے کہ زیارت سلام اور دعا ہی پر بس کریں۔ انتہی۔ اس بات سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرقد شریف پر بصفت سکون و وقار، شوق و محبت اور ادب و انکسار کے ساتھ حاضر ہونے اور دعا مانگنے اور کثرت زاری اور التجا کرنے میں کوئی کراہت ہو واللہ اعلم۔

فصل۔ آنحضرتؐ کی جناب میں توسل و استغاثہ اور استمداد انبیاء و مرسلین
 متقدمین اور متاخرین بزرگوں کا فعل ہے خواہ یہ آپ کے عالم وجود میں آنے سے پہلے ہو یا اس کے بعد۔ حیات دنیویہ ہو یا عالم برزخ۔ خواہ میدان قیامت ہو کہ جس دن انبیائے مرسلین کو جائے دم زدن نہ ہوگی۔ اس وقت آنحضرتؐ ہی باب شفاعت کو کھلو اگر اولین و آخرین کو نعمت کے دریاؤں اور رحمت کے الوار سے مستفیض فرمائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد حاصل کرنے میں ان چاروں مقامات کے لئے بہت سی خبریں اور آثار وارد ہوئے ہیں۔ اول توسل جو آپ کے عالم وجود میں آنے سے پیشتر ہے۔ منجملہ اُن احادیث اور اخبار کے جو اس کے متعلق آئی ہیں ایک حدیث عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہے علمائے حدیث نے اس کو صحیح کہا ہے کہ جب آدم صلی اللہ سے خطا سرزد ہوئی تو توبہ کے لئے کہا یا رب اسالک بحق محمد ان تغفر لی ثم جبرہ۔ (اے میرے رب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بطویل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ مجھ کو بخش دے) مجیب الدعوات کے دربار سے فرمان آیا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پہچانا حالانکہ میں نے ابھی اُن کے جوہر روح کو صدف جہانیت میں نہیں رکھا ہے آدم نے کہا کہ اے

خدا تو جانتا ہے جس روز مجھ کو اپنے دست قدرت سے تولے پیدا کیا اور میرے قالب بشری میں روح علوی پھونکی تو میں نے سر اٹھایا عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ۔ اس دن سے میں نے پہچان لیا کہ وہ تیرے ایک بندے ہیں اور تیرے نزدیک کل مخلوقات میں محبوب ترین اور تیرے دربار کے مقرب ترین ہیں۔ حکم آیا کہ جب تم نے ان کو میرے دربار میں وسیلہ مغفرت ٹھہرایا ہے تو میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیے۔ اے آدم اگر محمدؐ نہ ہوتے تو تم کو بھی نہ پیدا کرتا۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جو کلمات آدم صلی اللہ نے دربار خداوندی سے سیکھے تھے اور ان کی توبہ و مغفرت کا ذریعہ ہوئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ تَرْجَمَہ۔ پس سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں پس رجوع کیا اس پر وہ کلمات یہ تھے الہی بھرت محمدؐ اللہ غفر لی۔ سبکی کہتے ہیں کہ جب اعمال صالحہ سے توسل جائز ہے باوجودیکہ یہ فعل انسانی ہے جو کوتاہی اور قصور کے ساتھ موصوف ہے اور دربار خداوندی میں مقبول ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارش میں لانا جو اللہ کے محبوب اور محب ہیں بطریق اولیٰ جائز ہے۔

دوسری قسم۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل حیات دینی میں اتنا زیادہ ہے کہ شمار میں نہیں آسکتا۔ حدیث میں ہے کہ ایک نابینا آدمی نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمائیے کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو عافیت میسر کرے آپ نے فرمایا اگر تو بینائی چاہتا ہے تو میں خداوند کریم سے دعا کروں کہ تو بینا ہو جائے اور آخرت کا اجر چاہتا ہے تو صبر کر اور یہ تیرے لئے بہتر ہے۔ نابینا نے کہا آپ دُعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا وضو کر لے اور یہ دُعا پڑھ اللھم انی اسألك واتوجه اليك بنبيك محمد بنی الرحمة یا محمد انی توجہت بك الی ربی فی حاجتی هذا التقضی لی اللھم تشفعہ فی ترجمہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جانب توجہ کرتا ہوں لطیفیل تیرے محمدؐ کے جو رحمت کے بنی ہیں۔ اے محمدؐ میں متوجہ ہوا لطیفیل آپ کے اپنے رب کی طرف اپنی حاجت میں

جو یہ ہے تاکہ پوری ہو جائے حاجت میری اے اللہ شفیع بناؤ ان کو میرے متعلق
ترندی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور بیہقی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔
اس حدیث کے آخر میں اتنی عبارت کا اضافہ کیا ہے۔ فقام وقد البصر و فی روایت
ف فعل الرجل فبراء ترجمہ (بس وہ شخص کھڑا ہوا اور بنیا ہو گیا۔ ایک روایت میں
ہے کہ اُس شخص نے ایسا کیا اور اچھا ہو گیا)۔ حاجت مندوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم کے توسل اور استمداد سے کشادگی رزق حصول اولاد اور نزول بارش چاہنا
اور اس میں کامران و شاد کام ہونا، بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔

تیسری قسم توجہ اور استمداد و توسل آپ کی وفات کے بعد۔ اس میں بھی
حدیثیں وارد ہیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت
کی ہے کہ ایک شخص کا کوئی کام عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھا اور وہ
پورا نہ ہوتا تھا۔ عثمان بن عفان قطعاً اُس کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے اُس شخص نے
اپنا قصہ عثمان بن حنیف سے بیان کیا اور اس کی تدبیر دریافت کی۔ آپ نے کہا وضو
کرا اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ۔ پھر اس دعا کو پڑھ مترجم (دعا کو مع ترجمہ
کے نا بنیا کے قصہ میں لکھ چکا ہوں) اس کے بعد اپنا مقصد عرض کر وہ شخص گیا
اور ان کے کہنے پر عمل کیا۔ اُس کے بعد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازہ
پر آیا۔ آپ کا دربان آیا۔ اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس
لے گیا۔ آپ نے اس شخص کو اپنے مخصوص بستر پر بٹھا لیا اور حاجت دریافت کی۔
جو کچھ اس کی حاجت تھی آپ نے پوری کر دی۔ پھر فرمایا کہ اس کے بعد جو کام تمہارا ہوا
کرے مجھ سے کہا کرو تاکہ میں پورا کر دیا کروں۔ وہ شخص عثمان رضی اللہ عنہ کے
پاس سے خوش ہو کر نکلا۔ اور عثمان بن حنیف کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ کو اللہ
جزائے خیر دے۔ شاید تم نے عثمان رضی اللہ عنہ سے میرے کام کے متعلق کچھ کہا ہو
جب ہی تو وہ اس طرح پیش آئے۔ اس سے پیشتر تو کبھی میری طرف توجہ نہیں
کرتے تھے۔ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے ان سے کچھ
نہیں کہا سوائے اس کے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ
ایک نا بنیا آپ کے پاس آیا اور بنیا ہونے کی درخواست کی۔ (پوری حدیث

پہلے والی بیان کر دی) اس سے میں نے سمجھ لیا تھا کہ آنحضرتؐ کا توسل مقاصد کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب شفا میں بیان کرتے ہیں کہ ابو جعفر خلیفہ اور امام مالکؒ کے درمیان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مناظرہ ہو گیا۔ ابو جعفر نے دوران کلام میں آواز بلند کی امام مالکؒ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کتاب میں ایک قوم کو ادب سکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی الایۃ ترجمہ (مت بلند کرو تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر آخر آیت تک) اور ایک قوم کی مدح فرماتے ہیں۔ الذین یعصون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ۔ ترجمہ (جو لوگ کہ پست کرتے ہیں اپنی آوازوں کو رسولؐ کے نزدیک وہی وہ لوگ ہیں کہ آزمائش کی اللہ نے ان کے دلوں کے واسطے تقویٰ کے) خوب سمجھ رکھو کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وفات کے بعد بھی مثل اس حرمت کے ہے جیسی آپ کی حیات میں تھی۔ خلیفہ پر امام مالکؒ کے کہنے سے رقت کی حالت طاری ہو گئی۔ اور بہت زائد انکساری استعمال کی کہنے لگا کہ اے ابو عبد اللہ دعا کے وقت قبلہ کی طرف منہ کروں یا رسول اللہ کی طرف تو امام مالکؒ نے کہا کہ کس واسطے پیغمبر سے منہ پھرتا ہے حالانکہ وہ وسیلہ تیرے اور تیرے باپ آدم صفی اللہ کے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے نزدیک استقبال پیغمبر کی طرف کرنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا کہ وہ تمہارے شفیع ہو جائیں۔

آداب زیارت کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف استقبال کرنے کا استحباب اور آپ سے توسل اور آپ کے دربار میں دعا۔ انتہائی ادب کا لحاظ رکھنا انشاء اللہ مذکور ہو گا۔ فاطمہ بنت اسد ام علی بن ابی طالب کی قبر کے تذکرہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ آنحضرتؐ ان کی قبر پر آئے اور فرمایا بحق نبی ک والانبیاء الذین من قبلی ترجمہ (بطفیل تیرے نبی اور ان نبیوں کے جو مجھ سے پہلے تھے) اس حدیث میں دونوں حالت میں توسل کی دلیل موجود ہے۔ باعتبار آنحضرتؐ حالت حیات میں اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے وفات کے بعد جب دیگر

انبیاء علیہم السلام سے وفات کے بعد تو تسل جائز ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق اولیٰ جائز ہوگا بلکہ اگر اس حدیث سے اولیاء اللہ سے تو تسل بعد وفات کے قیاس کریں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ جب تک کہ کوئی دلیل حضرت انبیاء علیہم السلام کے خصوصیت پر قائم نہ ہو اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی شیبہ صحیح سند سے بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑا۔ ایک مرتبہ قبر شریف نبوی پر آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ استسق لا متک فانهم قد هلكوا۔ ترجمہ: (آپ اپنی امت کے لئے اللہ سے پانی طلب کیجئے بے شک لوگ ہلاک ہو گئے)۔ آنحضرتؐ اس شخص کے پاس خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جاؤ عمر کو خوش خبری دو کہ بارش ہوگی یہ طریقہ طلب دعا کا ہے۔ آنحضرتؐ کا اپنے پروردگار سے دعا کرنا تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے۔ جس طرح حالت حیات میں تھا جیسا کہ مضمون دعائے مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ ابن جوزی نے روایت کی ہے کہ ایک زمانہ میں اہل مدینہ سخت قحط زدہ ہوئے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس چلو اور اس میں ایک کھڑکی آسمان کی طرف کھولو تاکہ آپ کی قبر اور آسمان میں کوئی پردہ نہ رہے۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کے حکم سے ایسا ہی کیا۔ بہت بارش ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کھڑکی کھولنے کے متعلق حکم کرنے میں ایک رمز واضح ہے۔ مطلوب کے لئے کھڑکی کھولنا اور آنحضرتؐ کا دربار رب العالمین میں دعا و سوال کرنا اور اسی قبیل سے سائل کا سوال آنحضرتؐ کے دربار سے ہے۔ اسالک مرافقتک فی الجنۃ۔ یعنی میں سوال کرتا ہوں آپ کے دربار سے کہ آپ اپنے پروردگار سے درخواست کریں تاکہ مجھے آپ کی صحبت کی سعادت سے جنت میں مشرف کرے۔

چوتھی قسم - میدان قیامت میں شفاعت کے لئے سرور انبیاء کا توسل پکڑنا۔ اس مسئلہ کے متعلق متواتر حدیثیں ہیں۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان نیک

لوگوں کا توسل بھی پکڑا جاسکتا ہے جن کا آنحضرتؐ کے دربار سے کسی قسم کا تعلق ہے اس کے متعلق بھی بہت سی احادیث ہیں۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے استسقا کرنے کا قصہ اس کی تائید کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تھی تو عمر رضی اللہ عنہ استسقا میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل پکڑتے تھے اور کہتے تھے کہ اے خدا اس سے پہلے جب قحط سالی ہوتی تھی تو ہم تیرے پیغمبر کا توسل پکڑتے تھے اور تو پانی برساتا تھا۔ اب تیرے پیغمبر کے چچا کا توسل پکڑتے ہیں لہذا ہمارے اوپر پانی برسا ایک اور روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے اے خدا ہم تیرے پیغمبر کے چچا کے ذریعہ استسقا کر رہے ہیں اور ہم ان کے بڑھاپے کو شیفع بناتے ہیں۔ پھر عباس رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں کہتے کہ خداوند! یہ قوم میری طرف متوجہ ہوئی ہے۔ بہ سبب اس تعلق کے جو مجھ کو تیرے پیغمبر سے ہے۔ اے خدا! مجھ کو ان کے سامنے شرمندہ مت کر۔ اسی مضمون کو عباس بن عقبہ بن ابی لہب نے کہا ہے کہ اللہ نے میرے چچا کے ذریعہ سے حجاز اور اس کے باشندوں کو سیراب کیا اور یہ ان ایام میں ہوا جب کہ انہوں نے اپنے بڑھاپے کے ذریعہ استسقا کیا تھا۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد منور کے نزدیک استغاثہ اور استبداد طلب کرنے کے بعد مقصد کا پورا ہو جانا۔ اس کے متعلق بھی بہت سے آثار آئے ہیں۔ محمد بن المنکدر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس انسی دینار امانت رکھے اور اجازت دی کہ اگر تم کو ضرورت پڑے تو اس میں سے خرچ بھی کر لینا۔ یہ کہہ کر جہاد کو چلا گیا۔ میرے والد ضرورت کے وقت اس میں سے خرچ کرتے تھے۔ جب وہ شخص واپس آیا اپنی رقم کو طلب کیا میرے والد ادا کرنے سے قاصر رہے اور اس سے کہا کہ کل آناتب جواب دوں گا۔ اب میرے والد نے مسجد نبویؐ میں رات گزاری۔ تھوڑی دیر حضور میں اور تھوڑی دیر منبر کے سامنے فریاد کی یکایک رات کی تار بکی میں ایک شخص ظاہر ہوا اور اسی دینار کی ایک ٹھیلی والد کے ہاتھ میں تھما دی۔ صبح کے وقت والد نے جس کی امانت اپنے پاس رکھی تھی اس کو بلا کر دے دی۔ اور مطالبہ کی زحمت سے نجات پائی۔

امام ابو بکر بن مقرر کہتے ہیں کہ میں اور طبرانی اور ابوالشیخ تینوں حرم مصطفویٰ میں تھے کہ بھوک نے غلبہ کیا اور دو روز اسی حالت میں گزر گئے۔ جب عشاء کا وقت آیا میں قبر شریف کے سامنے گیا اور عرض کیا یا رسول الجوع! یہ کلمہ کہہ کر میں واپس آ گیا۔ میں اور ابوالشیخ سو گئے۔ طبرانی بیٹھے ہوئے کسی چیز کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص علوی آیا۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کے ساتھ دو غلام تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک زنبیل اور اس میں مع کھجور بہت سے کھانے تھے۔ انہوں نے ہم سب کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ اور جتنا باقی بچا اس کو بھی ہمارے پاس چھوڑ گیا۔ اور کہا اے لوگو شاید تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی ہے۔ میں نے اسی وقت آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں۔ تم ان لوگوں کے لئے کھانا حاضر کرو۔ ابن الجلاب کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا۔ ابھی مجھ پر ایک دو فاقے گزرے تھے کہ میں نے قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر عرض کیا کہ انا ضیفک یا رسول اللہ۔ ترجمہ (یا رسول اللہ میں آپ کا مہمان ہوں) پھر میں سو گیا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو ایک روٹی دی۔ ادھی میں نے خواب میں ہی کھالی۔ جب بیدار ہوا تو بعینہ نصف روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔ ابو بکر اقطع کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا اور مجھے پانچ دن گزر گئے کہ غذا نہیں چکھی تھی۔ چھٹے روز قبر شریف پر جا کر عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کا مہمان ہوں، اس کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرتؐ تشریف لائے حضرت ابو بکر دہنی جانب اور حضرت عمرؓ بائیں طرف علیؓ بن ابی طالب آگے تھے مجھ سے کہتے ہیں کہ اٹھو پیغمبر خدا تشریف لے آئے۔ میں آگے بڑھا اور آپ کے دونوں ابروؤں کے درمیان میں نے بوسہ دیا۔ آپ نے مجھ کو ایک روٹی دی۔ میں نے کھالی۔ جب بیدار ہوا تو ایک ٹکڑا روٹی کا میرے ہاتھ میں بچا ہوا تھا۔

احمد بن محمد صوفی کہتے ہیں کہ میں تین مہینے تک جنگل میں پھرتا رہا میرے بدن کی کھال پھٹ گئی تھی۔ میں مدینہ آیا۔ آنسرو اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام عرض کر کے سو گیا۔ آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں اے احمد تو

آگیا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ میں بھوکا ہوں اور آپ کا مہمان ہوں) فرمایا کہ ہاتھ کھول۔ میں نے ہاتھ پھیلا دیا۔ آپ نے چند درہم میرے ہاتھ میں دے دیئے۔ جب میں بیدار ہوا تو وہ درہم میرے ہاتھ میں تھے۔ میں بازار گیا۔ گرم روٹی اور فالودہ خریدا پھر جنگل کو چلا گیا۔

اسی طرح کی اور بہت سی حکایتیں ہیں۔ اکثر حکایتیں مشائخ صوفیاء سے منقول ہیں جو محرم اسرار اور مقرب دربار رسالت ہیں۔ اور اکثر حکایتیں جو مہمانی یا کھلانے سے تعلق رکھتی ہیں ان میں خود حضور بہ نفس نفیس اُس کے متکفل ہوئے ہیں یا کسی اہل بیت کرام کو حکم فرمایا ہے لیکن کسی بیگانے کے گھر نہیں بھیجا اور یہی کرم کا مقتضی ہے۔ بیت

اگر خیریت دنیا و عقبے آرزو دار کی بدرگاہش بیا و ہر چہ مسخو اہی نمنا کن
نمٹ۔ یہ چار مقام جو توسل اور استمداد حضرت سید العباد صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع ہیں۔ مقام اول یعنی آپ کی روح مقدس کا توسل جو عالم جہانیت میں آنے سے پہلے آپ ہی کی جناب کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی نبی یا ولی کو اس منقبت عظمیٰ میں کوئی مشارکت نہیں ہے۔ آنحضرت کے علاوہ نص کا نہ آنا خصوصیت کے لئے کافی ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل حیات دینی میں ظاہر ہے۔ یہ صرف آنحضرت ہی کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے بعض متبعین کے لئے بھی ثابت ہے۔ ان حضرات کو شرف متابعت اور قرب حاصل ہے۔ جیسے کہ آپ کے آل و اصحاب اور اولیائے امت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان حضرات کی کرامت اور تصرف کا اس عالم میں ظاہر ہو جانا جو ان افراد کا ایک فرد ہے۔ ہمارے مدعا کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا استسقا کے واقعہ میں عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے توسل پکڑنا ثابت ہے۔ جمیع علما میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح سے انبیاء اولیاء اور صالحین امت سے آخرت کے دن کے لئے توسل اور استمداد بوسیلہ شفاعت جائز ہے جس طرح سے عقائد کی کتب میں مذکور ہے۔ لیکن آنحضرت کے ساتھ عالم برزخ کی برکت اور توسل کے مخصوص ہونے میں تردد ہے۔ اور لفظ ظاہر تو یہ

غیروں کے ساتھ یعنی اولیاء اللہ اور صلحائے اُمت سے بھی جائز معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ بوجہ عموم جواز تو تسلیم نہیں یہ مرتبہ اس لئے ملا ہے کہ وہ حالت حیات میں مع بقائے روح میت اور شعور و ادراک اور قرب کی وجہ سے اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور یہ بلند مرتبہ ایمان۔ عمل صالح اور بشرف اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حاصل ہوا ہے۔ تو تسلیم اور استمداد کی بس اتنی سی حقیقت ہے کہ جناب باری سے اس محبت اور کرم کے واسطے میں جو اللہ تعالیٰ اس بندہ خالص سے رکھتے ہیں۔ سوال اور دعا کی جائے۔ اور اس روحانیت کی وجہ سے جو اس بندہ خاص کو حضرت رب العزت کے دربار میں قربت اور کرامت حاصل ہے، ہم تو تسلیم اور استمداد طلب کرتے ہیں۔ اور اس میں صریح نص کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بہ سبب بقائے ذات متوسل کے بخلاف مقام اول کہ وہاں پر نص کا نہ ہونا امتناع کے لئے کافی ہے۔ ہاں اگر آنحضرتؐ کے ساتھ اس کی خصوصیت پر دلیل قطعی مل جائے تو خصوصیت کا منع کرنا ٹھیک ہو گا۔ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دلیل نہیں ہے اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ کسی غیر معصوم شخص کے لئے ایمان پر مرنے اور قرب الہی کا حاصل ہونا یقینی نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ ان حضرات کی بقا ان لوگوں میں خصوصاً و عموماً یقینی ہے جو ان باتوں کی خوش خبری دے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی نقلیں اور بکثرت خبریں ان بڑے بڑے مشائخ سے آئی ہیں جو صاحب کشف اور عالم مثال کے محرم راز ہیں۔ اور یہ نقول اور اخبار شبہات کی قاطع نہیں۔ لیکن بعض فقہاء کو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ولکن الحق حق ان یتبع واللہ اعلم۔

باب سوہوال

آداب زیارت مدینہ منورہ کی اقامت اور اپنے وطن کی طرف

واپسی کا بیان

جب کہ زیارت کا قصد ایک مخصوص اور متبرک سفر ہے تو یقیناً جو آداب اس

سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض محض سفر ہی سے وابستہ ہیں جیسے استخارہ و تجرید
توبہ و رد مظالم اور اصحاب حقوق کو خوش کرنا۔ اہل و عیال کا نفقہ۔ سامان سفر و
طلب رفیق اور دوستوں کو رخصت کرنا۔ اُن دعاؤں کا پڑھنا جو وقت سفر اور
سواری پر ہوتے۔ اور اُترتے وقت مسنون ہیں اور تمام وہ آداب جو ابتدائے
سفر اور وسط راستے میں مقصد کے پہنچنے تک اور وطن کی واپسی تک مستحب و مسنون ہیں
ان سب کو کتاب آداب الصالحین میں جو امام غزالی کی احیاء العلوم کے ایک چوتھائی
کا ترجمہ ہے ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ باتیں جو اس سفر مبارک سے مخصوص
ہیں۔ ذکر کی جائیں گی۔ منجملہ اُن آداب کے کہ جن کی رعایت بہت ہی اہم و اقدم ہے
وہ اخلاص نیت ہے کہ تمام افعال و اعمال کا اسی پر دار و مدار ہے۔ حدیث فمن کانت
ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ۔ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے زیارت کی نیت تقرب الی اللہ ہے اور کون سا تقرب و توسل حبیب
رب العالمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچنے سے بڑھ کر
ہوگا۔ مَنْ یطیع الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللہ۔ وَانَّ الَّذِینَ یُبَايِعُوْنَهُ وَاِمْاٰیَا
یَعُوْنَ اللہ۔ ترجمہ۔ (جس شخص نے کہ رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ
کی اطاعت کی) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔
سرور کائنات کی زیارت کے ساتھ مسجد شریف کا قصد بھی ملحوظ رکھیں کیونکہ یہ بھی
مستحب ہے جیسا کہ ابن صلاح اور نووی رحمۃ اللہ علیہما نے اس کی تصریح کی ہے
اس لئے کہ اس مسجد شریف کی طرف قصد سفر کرنے اور نماز پڑھنے کے متعلق احادیث
کثیرہ آئی ہیں۔ شیخ الحنفیہ کمال الدین الہمام نے بھی اپنے مشائخ سے ایسا ہی نقل
کیا ہے لیکن اس کے بعد لکھتے ہیں کہ زیارت ہی کی نیت کرنا اولیٰ ہے۔ مدینہ
منورہ پہنچنے کے بعد جب زیارت حاصل ہو جائے تو زیارت مسجد کی نیت علیحدہ
کرے یا کسی دوسرے سفر میں دونوں نیتیں بجالائے اس لئے کہ اس صورت میں
زیارت کی تعظیم بہت زیادہ ہے اور ان کا قول جناب رسول خدا کے قول کے موافق
ہے۔ آپ نے فرمایا ہے لا تعملہ حاجۃ الا زیارتے ترجمہ (کہ نہ لائی ہو
اس کو کوئی حاجت سوائے میری زیارت کے) حق یہ ہے کہ مسجد کے تبرک کی نیت

کے ساتھ ہی زیارت کی نیت کر لینا منافی نہیں ہے۔ کیونکہ مسجد کی نیت کرنا اور اور اس سے برکت حاصل کرنا اُس میں آنحضرتؐ کے حکم کی فرماں برداری کی وجہ سے نماز ادا کرنا عین ملاحظہ اور مشاہدہ آپ کی نسبت کا ہونے کے علاوہ منجملہ اُن حاجتوں کے ہے جو سعادت اور شفاعت کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ یہ نیت بھی انہیں میں سے ہے بلکہ زیارت کے متممات سے ہے جس قدر جلد ممکن ہو۔ مسجد شریف کے اعتکاف کی نیت کرے اگرچہ ایک ہی ساعت کی ہو اور نیک باتوں کی تعلیم و تعلم و ذکر الہی نیز آنحضرتؐ پر کثرت سے صلوٰۃ و سلام اور ختم قرآن میں مشغول رہے اگر مدینہ منورہ پہنچنے سے اس کی نیت کرے تو بے شبہ نیت کی جزا اور اس کا ثواب پائے گا۔ منجملہ مستحبات کے یہ ہے کہ اس راستہ کے چلنے میں ہمیشہ شوق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا کثرت سے اشتیاق اور اُس دربار عالی میں پہنچنے کی تمنا سعادت کے حاصل کرنے کا مشاہدہ اور آنحضرتؐ کا دیدار و دریائے محبت کے استغراق میں خوش رہے۔ بغیر رنج کے اور بغیر سستی کے چپٹ اور ہشاش بشاش رہے۔ دائم الحضور ہر وقت اچھے اخلاق میں مستغرق رہے۔ کثرت سے نیک کام کرے ادب کا لحاظ رکھے۔ اطاعت زیادہ کرے۔ روحانیت غائب ہو۔ نورانیت ظاہر ہو۔ شوق و ذوق خوشی و سرور اور ذکر حضور چمک و نور انوار محمدی کے انعکاس کے لئے آمادہ رہے۔ اور اسرار احدی کے قبول کے لئے تیار رہے اور منجملہ مستحبات کے یہ ہے کہ راستہ میں اکثر اوقات بلکہ ہر وقت سوائے ادائے فرائض اور فراغت ضروریات کے آنسور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کے ساتھ بصفہ شوق اور حضور و طہارت و لطافت کے مشغول رہے مع عاریت شرائط آداب جو خاتمہ کتاب میں مذکور ہوں گے اس لئے کہ سب سے قریب راستہ اور قومی ذریعہ اس مسئلہ کے متعلق یہی ہے۔ یقیناً قریب ہی یا کچھ دلوں کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال دیدار سے فیض یاب ہوگا۔ خاص کردہ اوقات کہ جن میں اُمید کی گئی ہے۔ اور وہ حالات جو متبرکہ ہیں۔ مثل صبح نماز کے بعد خصوصاً مدینہ منورہ کے قریب اور مقامات مقدسہ کے نزدیک حدیث میں ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک جماعت فرشتوں کی پیدا

کی ہے جو قاصدین زیارت کے تحفہ ورد کو دربار نبویؐ میں پہنچاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فلاں بن فلاں زیارت کو آتا ہے اور یہ تحفہ پہلے بھیجتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کون سی سعادت ہوگی کہ اس کا اور اس کے باپ کا نام حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لیا جائے۔ منجملہ ان مستجاب کے یہ ہے کہ تمام مساجد نبویہ کی زیارت اور آثارِ محمدیہ کی تلاش جو راستہ میں واقع ہیں اور مساجد ماثورہ کے بیان میں گذر چکے غنیمت سمجھے۔ جب حرم شریف طیبہ مطیبہ کے قریب پہنچے اور وہاں کے مکانات و نشانات و ٹیلوں کو دیکھے تو وظیفہ و خضوع و خشوع و آداب گریہ و زاری کی تجدید کئے۔ وہاں کے پہنچنے سے خوش ہو حدیث میں آیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ کا زائر قریب پہنچتا ہے تو رحمت کے فرشتے تحفے لے کر اس کے استقبال کو آتے ہیں اور طرح طرح کے بشارات سے شامل حال ہوتے ہیں۔ نورانی طبق اس کے اوپر نثار کرتے ہیں۔ منزل مقصود کے قریب ہونے پر ایسا تصور کرے کہ گویا سلطان عالم کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ اور نشانات و پہاڑوں کے دیکھنے سے ایک عظمت اور شوق، باطن میں پیدا کرے۔ اس باب میں سب سے عمدہ حفاظت قلب اور خشوع باطنی ہے۔ اور تمام اعضاء کو گناہوں سے روکے رہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا ورد رکھے۔ دل سے آپ کی عظمت مقام کا لحاظ اور فکر رکھے نہ کہ محض زبانی تعلق۔ بیجا حرکت اعضاء اور شور و غل جیسا کہ عوام کا دستور ہے اس سے باز رہے۔ اگر کمال مراقبہ حاصل نہ ہو تو خضوع ظاہری اور تکلف سے اچھوں کی مشابہت کو نہ چھوٹے کہ یہ حالت بھی تھوڑے سے استقلال اور استقامت کے بعد اسی حالت کو پیدا کر دیتی ہے۔ یا اس کے قریب پہنچا دیتی ہے۔ منجملہ مستجاب کے یہ ہے کہ جبل مفرح پر پہنچے تو اگر یہ خوف ہو کہ اس پر چڑھنے سے لوگ اس کے سنت ہونے کا یا اس فعل کے وجوب کا خیال کریں گے یا اپنے ہی نفس کو تکلیف ہوگی۔ یا دوسروں کو ایذا ہوگی تو نہ چڑھے اور اگر دل ان باتوں سے خالی ہے۔ اور جانتا ہے کہ یہ ذریعہ شوق کے زیادتی کا ہے۔ تو منع نہیں ہے بلکہ قاعدے کے موافق اور دلائل کا لقا ضایہ ہے کہ یہ فعل مستحسن ہے یا مستحب۔ یہ کہنا کہ مدینہ منورہ کو دیکھنے کی غرض سے اس پہاڑ پر چڑھنا بدعت غیر حسنہ ہے۔ نہایت بُری بات ہے اور تحقیق

سے کوسوں دُور ہے۔ حبیب کے ٹیلوں کا دیکھنا از دیا دِ شوق کا ایک ذریعہ اور امر محبوب ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جو مشتاق حبیب کی ملاقات کے شوق میں منزلوں کو قطع اور میدانوں کو طے کرتا ہوا سرحِد مقصود کے قریب پہنچا، ہو دیدار سے پہلے مکانات اور ٹیلوں کے دیکھنے سے صبر کر سکے۔ اپنی عمر پر کس کو بھروسہ ہے۔ شاید حرم شریف کے میدان میں پہنچنے سے پہلے ہی قاصد اجل پہنچ جائے۔ اور یہ شخص اس کے مشاہدہ سے محروم ہے۔ جب مسجد ذوالحلیفہ میں پہنچے تو ابیار علی کے قریب اترے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ بشرطیکہ جان و مال کا خطرہ نہ ہو۔ یہ علی جس کی طرف ابیار منسوب ہے ایک شخص کا نام ہے جو پہلے زمانہ میں تھا۔ اس سے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد نہیں ہیں اور اسی طرح وادی فاطمہ سے جو مکہ کے قریب ہے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا مراد نہیں ہیں۔ جب مدینہ منورہ اور اس کے قبہ و منارے نظر آئیں تو اس تعظیم کی وجہ سے جو باطن میں موجزن ہے سواری سے اتر پڑے۔ اگر ہو سکے تو مسجد شریف تک پایا دہ جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب عبدالقیس کے وفد کی نظر آنحضرتؐ کے جمال پر پڑی تو اونٹ بٹھالنے سے پیشتر ہی اپنے کوزمین پر گر دیا۔ بہت

کو طاقت آئے کہ باپ جاذبہ شوق رخسار ترا بنیم دلے تاب نگر دم
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ جب حرم مدینہ میں پہنچے تو آنسور پر سلام کے بعد یہ دُعا پڑھے۔ اللہم هذا حرم رسولک فاجعله لی وقایة من النار واما نا من العذاب وسوء الحساب اللہم افتح لی ابواب رحمتک وامن رزقی فی زیارتہ نبیک مارزقہ اولیائک واهل طاعتک واعفر لی ورحمنی یا خیر مسئلون۔
اس باب میں آنحضرتؐ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے میں سب سے عمدہ استغراق ظاہری و باطنی ہے۔ اس مقام سے عظمت و جلال کا بھی تصور رہے۔ خوشی اور سرور اس وقت کے لوازمات سے ہے۔ اللہ کا فضل شامل کر کے اس مقام اور قبول کی زیارت کی وجہ سے شکر گزاری میں بہ باطن مشغول رہے اور مستحب ہے کہ مدینہ میں داخلے کے لئے اچھی طرح سے غسل کرے۔ مسواک کرے۔ عمدہ کپڑے پہنے۔

اگر یہ سفید ہوں تو بہتر ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے نزدیک سفید کپڑا سب کپڑوں میں پسندیدہ تھا۔ اپنی حالت کو احرام باندھنے کے مقابلے میں بردباری اور زیور و قار سے سنوارے۔ جیسا کہ بعض عوام جاہل کرتے ہیں پرہیز کرے اس لئے کہ یہ خصوصیات مکہ مکرمہ اور لوازمات حج و عمرہ میں سے ہے۔ اپنے دل میں آنحضرتؐ کے شان کی عظمت و بڑائی کا تصور اس شہر میں کرے کیونکہ یہی ظاہری و باطنی خشوع و خضوع کا ذریعہ ہے۔ اپنے دل میں یہ سمجھ لے کہ یہ ایسا مقام ہے جس کو پروردگار نے اپنے حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پسند فرمایا ہے۔ وہ بڑے بڑے فتوحات و برکات جو تمام عالم میں پھیلے ہوئے ہیں ان سب کا سرچشمہ یہی شہر ہے۔ اس خیال سے کہ یہ سرزمین جناب رسول خدا کے قدموں سے سرفراز کی ہوئی ہے۔ غافل نہ ہو قدم رکھنے اور اٹھانے میں وہ ہیبت اور سکون جو آنحضرتؐ کو لازم رہا کرتی تھی۔ اُن سے موصوف ہے اور یہ تصور کرے کہ آپ کا دربار وہ عالی دربار ہے کہ ادنیٰ اسی گستاخی اور بے ادبی (مثل شور و غل وغیرہ) بربادی اعمال کا سبب ہو جاتی ہے۔ شہر کے دروازے میں داخل ہونے وقت کہے بسم اللہ طمأن الله لا قوة الا بالله رب ادخلني مدخل صدق واخرجني مخرج صدق واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا حسبي الله امنت بالله توكلت على الله لا حول ولا قوة الا بالله اللهم اني اسألك بحق السائلين عليك بحق مشائمي هذا اليك فاني لم اخرج بطرا ولا اشرا ولا ربا ولا سمعة اخرجت القاسم خطك وابتغاء مرضاتك اسألك ان تبعدني عن الناس وان تغفر لي ذنوبي انه لا يغفر الذنوب الا انت۔ اور یہ دعا مسجد میں جاتے وقت اور ہر وقت مستحب ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ جو کوئی مسجد کے راستے میں اس دعا کو پڑھے تو اس کے اوپر ستر ہزار فرشتے موكل كئے جاتے ہیں جو خاص اسی کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اور رب العزت جل جلالہ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ مسجد شریف میں داخل ہونے سے پہلے صدقہ کرے۔ ابتداءً سلام

میں یہ قاعدہ تھا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرنا چاہتا تھا اس پر واجب تھا کہ کچھ صدقہ کرے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرے۔ چنانچہ آیت کریمہ سے ثابت ہے۔ اِذَا نَا جَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِ مَوَافِقُ يَدِي بِخَوْبِكُمْ صَدَقَةٌ - ترجمہ :- (جب کہ تم رسول سے باتیں کرو تو اپنی باتوں سے پہلے صدقہ کرو۔) کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے اس پر عمل کیا وہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے بعد اس کا وجوب منسوخ ہو گیا لیکن استحباب جو صدقہ کی مطلق صفت لازمہ سے ہے رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وفات کے بعد آپ کی حیات کا حکم رکھتی ہے۔ مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے قصد سے آنا تمام چیزوں اور سب کاموں سے مقدم سمجھے کسی دوسرے کام میں مصروف نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی ایسی ضرورت ہو کہ اس کے ترک سے دل جمعی حاصل نہ ہوگی تو کوئی نقصان نہیں ہے جب مسجد میں آئے تو اس مکان کی عظمت و شرف اور عزت کے تصرف سے غافل نہ رہے۔ اس کا بھی خیال ہے کہ یہ مقام وحی کے اترنے کی جگہ اور جائے عزت و رحمت ہے۔ یہ مسجد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور مقام سید المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ مسجد شریف میں داخل ہوتے وقت تھوڑی دیر ٹھہرے گویا کہ داخلے کی اجازت طلب کر رہا ہے بعض علماء نے کہا کہ اس کی کچھ اصلیت نہیں ہے واللہ اعلم۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے داہنا قدم رکھے اور یہ دعا پڑھے جو ہر مسجد میں داخل ہوتے وقت مستحب ہے۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِ الْكَرِيمِ وَبِنُورِ الْقَدِيمِ مِنْ شَيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلِّمْ تَسْلِيمًا كَثِيرًا اَللّٰهُمَّ اَغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي الْاَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اَللّٰهُمَّ وَفَّقْنِي وَاعْنِي عَلَىٰ كُلِّ مَا يَرْضِيكَ وَمَنْ عَلَىٰ بِحَسَنِ الْاَدَبِ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِينَ - ط

یہ دُعا مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلنے وقت ترک نہ کرے لیکن نکلنے وقت کہے وافتح لی البواب فضلك لجلای رحمتك و اقل - کم سے کم اس مسئلہ میں یہ الفاظ کفایت کرتے ہیں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَاحَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہ اور حدیث میں آیا ہے اذا دخل احدکم المسجد فلیسکم علی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ترجمہ :- (جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے) جب مسجد میں داخل ہو تو اس مقام شریف کی نہایت ہی خشوع و خضوع اور سکون و وقار و ہیبت اور تعظیم کے ساتھ داخل ہو۔ مسجد کی زینت وغیرہ سے چشم پوشی کرے اور اعضا کو بیکار کاموں سے روکے رہے۔ جو خیالات اپنی طرف متوجہ کریں ان کو روکے۔ نہایت ہی ادب کے ساتھ اپنی طاقت کے موافق قیام کرے۔ عظمتِ محمدیؐ اور مشاہدہ و بدیہ احمدیؐ کا لحاظ رکھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و موجودگی پر اعتقاد رکھے کہ آپ زائر کی حالتوں کو دیکھ اور اس کی آواز کو سُن رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص آجائے کہ جس کی تعظیم اور سلام بجالانا چاہیے تو حتی الامکان اس سے پرہیز کرے۔ اگر سخت ہی ضرورت ہو تو ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کرے اُس کی جانب باطن سے مصروف نہ ہو۔ جب مسجد شریف میں داخل ہو تو نیت اعتکاف نہ کرے۔ اگرچہ قیام کی مدت قلیل ہی ہو۔ اس لئے کہ بعض علماء کے مذہب میں اسی طرح درست ہے۔ جو ثواب اور فضیلت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس ادب کا لحاظ تمام مساجد کی داخلے میں ملحوظ رہے۔ سستی کو بھی دخل نہ دے کیونکہ اگرچہ یہ امر تھوڑا ہے لیکن اس کا اثر بڑا ہے۔ اس کے بعد روضہ اقدس میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر کہ اب اس جگہ محراب بنی ہوئی ہے۔ تھوڑی دور ہٹ کر اس کے داہنی جانب تجتہ المسجد کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کرے۔ اس کی قرأت میں طول نہ کرے۔ فاتحہ کے بعد قل یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور سورۃ اخلاص پراکتفا کرے۔ اگر مصلے شریف میں جگہ نہ پائے تو حتی الامکان اس مقام کے قریب پڑھ لے۔ اگر فرض

نماز کی تکبیر ہو گئی ہو یا فرضوں کے فوت کا خوف ہو۔ تو تختہ المسجد ادا نہ کرے اس لئے فرض نماز سے بھی مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ بعد نماز تختہ المسجد باری تعالیٰ کا شکر و حمد ادا کرے کہ جس نے اس نعمت سے شرف بخشا۔ اور رضا کے حصول و نعمت و مقصود دایین کے وصول کی دعا کرے۔ یقین رکھے کہ یہ ایسا دربار ہے کہ کوئی طالب صادق اور فقیر سائل اس دروازے سے محروم نہیں ہوتا۔ تختہ المسجد کو زیارت پر مقدم کرنے استحاب میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علمائے مالکیہ نے تختہ المسجد پر زیارت کی تقدیم کو جائز رکھا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں اگر زائر کا گزر روئے الود کے مقابلے میں ہو تو نہ زیارت کا مقدم کرنا مستحب ہے اور اکثر علماء کے نزدیک تختہ المسجد کو مقدم کرنا ہر صورت میں مستحب ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سفر سے واپس آیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے دریافت فرمایا مسجد میں جا کر نماز ادا کر لی۔ میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ مسجد میں جاؤ اور نماز پڑھ کر میرے پاس آؤ پھر سلام کرو۔ یہ اس سلام کے برخلاف اور علاوہ ہے جو مسجد میں داخلے کے آداب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے وہ سلام بالاتفاق تختہ المسجد کی دو رکعتوں سے پہلے یا اس کے بعد ہے۔ سجدہ شکر کے جواز میں بھی اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اگر کوئی نعمت سوائے وائمتہ کے حاصل ہو جائے تو سجدہ شکر جائز ہے۔ اور علمائے حنفیہ سے بھی چند روایتیں اس کے جواز کی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے بھی منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل - تختہ المسجد ادا کرنے کے بعد زیارت کی طرف متوجہ ہو اور قبر شریف کی طرف اپنا منہ کرے۔ پھر پروردگار عالم کے دربار سے مدد و استعانت طلب کرے۔ اس مقام کے آداب کی رعایت رکھے کہ بغیر اعانت اور امداد الہی کے اس مقام عالی پر کھڑا ہونا بھی ممکن نہیں ہے اور جس قدر امکان و طاقت ہو ظاہری و باطنی خشوع و وقار و ذلت و انکسار کو نہ چھوڑے۔ سجدہ کرنا اور چہرہ کو خاک آلود کرنا زور سے سلام کرنا۔ جالی شریف کا

چومنا وغیرہ۔ نیز اور باتیں جن کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے اور ظاہرین کی نظر میں وہ ادب معلوم ہوتی ہیں ان سب سے پرہیز کرے۔ بلکہ یقین کرے کہ حقیقی ادب، اتباع کی رعایت اور آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرماں برداری میں ہے جو باتیں اس قسم کی نہیں ہیں وہ محض وہم باطل ہیں۔ اگر کوئی بات غلبہ حال یا ازدیاد شوق سے ظاہر ہو جائے اور لوگوں کی موجودگی میں نہ ہو تو بہتر ہے۔ لیکن علماء کو اس میں بھی کلام ہے۔ تاہم مفتی علیہ اور مختار وہی بات ہے جو ہم نے بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرتے وقت اور آپ کے دربار میں حاضری کے وقت دایئیں ہاتھ کو بائیں پر رکھے۔ جیسا کہ نماز میں کرتے ہیں۔ کرمانی نے جو علماء حنفیہ میں سے ہیں اس بات کی تشریح کی ہے۔ پشت کو قبلہ کی طرف کر کے اس چاندی کی میخ کے ردبرہ جو حجرہ شریف کی دیوار میں چہرہ الزر کے مقابلہ پر لگا رکھی ہے۔ جھاڑ کے نیچے کھڑا ہو۔ جس مقام پر اب تانبے کی جالی لگی ہوئی ہے۔ پہلے بزرگوں کے کھڑے ہونے کی جگہ (حجرات کو مسجد میں داخل کرنے سے پیشتر) یہی مقام تھا۔ قبر شریف کے مقابلہ سے اس کا فاصلہ تین چار گز کا ہو گا۔ صالحین سلف کا وقوف اسی حد پر منقول ہے۔

قبر شریف سے اتنے ہی فاصلے پر کھڑا ہونا چاہیے جتنے فاصلے پر آپ کی حالت حیات میں بطریق ادب کھڑا ہونا مناسب تھا۔ اب چونکہ زائرین کا قیام تانبے کی جالی کے باہر ہوتا ہے۔ لہذا جالی کے متصل یا اس سے فاصلے پر کھڑا ہو تو دونوں طرح جائز ہے۔ دل میں یہ خیال کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حاضری سے مطلع ہیں۔ آواز حد اعتدال میں رہے۔ یعنی نہ بہت بلند ہو نہ بالکل لپٹ۔ شرم و حیا سے موصوف ہو کر سلام عرض کرے۔ السلام علیک ایہا النبی الکریم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تین بار کہے السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا نبی اللہ السلام علیک یا سید المرسلین السلام علیک یا خاتم النبیین۔ زیارت کی کتابوں میں جو عبارت لکھی ہوئی ہے یا زیارت کے معلم جو تعلیم کرتے ہیں اخیر تک پڑھے۔ بعض بزرگان سلف مثل ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اختصار پسندیدہ ہے۔ اختصار کی مقدار السلام علیک یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آئے تھے تو کہتے السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک اتبأہ۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ السلام علیک ایہا البنی ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ کہے۔ اس مقدار کا اختصار تو غالباً روزانہ کی زیارت کرنے والے کو یا کسی ضرورت یا بوجہ تنگی وقت مثل نماز وغیرہ کے ہو سکتا ہے۔ ورنہ وہ مشتاق کہ جس کا قلب شوق سے اور سینہ عمر بھر کی جدائی سے پُر ہے۔ اور بہت ہی مسافتوں کو طے کر کے حبیب کے دربار میں پہنچا ہو کیسے اختصار کر سکتا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک صلوٰۃ و سلام میں دیر کرنا پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم کے دربار میں کھڑا ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرنا کتنی بڑی سعادت ہے اگر دوستوں میں سے کسی نے آنحضرت پر صلوٰۃ و سلام کی وصیت کی ہو تو کہے السلام علیک یا رسول اللہ من فلاں بن فلاں یا فلاں بن فلاں یسلم علیک یا رسول اللہ۔ جب آنحضرت کے سلام سے فاسخ ہو تو ایک ہاتھ کی حد تک دائیں جانب ہٹے اور کہے السلام علیک یا ابا بکر الصدیق یا صفی رسول اللہ و ثانیہ فی الغار جزاک اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیرا۔ السلام علیک یا عمر الفاروق الذی اعز اللہ بہ السلام جزاک اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیرا۔ اور اگر کسی نے سلام کہلا بھیجا ہے تو کہے السلام علیکم من فلاں بن فلاں۔ پھر اسی پہلی جگہ یعنی چاندی کی میخ کے روبرو آجائے اور پہلی طرح سے سلام عرض کرے آپ کے توسل و شفاعت اور استعانت میں نہایت ذلت و انکساری اور خشوع و خضوع بجالائے۔ بزرگان سلف سے منقول ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے نزدیک یہ آیت پڑھے کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتُہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اس کے بعد شتر مرتبہ صلی اللہ علیہ وسلم علیک یا محمد پڑھے تو

ایک فرشتہ آسمان سے آواز دیتا ہے، صلی اللہ علیک یا فلاں، آج کے دن تیری کوئی ایسی حاجت باقی نہیں رہے گی جو پوری نہ ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں چونکہ آنحضرتؐ کو نام لے کر پکارنا منع ہے۔ اس لئے اگر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہے تو اچھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یا نبی اللہ کہے تو بہت ہی مناسب ہے۔ بنظم قرآنی اس کے بعد پھر اوپر کی جانب آئے اور قبر شریف واستوانہ کے درمیان رُو بقبلہ اس طرح سے کھڑا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی جانب پیٹھ نہ ہو۔ حمد و ثنا و دعا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام میں مشغول ہو و صنف شریف میں بہ نیت تبرک منبر کے پاس آئے چونکہ منبر آپ کی جائے نشست پر تعمیر کیا گیا ہے لہذا دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کیونکہ اس مقام پر دعا مقبول ہوتی ہے۔

فصل۔ مدینہ منورہ میں قیام اور اس کے آداب کا بیان۔ اس شہر محترم میں قیام کو غنیمت سمجھے اور ساری کوشش مسجد کے اعتکاف اور اس کی صحبت میں صرف کرے۔ وہاں کی حاضری میں ہر طرح کے کار خیر و نیکیاں اور صدقات نیز اپنے اوقات کو صوم و صلوٰۃ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود میں مصروف رکھنا لازم سمجھے۔ عبادت کا مسجد کے اس حصے میں مخصوص رکھنا جو زمانہ نبوت میں تھی بلاشبہ افضل ہے۔ اگر مسجد میں رہے تو حجرہ شریف سے نظر نہ ہٹائے۔ اگر مسجد کے باہر ہو تو قبہ شریف پر نہایت خشوع و خضوع سے نظر رکھے کہ اس کا حکم مستحکم ہونے میں مثل خانہ کعبہ دیکھنے کے ہے جو نورانیت و ذوق قبہ شریف کی طرف شہر سے باہر دیکھنے میں عاشقان مشتاق پاتے ہیں۔ اس کا ادراک انہیں پر موقوف ہے۔ تخریب میں نہیں آسکتا۔ حتی الامکان اگرچہ ایک ہی رات ہو مسجد شریف میں شب بیداری کرے۔ اس لئے کہ اس رات کی قدر شب قدر سے کم نہیں ہے بلکہ زیادہ ہے۔ اگر اس کے حاصل کرنے میں خدام یا حکام سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہو تو انکساری اور کوشش بلیغ کو اپنا شرف سمجھے۔ اس کے عوض میں اس دربار کے خدام سے کوئی سرکشی سرزد نہ ہو تو اس کو اپنی سعادت سمجھے۔ منجملہ آداب قیام شہر سے یہ ایک دوسرا

ادب ہے کہ وہاں کے باشندے ادائے ہوں خواہ اعلیٰ سب کو نظر عزت سے دیکھے۔ کیونکہ یہ لوگ ہر صورت میں اس دربارِ عالی سے نسبت رکھتے ہیں۔ اس رات میں (جو تمام عمر میں ایک رات ہے) سب سے بڑا کام یہ ہے کہ آنجناب عرش مآب پر درود بھیجنے میں مشغول رہے۔ اگر نیند غلبہ کرے تو اس مقام کے جمال و عزت کا خیال کر کے دفع کر دے۔ مصرع

ذوقِ ایس می نشناسی بخدا تا بخشی

حاشا و کلا خواب و خیال مشتاقانِ جمال کے دیدہ و دل پر غلبہ نہیں پاسکتے۔ اور جس کسی کو یہ رات مل جائے تو مہجورانِ مشتاق کو نہ بھولے اگر اپنی خبر رہے تو اس دیوانے کو بھی دعا میں یاد رکھے۔

یہ بھی اس مقام شریف کے ادب میں سے ہے کہ مسجد میں داخل ہو جانے کے بعد سے نکلنے کے وقت تک اپنے دل و زبان اور اعضا کو ان چیزوں سے محفوظ رکھے جو مکروہ اور خلاف ادب ہیں۔ ہمیشہ اس بات کا لحاظ و خیال رکھے کہ وہ کس دربار میں حاضر ہے۔ اس کو اپنا مقصود ظاہری و باطنی ٹھہرائے۔ اگر کوئی شخص مزاحمت کرتا ہے اور اس کے ساتھ بیٹھنا و کلام کرنا حضوری کے تعلق میں فتور ڈالتا ہے تو اپنے کو بلطائف الجیل اس سے علیحدہ کر لے۔

کلام مختصر کہ جس سے ضرورت رفع ہو جائے اسی کو واجب سمجھے۔ بعض عوام الناس مسجد میں کھجوریں کھاتے ہیں اور گٹھلیاں بھی دہیں ڈالتے ہیں۔ ایسا نہ کرے اس لئے کہ یہ فعل مسجد کے آداب سے بعید ہے۔ ثابت ہوا کہ مسجد میں تنہوڑی چیز ڈالنے سے بھی مسجد کو تکلیف ہوتی ہے۔ جیسے کہ آدمی کی آنکھ میں کوڑا کرکٹ پڑ جانے سے ایذا ہوتی ہے اس ادب کا تذکرہ آدابِ زیارت کی تصنیفات میں زمانہ قدیم کی عادت کے موافق تھا۔ اب تو اس کا وجود نہیں ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ممکن ہے مسجد میں کھجوروں کا ڈالنا اور اصحاب صفہ کا کھانا جو رسالت پناہی کے دربار میں مقیم تھے اس کو اس فعل کی سند خیال کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

مسجد میں آنے سے پہلے کسی خاص مقام پر روضہ شریف میں مصلے بچھا ہوا نہ چھوڑے۔ لوگوں پر جگہ تنگ نہ کرے۔ بلکہ اگر کسی مکان کی فضیلت حاصل

کرنے کا شوق ہو تو سب سے پہلے آئے۔ اور بیٹھے علما اس فعل کے مکروہ ہونے اور منع کرنے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ کراہیت ہی پر فتوے بھی ہے۔ اسی حکم میں یہ صورت ہے کہ صبح سے پہلے جب خدام حسب معمول مسجد شریف کا دروازہ کھولتے ہیں تو طالبین کی وہ جماعت جو وقت سے پہلے ہی دروازہ کھلنے کے انتظار میں دروازہ پر بیٹھی رہتی ہے۔ دروازے کے کھلتے ہی دوڑ کر صف اول میں جگہ حاصل کر کے جائزہ بچھا کر زیارت کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور مسجد میں داخلے کے آداب اور خاص کر اس مسجد شریف کے آداب جو مہکد ترین مستحباب سے ہیں چھوڑ دیتی ہے بلکہ بعض سادہ لوح مقام کو نعتیں کرنے کی حرص میں زیارت بھی ترک کر دیتے ہیں۔ اور اگر کرتے ہیں تو نہایت ہی عجلت سے نعوذ باللہ۔

مسجد میں نہ تھوکیں اس لئے کہ اس کے حرام ہونے کا فتویٰ ہے۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ تھوک کو دفن کر دینا اس کا کفارہ ہے اس کے متعلق سبکی جو اکابر علمائے شافعیہ سے ہیں کہتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ تھوک کا دفن کر دینا گناہ کے استمرار کو روک دیتا ہے لہذا اس وقت تک نہ یہ کہ گناہ کو دور کر دیتا ہے۔ جو قصہ کہ رسالہ قشربہ میں سلطان بایزید بطنامی قدس سرہ کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ بہت مشہور ہے کہ بایزید رحمتہ اللہ علیہ ایک آدمی کی ملاقات کو گئے ہوئے تھے۔ ناگاہ اس شخص نے مسجد میں تھوکا۔ آپ واپس ہو گئے اور اس سے ملاقات نہیں کی۔ یہ حکم تمام مسجدوں کے لئے ہے۔ چہ جائے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد جو تمام مساجد سے معظم ہے اور ہر حالت میں تھوکنے کے آداب میں سے ہے کہ بائیں پاؤں کی طرف تھوکے قبلہ کی طرف یا داہنی جانب سے پرہیز کرے۔

ختم قرآن میں، اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو کوتاہی نہ کرے۔ اگر ہو سکے تو ان کتابوں کا مطالعہ کرے کہ جن میں فضائل و سیرت حضرت سید کائنات کے بیان ہوئے ہوں۔ تلاوت کے ساتھ شامل کر لے یا جو شخص پڑھ رہا ہے اس کو سُنے تاکہ آنجناب کے اوصاف اور آپ کے فضائل شوق کو ابھاریں حضور اقدس پر صلوٰۃ و سلام کی خواہش قوی تر اور تازہ ہو جائے۔ اس شہر مبارک کے

قیام کی مدت کے دوران جس قدر ہو سکے عبادت کرے۔ روزہ بھی رکھے خصوصاً اُس حالت میں جب کہ مدتِ اقامت ٹھوڑی ہو سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بعد بقیع کی زیارت کرے جو آل و اصحاب و امہات المومنین و تابعین اور تبع تابعین و علما و صلحائے اُمت کا خوابگاہ ہے اور زیارت سید الشہدا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم اجمعین اور زیارت مسجد قبا نیز دیگر مساجد و کنوئیں اور تمام مقامات و نشانات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کو غنیمت سمجھے ان مقامات کے احوال و بیان پہلے گزر چکے ہیں لیکن اس جگہ کلام تو اس میں ہے کہ بقیع کی زیارت کو ہر دن بعد زیارت خاتم الانبیاء کے جائے یا فقط جمعہ کو جیسا کہ فی زمانہ لوگ کرتے ہیں۔ امام نووی اور ان کے متبعین تو کہتے ہیں کہ ہر روز زیارت کرے اور بعض علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زیارت قبورِ سنتِ موکدہ ہے اور یہ حکم ہر روز کے لئے شامل ہے۔ انتہائی درجہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن موکد ترین اور افضل ہے۔ جتنی مرتبہ قبر شریف کے نزدیک سے گزرے ہو اگرچہ مسجد سے باہر ہو کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام بھیجے۔ یہاں تک کہ اگر ایک دن میں چند مرتبہ گزرے ہو تب بھی ایسا ہی کرے۔

بیان کرتے ہیں کہ بزرگانِ سلف میں سے ایک شخص اس ادب کے ترک کرنے کی وجہ سے آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے خواب میں عتاب کئے گئے۔ جو شخص مسجد کے اندر ہو جتنی مرتبہ آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھے اس کے بعد بیٹھے اور اگر اُس جگہ بیٹھا ہے کہ روئے انور سامنے ہے تو تینوں مذاہب کے اعتبار سے زیارت کا قاعدہ ادا کرے لیکن امام مالکؒ کثرتِ زیارت کو مستحب نہیں کہتے۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کر دیا گیا ہے اور جمیع آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ تعظیم کا لحاظ و ہیبت اور استغراق و حضور و شوق و محبت و طاعت و عبادت اور تمام بھلائیوں کے حفاظتِ قلب و اعضا ظاہر و باطناً مدتِ قیام کو غنیمت سمجھنا مع اس بات کے اعتقاد کے کہ میری تمام عمر کا خلاصہ

یہی وقت ہے ان تمام چیزوں کو قابل طور پر بجالائے۔ لمحہ بھر کے لئے بھی آپ کی نسبت توجہ سے غافل نہ رہے۔ اور طلب کی تشنگی سے فارغ نہ ہو۔ اہل مدینہ کو اگر کسی معاصی یا بدعت میں دیکھے تو ان کی عیب جوئی نہ کرے نہ ان کو حقیر سمجھے اس لئے کہ وہ دیارِ محبوب کے رہنے والے ہیں اور اس دربار سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثنوی میں مولانا رومی فرماتے ہیں کہ کسی نے مجنوں سے کہا تو کتنا بے وقوف ہے کہ کتے کا منہ چوم رہا ہے کہ یہ کتنا پلید کہلاتا ہے جو اپنی مقعد کو چاٹتا ہے تو اس نے کہا کہ ادھر آ کتے کو میری آنکھ سے دیکھ کہ یہ تو کو چہ لیلیٰ کی پاسبانی کرتا ہے اس کے عیب پر تو میری نظری نہیں پڑتی۔ اور حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے اوپر نیک گمان رکھے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے سوائے درگزر و پہلوئی کے کوئی اور بات جائز نہ سمجھے تم کو نیک گمان رکھنا چاہیے۔ حق کو اہل حق کے سپرد کر دو۔ اور شفاعتِ محمدیہ کیا اہل بیت نبوت کی جناب میں کارگر نہ ہوگی جن کی طہارت کا خود دربارِ خداوندی میں لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہ اور کس موقع پر کام آئے گی۔ بعض مشائخ نے تو اس آیت سے یہ سمجھا ہے کہ کوئی اہل بیت نبوت میں سے اس وقت تک دنیا سے نہیں جاتا جب تک کہ وہ نجاستِ باطنی سے پاک نہ ہو جائے یہ بعض علمائے مکہ کے اس مضمون کا ترجمہ ہے جو آدابِ زیارت میں کتب تصنیف کی گئی ہے اور سید سہنودی وغیرہ کا کلام بھی اس کے موافق ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بڑے بڑے مشاہد و مساجد کی زیارت سے فارغ ہو کر وطن کی واپسی کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ مسجد نبویؐ میں رخصتی کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر یا اس کے قریب ہی نماز و دعا میں مشغول ہو۔ اس کے بعد روضہ مقدس کی زیارت آدابِ زیارت کے موافق ادا کرے۔ اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے دونوں جہان کی سعادت طلب کرے اور پروردگار سے قبولِ زیارت نیز اپنے اہل و عیال میں سلامتی سے پہنچنے کی دعا کرے۔ پھر اس دعا کو پڑھے۔ اللھم انالسنک فی سفرنا هذا البر والتقوی ومن العمل ما تخب وترضی اللھم لا تجعل هذا اخر العہد بنیک ومسجد

وحرمة وليس العود اليه والعكوف لديه واسر زقنى العفو والعافية
 فى الدنيا والاخرة وردنا الى اهلنا سالمين غانمين امين۔ ایسے
 وقت میں گریہ وزاری کا غلبہ ہو تو یہ علامت قبولیت کی ہے۔ بلکہ ہر حالت میں گریہ
 وزاری درلجہ شوق و علامت اُمید واری سے ہے۔ اگر رونانہ آئے تو تکلف سے
 رووے جو رمضان میں رقت پیدا کریں ان کا تصور کرتے تاکہ رونا آجائے کیونکہ اس مقام
 پر رونا دینا وہ کسی طرح سے بھی ہو قبولیت کی علامت ہے۔ اگر محبت اور دوستی کا کچھ
 بھی علاقہ ہے تو تکلف کرنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ خود بخود رونا آجائے گا اس کے بعد
 اس دربار شریف اور مقامات متبرکہ کے چھوٹنے پر روئے اور حسرت کرے۔ منعم روزمرہ
 کی رفتار سے رخصت ہو کیونکہ اُلٹے پاؤں چلنا رخصتی کے آداب زیارت سے نہیں ہے۔
 بخلاف خانہ کعبہ کی رخصتی کے کہ وہاں پر رخصتی کے وقت جب تک مسجد کے باہر نہ ہو
 اُلٹے پاؤں چلنا سنت ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خانہ کعبہ کو
 رخصت کیا تو آپ سے اسی طرح منقول ہے لیکن کسی جگہ یہ ثابت نہیں ہے کہ اصحاب آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل سے رخصت ہوتے وقت ایسا کرتے تھے واللہ اعلم۔

لازم ہے کہ رخصت ہوتے وقت جس قدر ہو سکے صدقہ کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔
 اکثر علماء کہتے ہیں کہ مدینہ اور مکہ کی خاک۔ اینٹ ٹھیکری و پتھر نہ اٹھائے۔ علمائے حنفیہ
 اور بعض شافعیہ جائز بھی کہتے ہیں۔ بہر صورت اگر تحفہ (مثل پھل دیپائی وغیرہ کے)
 جس سے اہل وطن کو خوشی ہوئے تکلف ہمراہ لے تو بہتر ہے۔ سفر سے اہل و عیال کے لئے تحفہ
 لانا صحیح خبروں سے ثابت ہے۔ لوٹتے وقت سفر سے لوٹنے کے جو آداب ہیں ان کا
 لحاظ رکھے۔ جب اپنا شہر نظر پڑے تو یہ دعا پڑھے اللہم انی اسألك خیرها و
 خیر اهلها و خیر ما فیها و اعوزک من شرها و شر اهلها و شر ما فیها
 اللہم اجعل لنا بها قراہ اور زقا حسنا

لا اِلهَ اِلا اللہ و احدہ لا شریکَ لہ لہ المَلِک و لہ الحمد و هو علی
 کل شیئی قَدِیر اَیُّوُن تا یُّوُن عابدون ساجدون لہ ربنا
 حامدون لا اِلهَ اِلا اللہ و احدہ صدق وعدہ و نصر عیدہ و هنر مم
 الا حزاب و حلدہ و اعز جندہ فلا شیء بعدہ۔

چاہیے کہ مکان میں داخل ہونے سے پہلے اپنی خیریت اور پہنچنے کی خبر گھر والوں کو پہنچا دے۔ مکان میں اچانک یارات میں داخل نہ ہو۔ بہترین وقت چاشت کا ہے۔ یارات سے پہلے دن کے آخری حصہ تک۔ اگر مکروہ وقت نہ ہو تو گھر میں جانے سے پہلے محلہ کی مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرے اور سلامتی سے پہنچنے کا شکر یہ ادا کرے پھر کہے الحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات۔ جو شخص ملے اس سے مصافحہ کرے۔ اگر معاف نہ کرے تو یوں بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ ملنے والا مرد نہ ہو۔ نقل ہے کہ سفیان ابن عیینہ جو امام شافعی کے شیخ ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے امام مالکؒ نے اُن سے مصافحہ کیا اور کہا کہ اگر بدعت نہ ہوتا تو میں معاف بھی کرتا۔ سفیان نے کہا کہ معاف اس ذات نے کیا ہے جو ہم سے اور تم سے بہتر تھے۔ جعفر رضی اللہ عنہ جب ملک جلتہ سے آئے تھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کیا تھا اور بوسے دے تھے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ جعفر کے لئے مخصوص تھا۔ سفیان نے کہا کہ نہیں بلکہ عام ہے۔ ہمارا اور جعفر کا ایک حکم ہے۔ بشرطیکہ نیک لوگ ہوں۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم آپ کی مجلس میں حدیث بیان کریں۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہاں اجازت ہے۔ سفیان نے مع سند کے حدیث بیان کی ہے امام مالکؒ نے سکوت اختیار فرمایا اس مقام پر قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا سکوت فرمانا سفیان کے قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جب تک جعفر کے مخصوص ہونے کی دلیل نہ پائی جائے۔ قاضی عیاض کا کلام ختم ہو گیا اور معاقتہ کا جعفر کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل ایک حدیث ترمذی نے روایت کی ہے کہ زید بن حارثہ سفر سے آئے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں اُسے کہ چادر مبارک گھسٹتی تھی آپ نے اُن سے معاف کیا اور اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا اسی طرح سے بعض مالکیہ نے کہا ہے۔ اگر کوئی عالم یا نیک یا شریف آدمی ملے تو ہاتھ کا بھی بوسہ دینا جائز ہے۔ اور سنت ہے۔ چھوٹے بچہ کا منہ چومنا لڑکا ہو یا لڑکی اگر چہ غیر کا بچہ ہو جائز ہے۔

گھر میں آئے تو دو رکعت نماز ادا کرے۔ خداوند کریم کا شکر اور حمد و ثنا ادا کرے اور دعا کرے۔ اہل و عیال کی حالت دریافت کرنے کے بعد باہر نکل آئے۔

گھر کے قریب کسی جگہ یا مسجد وغیرہ میں بیٹھئے تاکہ لوگ اس سے ملنے کو آئیں اور جو شخص ملے اُس سے نہایت خندہ پیشانی لطف و مہربانی اور تعظیم سے پیش آئے اس کے لئے دعا کرے خصوصاً شہر میں داخل ہونے سے پیشتر اس لئے کہ مسافر کی دعا خاص کر حاجی کی دعا شہر میں داخلے سے پہلے مقبول ہوتی ہے۔ اگر کوئی نا جائز بات ہو جیسے دفن یا مزار میر بجانا جو اہل زمانہ مسافر کے آنے پر کرتے ہیں تو اس کو منع کر دے۔

جمع آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سفر مبارک کے واپسی کے بعد تہجد بد تو بہ اور تقویٰ لازم سمجھے۔ ظاہر و باطن کی خوبی کی تحصیل میں کوشش کرے اس لئے کہ کھتے ہیں حج مقبول کی علامت یہ ہے کہ حج کرنے کے بعد کی حالت حج کے پیشتر سے بہتر ہو اس کی علامت یہ ہے کہ سنت کی پیروی کی خواہش زیادہ ہو اور دنیا کی محبت کم ہو۔ آخرت اور اہل آخرت کی محبت زیادہ ہو۔ افسوس ہے اس پر کہ واپس ہو کر پھر گناہوں میں مبتلا ہو اور اگر کسی کار خیر میں خدا سے وعدہ کر لیا ہے تو اس کی رعایت لازمی جانے۔

ستر ہواں باب ^(۱۷)

جناب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے

اور اُس کے فضائل کا بیان

فصل۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے فضائل بے شمار ہیں جو قلم و زبان سے ادا نہیں کئے جاسکتے تاہم بعض علماء اور حفاظ حدیث نے اُن سب کو جو احادیث صحیح سے ثابت ہوئے ہیں اور ان حضرات کو سند پہنچی ہے تحریر کر دیا ہے بعض تو اہل صلوٰۃ کے نتیجہ ہیں اور بعض کسی عدد خاص پر مترتب ہوتے ہیں۔ بعض کسی کیفیت خاص کے ثمرات ہیں اور بعض وقت معین سے مخصوص ہیں۔ بعض کسی مخصوص حالت سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے کچھ اس کتاب میں لکھے جاتے ہیں

واللہ الموفق۔

سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ پر درود بھیجنے کے فوائد میں سے اول حکم الہی کی فرماں برداری ہے۔ صلوٰۃ و سلام بھیجنے میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی موافقت ہے مضمون آیہ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا دس رحمتوں کا حاصل ہونا دربار خداوندی سے اور دس درجہ کا بلند ہونا۔ دس نیکیاں نامہ اعمال میں لکھی جانا۔ اور دس گناہوں کا محو ہونا۔ بعض احادیث میں دس غلام آزاد کرانا اور بیس غزوات میں شریک ہونے کے برابر بھی آیا ہے۔ مقبول ہونا دعا کا۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا واجب ہونا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہادت دینا۔ اور قرب نبویؐ کا حاصل ہونا۔ دوسرے لوگوں سے پہلے قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا۔ آنحضرتؐ کا اس شخص کے تمام کاموں کا قیامت کے دن متولی ہونا اور مقاصد کے لئے کافی ہونا۔ تمام ضروریات کا پورا ہونا۔ تمام گناہوں کا بخشتا جانا۔ اور تمام بُرائیوں کا کفارہ ہونا ایک قول میں فرائض قضا شدہ کی جانب سے بھی کفارہ ہوگا۔ صدقہ کے قائم مقام ہونا بلکہ ایک قول میں صدقہ سے افضل اور سختیوں کا کھلنا۔ مرضوں کی شفا۔ خوف و گھبراہٹ کا قریب نہ آنا۔ مہتمم کی برائت کا اظہار۔ دشمنوں پر فتح۔ آپؐ کی محبت اور رضا سے الہی کا حاصل ہونا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرشتوں کا رحمت بھیجنا۔ صفائی اور زیادتی عمل و مال کی۔ طہارت ذات۔ صفائی قلب کی تمام کاموں میں فالخ البال ہونا۔ برکات حاصل ہونا حتیٰ کہ اسباب اولاد اور اولاد الاولاد چار پشتوں تک۔ قیامت کے خوفناک مناظر سے نجات بکرات موت کی آسانی۔ دنیا کی ہلاکتوں اور زمانہ کی تنگیوں سے چھٹکارا۔ بھولی ہوئی چیزوں کی یاد دلانے والی۔ محتاجگی دور کرنے والی۔ حاجتوں کو نیست کرنے والی۔ بخل اور ظلم کی قسموں سے سلامت رکھنے والا۔ آپؐ کی بددعا سے بچنے والا اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے تو بخیل ہے۔ گویا آنحضرتؐ پر ظلم کیا اس پر بددعا کی جاتی ہے۔ مجلس کو خوش کرنا رحمت کا جوش میں لانا ہمنشینوں کے لئے۔ پُل صراط پر گزرتے وقت نور کی زیادتی اور اس مقام پر ثابِت قدمی۔ پُل صراط سے طرفہ العین میں نجات پانا بخلاف اُس

شخص کے جو سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا تارک ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ درود پڑھنے والے کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش ہوتا ہے محبت کا زیادہ ہونا جس کا خاصہ شوق کو ابھارتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں کا قلب میں جمع ہونا اور آپ کا لفظ آنکھ میں کھنچ جانا خاصہ کثرتِ صلوٰۃ کا ہے۔ محبت کرنا آنحضرتؐ اور مومنین کا درود پڑھنے والے سے محبت کرنا۔ قیامت کے دن درود پڑھنے والے سے آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کا مصافحہ کرنا۔ آنحضرتؐ کے دیدار سے خواب میں مشرف ہونا۔ ملائکہ کا محبت کرنا اور مرحبا کہنا درود پڑھنے والے کے لئے درود شریف کا سونے کے قلموں سے چاندی کے کاغذوں پر لکھا جانا درود پڑھنے والے کے لئے فرشتوں کا بھلائی کے لئے دعا کرنا۔ جو ملائکہ گشت میں رہتے ہیں۔ ان کا کام دربارِ رسالت میں درود پہنچانا ہے۔ اس طرقت پر کہ فلاں بن فلاں نے درود بھیجا ہے۔ مثلاً جیسے کمترین بندگان عبدالحق بن سیف الدین سلام کرتا ہے۔ یا رسول اللہ یا جیسے ادنیٰ خادم عرفان علی بن امجد علی بریلی کا رہنے والا آپ کو سلام بھیجتا ہے یا رسول اللہ۔

اور سب سے بڑا فائدہ آپ کے جواب سے مشرف ہونا ہے جو طریقہ دائمی آنحضرتؐ کا ہے اس سے بڑھ کر کون سی سعادت ہوگی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے خیر اس شخص کے شامل حال ہو اگر یہ تمام عمر میں ایک ہی بار حاصل ہو جائے تو لاکھوں کرامات کا ذریعہ اور خیر و سلامتی کا نتیجہ ہے۔ اس سعادت کا حاصل ہونا یقینی ہے۔ شبہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے اس لئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حقیقتاً ثابت ہوگئی اور سلام کا جواب دینا سنت بلکہ قریب فرض کے ثبوت کو پہنچا ہے مع کمالِ تاکید آنحضرتؐ کی اس سنت کے ادا کرنے پر جس طرح پر کہ آپ کی عادت کرمیہ تھی۔ نقل ہے کہ آپ سلام کرنے میں سبقت فرمایا کرتے تھے تو سلام کے جواب میں آپ سابق تر ہوں گے اس بات سے ایک دوسرا بار یک ترکلت معلوم ہوا کہ زیارت کرنے والا آنحضرتؐ کی زیارت کے وقت آپ پر سلام عرض کرنے سے پیشتر آپ کی جانب سے سلام سے مشرف ہو چکا ہے تو سلام کرنے کے بعد سلام کے جواب سے بھی مشرف ہوتا ہے

اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ تین روز تک فرشتے صلوٰۃ و سلام بھیجنے والے کے گناہ لکھنے سے باز رہتے ہیں اور لوگوں کو اس کی غیبت کرنے سے منع کر دیتے ہیں۔ قیامت کے دن عرش کا سایہ ملے ہوگا۔ اور ترازو کے عمل میں اس کا تمام عمل وزنی ہوگا۔ پیاس سے بے خوف ہوگا۔ جنت میں کثرت سے بی بیوں ملیں گی۔ مصالح دنیا و آخرت میں دانائی اور ہدایت حاصل ہوگی۔ آنحضرتؐ پر صلوٰۃ بھیجنا ذکر الہی اور شکر باری کو بھی شامل ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا حق پہچاننا اس کا اقرار کرنا ان نعمتوں کے حقوق ادا کرنے کا عجز ظاہر کرنا اپنے مقصد اور سوال کے لئے ذریعہ حق سبحانہ تعالیٰ کے دربار میں اور اللہ کے حبیب کی تعریف کرنا۔ آپ کی عظمت و شان ظاہر کرنا۔ کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ عز و جل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال و طلب کو بندہ سے پسند کرتے ہیں۔ جب بندہ نے اپنا سوال اور رغبت خدا و رسولؐ کے ذریعہ سے کیا ہے اور اس کو اپنے نفس پر فضیلت دی ہے تو یقیناً جزائے کامل کا مستحق ہوگا۔ یہ عجیب و غریب نکتہ اور فائدہ ہے۔ باللہ التوفیق۔

صلوٰۃ کے ضمن میں ذکر الہی کا حاصل ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ اس کلام میں اکثر الفاظ درود شامل ہونے کے ساتھ خطاب کا رُخ دربار الہی سے ہے اللہم سے جو آئینہ ہے جمیع اسماء اور صفات باری کے تذکرہ کا۔ جن بصری رضی اللہ عنہ اور علاوہ ان کے دوسرے بزرگوں سے روایت ہے کہ جس شخص نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو اللہم کے لفظ سے یاد کیا گو یا تمام اسمائے حسنہ کے ساتھ یاد کر لیا۔ اب مومن صادق اور مشتاق محب پر لازم آتا ہے کہ اس عبادت کی کثرت اور دوسرے اعمال پر فضیلت دینے میں کوتاہی نہ کرے جتنا بھی ہو ایک تعداد مخصوص میں جس پر آسانی سے ہمیشگی ہو سکے ہر روز کا وظیفہ کر لے بہتر تو یہ ہے کہ ہزار سے کم نہ ہو۔ اگر نہ ہو سکے تو پانچ سو پر اکتفا کرے یہ بھی نہ ہو سکے تو سو سے کبھی کم نہ کرے بعض نے یثن سو کو پسند کیا ہے اور بعض حضرات نے دو سو بعد نماز صبح و شام مقرر کیا ہے۔ سونے وقت بھی کچھ درود شریف کا وظیفہ مقرر کر لینا چاہیے۔ جب کوئی مومن کثرت سے درود شریف کی عادت کرتا ہے تو پھر اس پر آسان بھی ہو جاتا

ہے۔ بعض درود ایسے ہیں کہ ایک ہزار کی تعداد پوری کرنی بہت آسان ہے جب درود شریف کی لذت و شیرینی طالب کی روح کو پہنچتی ہے تو اس کی روح کا قوام اور قوت قوی ہو جاتی ہے اس مومن پر تعجب ہے جو اپنے شب و روز میں سے ایک ساعت بھی اس عبادت میں صرف نہ کرے جو جملہ اوار و برکات کا سرچشمہ ہے۔ ملاحظہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس شخص کے لئے جس نے عرض کیا تھا اجعل لک صلوتی کلمہ اذن یکفی ھمک ترجمہ (کہ میں ہر وقت آپ پر درود پڑھا کروں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اب تیرے غموں کے لئے کافی ہے)۔

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر مجھ کو خلاصی ملے ذکر الہی سے تو میں درود بھیجنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی کل عبادت کر لوں۔ حضور کا فرمان بالا اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول فضائل درود کے سلسلے میں کافی ہیں۔ اہل سلوک کے لئے درود شریف فتوح عظیمہ اور عطایا کے شریفہ کا ذریعہ ہے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جب شیخ کامل تربیت کرنے والا نہ ملے تو طالب کا درود شریف کو اپنے لئے لازمی اور قطعی قرار دے لینا اس کی رہبری اور رہنمائی کو کافی ہو گا جو اس کی توجہ بارگاہ ایزدی کی طرف تعلیم و آداب نبویہ اور تہذیب و اخلاق محمدیہ سے کرے گا۔ اس کی ترقی کمال اعلیٰ درجہ پر ہو گی۔ فضیلت کے مقام کی حصولیابی دربار الہی کی بازیابی اور بارگاہ رسالت کی قربت سے بھی مشرف ہو گا۔ بعض مشائخ نقل ہو اللہ احد کے درود اور درود شریف کی کثرت پر تاکید فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قل ہو اللہ کے پڑھنے سے ہم نے خدائے واحد کو پہچانا اور کثرت درود سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں سر ہوئی۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت پر کثرت سے درود شریف پڑھے وہ آپ کو خواب یا بیداری میں ضرور دیکھے گا۔ اسی طرح شیخ کامل امام علی متقی نے حکم البکیر میں شیخ احمد بن موسیٰ منتشرع صوفی سے نقل کیا ہے اور بعض مشائخ متاخرین شاذلیہ نے بھی فرمایا ہے کہ جس زمانہ میں اولیائے مرشد نہ ملیں تو طریق سلوک و معرفت قرب الہی حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ اتباع شریعت کرتے ہوئے مداومت ذکر و کثرت درود شریف کی کرے۔ درود شریف سے باطن میں ایک عظیم نور پیدا ہو گا۔ جس کے ذریعہ

سے راستہ معلوم ہو گا اور آنحضرتؐ سے بلا واسطہ فیض حاصل ہو گا۔ طریقہ شاذلیہ جو طریقہ قادریہ کا ایک شعبہ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دربارِ نبویؐ سے بے واسطہ بندریہ متابعتِ شریعت مع مداومت حضورؐ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم فیض حاصل کیا جائے۔

فصل۔ سخاوی اور دوسرے محدثین بیان کرتے ہیں کہ محمد بن سعد بن مطرف سوئے سے پہلے درود شریف کا ایک تعداد معینہ میں وظیفہ کیا کرتے تھے۔ ایک ایت آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں کہ اُن کے گھر میں تشریف لائے ان کے مکان کو نورِ جمال سے منور فرمایا اور کہا کہ اپنا منہ سامنے لاتا کہ اس کو بوسہ دوں۔ اس لئے کہ تو درود بہت پڑھتا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے شرم آئی کہ میں حضورؐ کے سامنے اپنے منہ کو لے جاؤں۔ لیکن میں نے اپنے رخسارہ کو آنسورہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک کے سامنے کر دیا آپ نے میرے رخسارہ پر بوسہ دیا۔ جب میں بیدار ہوا میرا تمام مکان مشک کی خوشبو سے بھرا ہوا تھا۔ آٹھ روز تک میرے رخسارہ سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔ شیخ احمد بن ابی بکر بن ردادوفی محدث اپنی کتاب میں اور شیخ مجد الدین فیروز آبادی ان کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ اقلنسی نے بیان کیا ہے کہ ایک دن شبلی ابو بکر کے پاس آئے۔ ابو بکر ان کی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور معافہ کیا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ اے میرے آقا آپ شبلی سے ایسا معاملہ کرتے ہیں حالانکہ آپ اور باشندگان بغداد ان کو مجنوں کہتے ہیں کہا کہ یہ میں نے از خود نہیں کیا مگر جس طرح سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا میں نے تو اس طرح کیا۔ میں نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ شبلی آپ کے پاس حاضر ہوئے آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو گود میں لے لیا پھر شبلی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے شبلی کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بعد نماز کے یہ آیت پڑھتا ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُمْ حَرِصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ۔ اس کے بعد مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ پھر وہ اپنی کتاب مذکور میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ

سے نقل کرتے ہیں کہ شبلی نے بیان کیا۔ میرے پڑوس میں ایک شخص انتقال کر گیا تھا۔ میں نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے تجھ سے کیا معاملہ کیا کہنے لگا کیا پوچھتے ہو بڑے بڑے خوفناک منظر میرے سامنے آئے۔ منکر نکیر کے سوال و جواب کا وقت تو مجھ پر نہایت دشوار ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرا خاتمہ شاید ایمان پر نہیں ہوا ہے۔ آواز آئی کہ دنیا میں تو نے زبان کو بے کار رکھا یہ سختی اس وجہ سے ہے۔ جب عذاب کے فرشتوں نے میری طرف قصد کیا تو ایک حسین شخص خوشبو میں معطر میرے اور فرشتوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ مجھ کو ایمان کی حجت یا دد لائی۔ میں نے کہا اللہ تجھ پر رحم کرے تو کون ہے اس نے کہا کہ میں وہ شخص ہوں جو تو نے کثرت سے رسول خدا پر درود پڑھا ہے۔ میں اسی سے پیدا کیا گیا ہوں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہر سختی اور بے چینی میں تیرا مددگار رہوں۔ کتاب مصباح النظم میں بھی شبلی اور ان کے پڑوسی کے بغیر اجمالاً ذکر کی گئی ہے۔ اور کتاب مذکور میں انہوں نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ اگر دنیا میں میری تعریف کرنے والے نہ رہیں تو ایک قطرہ بارش کا آسمان سے نہ بھیجوں اور ایک دانہ سبزی کا زمین سے نہ اگاؤں۔ اسی طرح سے بہت سی چیزیں ذکر کریں۔ یہاں تک کہ فرمایا اے موسیٰ کیا تم چاہتے ہو تم سے قریب تر ہو جاؤں۔ جیسا کہ تمہارا کلام تمہاری زبان سے قریب ہے یا جس طرح کہ دوسوہ تمہارے قلب کا تمہارے دل سے اور تمہاری روح تمہارے بدن سے اور تمہاری روشنی چشم تمہاری آنکھ سے۔

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں یہی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھا کر و تب تمہیں یہی نسبت حاصل ہو جائے گی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ اے موسیٰ کیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن کی تشنگی سے تم کو تکلیف نہ پہنچے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے الہی! الہی! ہی چاہتا ہوں حکم باری ہوا کہ محمد پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں اس کو روایت کیا ہے۔ اور اسی کتاب میں

ہے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ درود شریف گناہوں کو ایسا مٹانے والا ہے جیسا کہ آتش سوزاں کی حرارت کو پانی ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ اور سلام بھیجنا آنحضرتؐ پر غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔ اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد سے افضل ہے اس کو ابو القاسم اصبہانی نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں اور مجھ پر درود بھیجتے ہیں تو ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے ان کے اگلے اور پچھلے سب گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔ اس کو حافظ بن علی بشکوال نے روایت کیا ہے۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فریضہ حج ادا کرے اور اس کے بعد جہاد کرے تو یہ چار سو حج کے برابر ہے۔ اب وہ لوگ جو حج کی استطاعت اور جہاد کی قوت نہیں رکھتے تھے شکستہ دل ہوئے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھیجی کہ جو شخص آپ پر درود شریف بھیجے اس کا ثواب چار سو جہاد کے برابر ہو گا۔ اور جہاد چار سو حج کے برابر ہے۔ اس کو ابو حفص بن عبد المجید مبالشی نے مجالس المکیہ میں روایت کیا ہے اور اسی کتاب کی فصل احادیث میں خضر الیاس علیہم السلام کا قصہ لکھا ہے جس کو شیخ مجد الدین فیروز آبادی صحیح سند سے نقل کرتے ہیں کہ ابو المظفر محمد بن عبد اللہ خیام سمرقندی نے کہا کہ میں ایک دن مغارہ کعب میں راستہ بھول گیا تھا اتفاقاً ایک آدمی کو دیکھا کہ مجھ سے کہتا ہے میرے ساتھ آؤ۔ لہذا میں اس کے ہمراہ ہو گیا اور مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ خضر ہیں۔ میں نے دریافت کیا آپ کا کیا نام ہے۔ جواب دیا کہ خضر بن الشیا ابو العباس۔ ان کے ساتھ ایک دوسرے شخص کو بھی میں نے دیکھا ان کا نام دریافت کیا تو کہا کہ الیاس بن شام ہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحمت نازل فرمائیں کیا تم دونوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے وہ باتیں سنائیے جو آپ نے حضور سے سنی

ہوں۔ تاکہ میں آپ کی سند سے دوسرے لوگوں پر روایت کروں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جو کوئی کہے صلی اللہ علیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا دل تفاق سے پاک کیا جائے گا۔ جس طرح پانی کپڑے کو پاک کر دیتا ہے اور اسی سند سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی کہے صلی اللہ علیہ محمد اُس کے لئے رحمت کے ستر دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ اور اسی سند سے کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور کہے بسم اللہ الرحمن الرحیم صلی اللہ علی محمد تو حق تعالیٰ ایک فرشتہ کو اس بات پر موکل کرتا ہے کہ وہ تم کو غیبت سے باز رکھے اور جب وہ شخص مجلس سے اٹھے تو کہے بسم اللہ الرحمن الرحیم صلی اللہ علی محمد تو حق تعالیٰ لوگوں کو اس کی غیبت سے منع کر دیتے ہیں۔ اور اسی سند سے ہے۔ خضر الیاس علیہم السلام نے کہا کہ ایک آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملک شام سے آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے اور ضعیف ہو کر نا بنیا بھی ہو گیا ہے چلنے کی قوت نہیں جو یہاں آئے اور اس کی دل خواہش ہے کہ وہ آپ کے دیدار سے مشرف ہو۔ حضور نے فرمایا کہ اس سے کہہ دینا شب کو ایک ہفتہ تک صلی اللہ علی محمد کہا کرے، ہمیں خواب میں دیکھ لے گا۔ اور کہنا کہ مجھ سے اس حدیث کو روایت کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور آنحضرت کو خواب میں دیکھا۔ اور اس کو روایت کیا۔ اسی کتاب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر صلوٰۃ بھیجا کر د اور انبیاء پر بھی اس لئے کہ جس طرح حق سبحانہ تعالیٰ نے اُن کو بھیجا ہے اسی طرح مجھے بھی مبعوث فرمایا ہے۔ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔ اور کتاب دعوات الکبیر میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

النس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا سلمتم علی فسلموا علی المرسلین۔ اس کو ابن ابی عاصم نے بیان کیا۔ کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا

پاس آئے ان کی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جاری ہوا۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ستر ہزار فرشتے قبر مطہر آنحضرتؐ کے گرد آگردد آجاتے ہیں۔ اور صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو چلے جاتے ہیں اور دوسرا گروہ فرشتوں کا اسی تعداد میں آتا ہے اور جو انہوں نے کیا تھا یہ بھی کرتے ہیں۔ جس وقت تک کہ آپ قبر شریف سے نکلیں گے اس وقت تک یہی سلسلہ جاری رہے گا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس کو دارمی نے روایت کیا ہے۔ حکایت ہے کہ ایک آدمی طواف وسعی اور مناسک حج میں سوائے درود شریف کے کوئی دُعا نہ پڑھتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ دعا مانورہ کیوں نہیں پڑھتے۔ کہنے لگا کہ میں نے عہد کر لیا ہے کہ درود شریف کے ساتھ کوئی دُعا شریک نہ کروں گا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو میں نے دیکھا کہ ان کی شکل گدھے کی ہو گئی ہے۔ مجھے بہت صدمہ ہوا۔ جب میں سویا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا اور آپ کا دامن پکڑ کر اپنے والد کی شفاعت کے لئے عرض کیا۔ اور یہ بھی دریافت کیا کہ میرے باپ کی ایسی صورت کیوں ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص سود خوار تھا اور جو سود لینے والا ہے اس کا بدلہ دنیا و آخرت میں یہی ہوگا۔ لیکن چونکہ تیرا باپ روزانہ رات کو سوتے وقت سو مرتبہ ہمارے اُپر درود بھیجتا تھا۔ اس وجہ سے اس کی شفاعت کئے لیتے ہیں۔ جب میں بیدار ہوا میں نے اپنے باپ کا منہ دیکھا وہ مثل چودھویں رات کے چاند کے ہو گیا تھا۔ دفن کرنے وقت میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ تیرے باپ پر اللہ رب العزت کی یہ عنایت آنحضرتؐ پر درود شریف اور سلام بھیجنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بیان کرنے ہیں کہ بعض حدیث کے پڑھنے والوں کو خواب میں دیکھا کہ خدا رب العزت جل جلالہ نے ہم کو اور تمام اہل مجلس کو جو درود شریف اور سلام سننے تھے بخش دیا اور یہ اس وجہ سے بیان ہوا ہے کہ اس علم شریف کے پڑھنے والے آگاہ ہو جائیں کہ درود شریف کا قرأت سے پڑھنا لازم برکت ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کتاب جمع الجوامع کے دیباچہ

میں لکھتے ہیں کہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حفص بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ ابو زرعہ کو موت کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان دنیا پر ملائکہ کے ساتھ نماز میں امامت کرتے ہیں۔ میں نے کہا آپ نے یہ رتبہ کس جہ سے پایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے کئی ہزار حدیث نبوی کو لکھا ہے۔ اور ہر حدیث پر کہا ہے عن ابنی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے من صلی علی صلوٰۃ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے اور یہی بیان کیا ہے کہ بعض صلحاء میں سے کسی پر تین ہزار دینار قرض تھے۔ قرض خواہ نے قاضی کے یہاں نالش کر دی۔ قاضی نے مرد صالح کو ایک مہینے کی مہلت دے دی۔ وہ مرد صالح قاضی کے پاس سے آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دو دو پڑھ کر دربار الہی میں گریہ و زاری کرتے ہوئے محراب میں بیٹھ گیا۔ اسی مہینے کی ستائیسویں شب میں خواب دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ حق تعالیٰ تیرے قرض کو ادا کرتے ہیں تو علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس جا اور کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرا قرض ادا کرنے کے لئے تین ہزار دینار دے دے۔ مرد صالح کہتے ہیں جب میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے اندر خوشحالی کے آثار پائے لیکن اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر وزیر نے دریافت کیا کہ اس واقعہ کی علامت کیا ہے تو میں کیا کہوں گا۔ میں یہ سوچ کر اس دن وزیر کے پاس نہیں گیا۔ دوسری رات پھر آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے جو کچھ شب اول میں ارشاد کیا تھا وہی دوبارہ فرماتے ہیں میں نہایت خوشی میں بیدار ہوا لیکن یہ مقتضائے بشریت آج بھی علی بن عیسیٰ کے پاس نہیں گیا۔ تیسری رات پھر دیکھا کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جانے کا سبب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اس واقعہ کی سچائی میں کوئی علامت چاہتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے میری اس بات پر تحسین فرمائی اور ارشاد کیا کہ اگر تم سے علامت دریافت کریں تو کہہ دنیا کہ تم ہر روز نماز فجر سے طلوع آفتاب تک کسی سے کلام کرنے سے پہلے پانچ ہزار بار تحفہ درود شریف ہمارے پاس بھیجتے ہو جس کو خداوند تعالیٰ اور کراما کا تبین کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ میں وزیر کے پاس گیا۔ اور ان کے سامنے خواب کا قصہ بیان کیا نیز جو علامت حضورؐ نے فرمائی تھی

وہ بھی کہہ دی۔ اس پر وہ بہت خوش ہوا۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو مرحبا ہو۔ تین ہزار دینار میرے پاس لائے اور کہنے لگے کہ یہ اپنے قرض کی ادائیگی میں دینا اور تین ہزار اور دے کہ یہ اپنے عیال میں خرچ کرنا اس کے علاوہ تین ہزار پھر دے کہ اس کو تجارت میں لگاؤ۔ اس کے بعد مجھے قسم دی کہ یہ محبت کا تعلق مجھ سے ہرگز قطع نہ کرنا تمہیں جو ضرورت ہو اگرے مجھ سے لے جایا کرو۔ میں تین ہزار دینار لے کر قاضی کے پاس گیا۔ تاکہ اس کے سامنے ادا کروں۔ میں نے قرض خواہ کو دیکھا وہ مبہوت ہو کر قاضی کے پاس آیا۔ میں نے دینار شمار کئے اور سارا قصہ ان لوگوں کے سامنے بیان کر دیا۔ قاضی نے کہا کہ یہ کرامت وزیر کو کیوں دی جائے۔ اس قرضہ کو تیری طرف سے میں ادا کروں گا۔ قرض خواہ نے کہا کہ یہ بزرگی آپ کو کیوں دی جائے۔ میں زیادہ مستحق ہوں کہ تیری ذات کو اپنے قرضہ سے بری کر دوں۔ لہذا میں نے خدا و رسول کے لئے معاف کیا تو قاضی نے کہا کہ میں نے جو کچھ اللہ اور اس کے رسول کے لئے نکالا ہے اُسے واپس نہ لوں گا۔ میں وہ تمام مال لے کر مکان کو واپس آیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی مزید نعمت کا شکریہ ادا کیا۔ وللہ المنتہ و علی رسولہ الصلوٰۃ والتحیت۔

فصل۔ ہر وقت درود شریف کا پڑھنا افضل و مستحب ہے لیکن شبِ جمعہ اور جمعہ کے دن افضل و اولیٰ ہے۔ کیونکہ شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ بڑی فضیلت رکھتے ہیں اور ان دونوں اوقات کی فضیلت میں کثرت سے اخبار و آثار موجود ہیں۔ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ شبِ جمعہ شبِ قدر سے افضل ہے۔ اس لئے کہ نطفہ طاہرہ جو کل بھلائیوں کی اصل اور جملہ برکات کا مادہ ہے۔ اسی رات کو بطنِ آمنہ میں قرار پایا تھا۔ اور بعض دوسری خصوصیات بھی ہیں۔ جو اس کی شان میں آتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں آیا ہے افضل ایامکم یوم الجمعة فیہ خلق آدم و فیہ قبض و فیہ النفخة و فیہ الصعقة و اکثر راعی من الصلوة فیہ فان صلواتکم تعرض علیہ فادکم و تغفر و اہ الوداد و صحیحہ النوادر جمہ دونوں میں افضل دن جمعہ کا ہے۔ اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اسی دن میں انتقال فرمایا اور اسی دن میں صور پھونکا

جائے گا۔ اسی دن بے ہوشی ہوگی پس مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کر و جمعہ کے دن تمہاری درود مجھ پر پیش کی جاتی ہے اور میں تمہارے لئے دعا و استغفار کرتا ہوں۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے (آپ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کہ یہ دن خاص فضیلت رکھتا ہے۔ جو شخص اس دن مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ میرے سامنے پیش کر دی جاتی ہے اور میں اس کے لئے دعائے خیر کے ساتھ اُس کے گناہوں کی بھی مغفرت چاہتا ہوں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ فانہ یوم مشہود تشہد الملائکۃ۔ یعنی روز جمعہ وہ دن ہے کہ اس دن وہ فرشتے جو دربارِ خداوندی میں مقرب ہیں یہاں موجود رہتے ہیں۔ اور درود پڑھنے والے کی درود سن کر میرے پاس پہنچاتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے وہ عرش سے نیچے ٹھہرتی اور کوئی فرشتہ ایسا نہیں ہے جو اس درود پڑھنے والے پر صلوٰۃ نہ بھیجے دوسری حدیث میں آیا ہے اکثر و اعلیٰ من الصلوٰۃ فی اللیلۃ الغلّ و الیوم الاخر و فی روایۃ فی اللیلۃ الزہل و الیوم الاخر۔ یعنی بہ نسبت دوسرے دنوں کے مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کرو۔ شب روشن اور روز روشن میں۔ یہ کنایہ شب جمعہ اور جمعہ کے دن سے ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ شب جمعہ کی خصوصیات سے ہے کہ آنحضرتؐ خود بہ نفس نفیس صلوٰۃ و سلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ جو شخص آپ پر اس رات میں صلوٰۃ و سلام عرض کرتا ہے مفاخر الاسلام میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں من صلی علی فی لیلۃ الجمعة ماتہ صلوٰۃ قضی اللہ لہ ما حاجۃ سبعین حاجۃ من امور الدنیا و ثلاثین من الامور الاخرۃ۔ ترجمہ : (آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر شب جمعہ میں سو مرتبہ درود پڑھے۔ اُس کی سو حاجتیں پوری ہوں منجملہ اُن کے ستر حاجتیں دنیوی اور تیس حاجتیں آخرت کی، دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن ایک ہزار مرتبہ اس درود کو پڑھے جب تک اپنی جائے نشست بہشت میں نہ دیکھ لے گا دُنیا سے خالی نہیں اٹھایا جائے گا۔ درود یہ ہے اللہم صل علی محمد و آلہ الف مرۃ۔ سخاوی نے

نقل کیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے جو شخص دو ہفتہ ہر روز سات مرتبہ اس دُرود شریف کو پڑھے میری شفاعت اس کے لئے واجب ہے اللہم صل علی محمد و علی آل محمد صلواتکون لک رضا و لحقہ اداء و انتہ الوسیلة و المقام المحمود الذی وعدتہ و اجزہ عنا ما ہوا ہلہ و اجزہ عنا افضل ما جزیت نبیاً عن امتہ و صل علی جمیع اخوانہ من النبین و الصدیقین و الشہداء و الصالحین یا ارحم الراحمین۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے زید بن وہب سے کہا کہ جمعہ کے دن ہزار مرتبہ درود شریف کا پڑھنا ترک مت کرو اور یہ دُرود پڑھو اللہم صل علی محمد النبی الامی۔ کتاب مفاخر الاسلام میں سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من صلی علی یوم الجمعة ثمانین مرة غفرت ذلوبہ الثمانین سنۃ یعنی جو شخص مجھ پر جمعہ کے دن اسی مرتبہ درود شریف پڑھے اس کے ۸۰ برس کے گناہ معاف کئے جائیں۔ اور زمیری نے شرح منہاج میں نقل کیا ہے کہ حن حدیث میں آیا ہے جو شخص جمعہ کے دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ دُرود پڑھے گا اللہم صل علی محمد عبدک و رسولک النبی الامی و علی آلہ و اصحابہ وسلم تسلیما۔ تو اس کے اسی برس کے گناہ بخشے جائیں گے۔

مفاخر الاسلام میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنے مصلے سے اٹھنے سے پیغمبر خدا پر اسی مرتبہ درود پڑھے گا تو اس کے اسی برس کے گناہ معاف کئے جائیں گے اور حدیث میں ہے کہ خالد بن کثیر کے تکیے کے نیچے سے ان کی رُوح نکلنے سے پہلے ایک پھٹا ہوا کاغذ ملا جس میں لکھا تھا براۃ من النار لخالد بن کثیر۔ یعنی خالد بن کثیر کی نجات جہنم سے ہوگئی ان کے گھر والوں سے دریافت کیا کہ یہ کون سا عمل کرتے تھے جو یہ کرامت حاصل ہوئی لوگوں نے کہا ان کا یہ عمل تھا کہ ہر جمعہ کو ہزار مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود پڑھتے تھے۔

فصل۔ جس طرح سے رسول خدا پر شب جمعہ میں کثرت درود شریف افضل

ہے۔ اسی حکم میں شبِ دو شنبہ بھی جمعہ کے ساتھ شریک ہے اس لئے کہ دو شنبہ بھی متبرک دنوں میں سے ہے کیونکہ اس دن بندوں کے اعمال درگاہ رب العزت میں پیش کئے جاتے ہیں اسی وجہ سے اس دن ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اس دن بندوں کے اعمال دربارِ خداوندی میں پیش ہوتے ہیں تو میں محبوب رکھتا ہوں کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش کئے جائیں جو میں روزہ سے ہوں۔ احیاء العلوم میں بیان کرتے ہیں کہ جو شخص دو شنبہ کی رات میں چار رکعت نماز پڑھے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص گیارہ مرتبہ اور دوسری رکعت میں اکیس مرتبہ تیسری رکعت میں تیس مرتبہ چوتھی رکعت میں چالیس مرتبہ اور سلام پھرنے کے بعد پچہتر مرتبہ استغفار کرے اپنے اور اپنے والدین کے لئے پچہتر بار پھر درود پڑھے۔ رسول خدا پڑھیں بار۔ جو حاجت اللہ تبارک و تعالیٰ سے طلب کرے گا پائے گا۔ پچہتر مرتبہ کے دن درود شریف پڑھنے کے متعلق بھی ایک حدیث آئی ہے۔ مفاخر الاسلام میں بیان کرتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے من صل علی یوم الخمس مائة مرة لم یفتقر ابدا۔ ترجمہ: (جو شخص مجھ پر سو مرتبہ جمعرات کے دن درود شریف پڑھے وہ کبھی محتاج نہ ہوگا) فصل۔ کوئی شک نہیں ہے کہ درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقامِ خیر و برکت میں مستحسن اور مستحب ہے لیکن علمائے چند ایسے مقامات شمار کئے ہیں جہاں اس فضیلت کی استجاب بہت مؤکد ہے وہ سب میری نظر میں آچکے ہیں یہ چند مقامات ہیں جن کا ذکر کیا جاتا ہے۔

طہارت کے بعد خواہ تیمم ہو۔ نماز میں، تشہد کے بعد۔ شافعیہ کے نزدیک قنوت کے بعد بھی، نماز کے بعد۔ اذان و اقامت کے بعد۔ نیند سے اٹھنے کے بعد۔ ہتجد کے لئے وضو کے بعد۔ حمد کے بعد۔ ہتجد کے بعد۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت مسجد سے نکلتے وقت۔ جمعہ کے بعد۔ شبِ جمعہ میں خاص کر بعد نماز جمعہ۔ جمعرات۔ ہفتہ اتوار۔ مسجد کے پاس سے گزرتے وقت۔ اور ہر دن کے متعلق حدیثیں آئی ہیں۔ خطبوں میں۔ صبح و شام۔ سحری کے وقت۔ خطوط میں بسم اللہ کے بعد۔ عید کی تکبیر میں۔ شافعیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ میں۔ احرام میں تلبیہ کے بعد۔ صفا و

مردہ پر نہیل و تبکیر کے بعد۔ خانہ کعبہ دیکھنے کے وقت۔ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت۔ طواف کعبہ میں۔ آلتزام میں۔ حج کے مواقع میں۔ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کہ مخصوص اور اقرب و مستحب النوار و برکات کی ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) آثار نبویہ و دیگر مقامات دیکھنے کے وقت مثل قبۃ سبز گنبد۔ وادی بدر اور حبیل احد۔ خرید و فروخت کے وقت۔ وصیت نامہ کی تحریر کے وقت۔ ارادہ سفر میں۔ سواری پر سوار ہوتے وقت اور اترتے وقت۔ بازار چلنے اور آتے وقت۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ جس بازار میں لوگوں کا اثر دہام اور غفلت زائد دیکھتے تھے تو آپ حمد و صلوات کہتے ہوئے داخل ہوتے تھے۔ دعوت میں حاضری کے وقت اور لوٹتے وقت۔ گھر میں داخل ہوتے وقت جب کوئی حاجت پیش آئے۔ محتاجی کے خوف پر۔ جب غلام یا باندی بھاگ جائے۔ جب رنج و سختی اور طاعون ہو یا ڈوبنے کا خوف ہو جب کان میں آواز آنے کا مرض ہو۔ ذکر اللہ من ذکرنی بخیر۔ جب پاؤں سو جائے۔ چھینک کے وقت۔ جب بھولی ہوئی چیز یاد آجائے یا بھولنے کا خوف ہو۔ مولیٰ کھانے وقت چونکہ اس کے متعلق حدیث آئی ہے۔ برتن سے پانی پیتے وقت۔ گدھے کی آواز کے وقت۔ گناہ کے بعد تاکہ اس کا کفارہ ہو جائے۔ دعا کے اول و آخر میں۔ مسلمان اور دوست ہمراہی کی ملاقات کے وقت کسی محفل کے اجتماع کے وقت منتشر ہونے سے پہلے مجلس سے اٹھتے وقت تاکہ عینیت سے امن رہے۔ اور ہر محفل جو خدا اور شاعر اسلام کے لئے ہو۔ ختم قرآن کے وقت۔ حفظ قرآن کی دعا میں۔ ہر کلام غیر ممنوع کی ابتدا میں۔ تعلیم علم اور وعظ و حدیث پڑھنے کے اول و آخر میں۔ جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو۔ بعض علمائے مالکیہ نے مقام تعجب میں مکروہ رکھا ہے۔ جس طرح تسبیح و نہیل امر حرام کے وقت میں۔ لیکن جب ذکر کیا جائے تو یہ درود شریف کے لئے مستحب ترین اوقات شمار کئے جائیں گے۔

حدیث میں آیا ہے من صلی علی فی کتاب لہ تنزل الملائکۃ تستغفر لہ مادامہی فی الکتاب
اس حدیث کو بہت سے علمائے حدیث نے روایت کیا ہے لیکن اس کی سند

ضعیف ہے۔ ابن جوزی نے تو اس کو موضوع کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بخل کی وجہ سے صلوٰۃ کا لفظ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں لکھتا تھا اس کے ہاتھ میں مرض آکھ ہو گیا۔ یعنی ہاتھ سڑنا شروع ہو گیا اور ایک دوسرا شخص صلی اللہ علیہ لکھتا تھا وسلم نہیں لکھا کرتا تھا۔ حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے خواب میں چھڑکا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو چالیس نیکیوں سے کس واسطے اپنے آپ کو محروم رکھتا ہے یعنی لفظ وسلم میں چار حرف ہیں اور ہر حرف کے عوض میں دس نیکی ہیں۔ تو اس حساب سے اس لفظ کے ثواب میں چالیس نیکیاں ہوں گی اور اسی قبیل میں یہ بھی داخل ہے کہ بعض لوگ رمز و اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ جیسے بعض لکھتے والے صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت ص و م یا صلعم بنا دیتے ہیں۔ اور علیہ السلام کی طرف اشارہ عین و میم سے کرتے ہیں۔ و علیٰ ہذا القیاس۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو خواب میں دیکھ کر دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اور تمہیں کیسے بخش دیا۔ اس نے جواب دیا میں جب نام مبارک لکھتا تھا تو صلی اللہ علیہ وسلم بھی لکھ دیتا تھا اس لئے بخشش ہو گئی۔ کسی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ آپ نے جواب دیا مجھ پر رحمت کی اور میری مغفرت فرمائی۔ پھر مجھے بہشت میں لے گئے جیسے کسی دہن کو لے جاتے ہیں۔ مجھ پر موتی اور یا قوت نچھاور کئے جیسا کہ دہن پر کرتے ہیں۔ یہ سب انعام اس وجہ سے ہوا کہ جب میں نے ایک رسالہ لکھا تو کہا تھا صلی اللہ علی محمد عدد ما ذکرہ الذاکرون و عدد ما غفل عن ذکرہ الغافلون۔

فصل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے لئے درود شریف کی مداومت مع طہارت کے۔ درود کے لفظ یہ ہیں۔ اللھم صل علی محمد و آلہ وسلم کما تحب و ترضی۔ اور اس درود کی مداومت کے ذریعہ سے بھی یہ سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔

اللھم صل علی روح محمد فی الارواح اللھم صل علی جسدہ فی الاجساد اللھم صل علی قبرہ فی القبور۔ — مفاخر اسلام میں بیان کرتے ہیں جو شخص جمعہ کے دن ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھے اللھم صل علی محمد و آلہ وسلم۔ تو

سیدنا نام صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے گا یا اپنا گھر جنت میں دیکھے گا۔ اگر کچھ نہ دیکھے تو پانچ جمعہ تک اس عمل کو کرے۔ انشاء اللہ خوش کرنے والا خواب دیکھے گا۔ جو شخص شب جمعہ میں دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ آیت الکرسی اور گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص اور نماز کے بعد اس درود شریف کو سو بار پڑھے۔ اللہم صل علی محمدؐ والنبیؐ الامیؐ والہ وسلم تو سیدنا نام صلوات اللہ الملک العلم کو خواب میں دیکھے گا۔ اگر اس کے نصیب میں ہے تو انشاء اللہ تین جمعہ سے زائد نہ گزرے گا کہ دیدار سے مشرف ہوگا۔ یہ بعض فقرا کا مجرب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص شب جمعہ میں دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد قل هو اللہ احد پچیس بار اور بعد نماز کے ہزار مرتبہ درود شریف پڑھے صلی اللہ علی النبی الامیؐ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے گا۔ سعید بن عطا سے روایت ہے کہ جو شخص پاک بستر پر سووے اور سوتے وقت اس دعا کو پڑھے اور اپنے داہنے ہاتھ کو تنکے بنا کر سو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے گا۔ وعاہم فی اسئلك عجلال وجهک الکریم ان تربی فی منامی وجہ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم رویۃ تفر بہا عینی وتشرح بہا صدری وتجمع بہا شملی وتفرج بہا کربنی وتجمع بہا بلی و بلینہ یوم القیامۃ فی الدرجات العلی ثم لا تفرق بلی و بلینہ ابدا یا الرحمن الرحیم۔ اگرچہ اس طریق میں تحفہ صلوٰۃ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن اگر اس سعادت کا طالب اس دعا کو درود شریف کے بعد پڑھے تو یقیناً اتم واکمل ہوگا۔ اور بہت سے طریق بھی اس سعادت کے حاصل کرنے میں بیان کئے گئے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ آنسرد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں ظاہر و باطن سے متوجہ رہے۔ درود شریف کی کثرت کے ساتھ آپ کی دائمی توجہ رکھے واللہ الموفق۔

فصل۔ درود شریف کے وہ الفاظ جو احادیث میں آئے ہیں۔ کوئی شک نہیں ہے کہ ان کا پڑھنا اس اعتبار سے کہ وہ لفظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں افضل ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ تمام درودوں میں افضل وہ درود ہے جو التحيات کے بعد نماز میں پڑھی جاتی ہے اور وہ درود صحیح حدیثوں میں مخصوص کیفیتوں کے ساتھ آتی ہے۔ جس کا ذکر کیا جائے گا۔ ہر ایک حصول مقصد کے لئے کافی ہے۔ سب میں مشہور یہ درود شریف ہے اللہم صل آخر تک اور اللہم بارک آخر تک۔

بُسکی جو علمائے شافعیہ سے ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص التحيات کے بعد والی درود شریف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے بے شک اس نے اس طریقہ پر درود پڑھی جیسا کہ حکم کیا گیا ہے اور یقیناً اس نے وہ ثواب حاصل کر لیا جس کا اس درود شریف پر وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بہترین درود پڑھوں گا تو وہ اس قسم سے نماز والی درود شریف پڑھ دینے سے بری ہو سکتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درود پڑھنے والے کو چاہیے کہ احادیث صحیحہ میں کیفیات مخصوصہ جتنی آتی ہیں سب کو جمع کرے اور پڑھے تاکہ تمام الفاظ ماثورہ اور جملہ صیغہائے درود کا ثواب حاصل ہو اور وہ مجموعہ یہ ہے اللہم صل علی محمد عبدک ورسولک النبی الامی وعلی ال محمد وازدوا حمات المومنین ودریتہ واهل بیتہ مکا صلیت علی ابراہیم وعلی ال ابراہیم فی العالمین انک حمید مجید اللہم بارک علی محمد عبدک ورسولک النبی الامی وعلی ال محمد وازدوا حمات المومنین ودریتہ واهل بیتہ کما بارکت علی ابراہیم فی العالمین انک حمید مجید وکما یلیق بعظم شرئہ وکمالہ ورضاک عنہ وکما یحب وترضی لہ عدد معلوماتک وعداد کلماتک ورضی لنفسات وزنہ عن شک افضل صلواتک واکملہا واکتمہا کلما ذکر لی الذاکرون و غفل عن ذکرک الغافلون وسلم تسلیما کذا لک وعلینا معہم۔

اور شیخ کمال الدین بن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام کیفیات جو حدیث میں وارد ہیں وہ اس درود میں موجود ہیں۔ اللہم صل

ابدأ افضل صلواتك على سيدنا محمد عبدك ونبيك ورسولك
محمد وآله وسلم تسليما و زاد تشریفاً و تکریماً و انزلہ المنزلۃ
للقرب عندك يوم القيامة۔

ابن قیم جوزی حنبلی نیز بعضے علمائے شافعیہ کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ جتنے
لفظ آئے ہیں جدا جدا ہر ایک کو ایک خاص وقت میں پڑھے تاکہ جن لفظوں سے
وہ حدیث آئی ہے سب کا عامل ہو جائے۔ اور سب کو یکجا کر لینا اپنی مجبوری
صورت کے اعتبار سے ایک نئے درود کو ایجاد کرنے کو مستلزم ہے۔ جو کسی
حدیث میں وارد نہیں۔ انتہی بہر صورت بعض درود شریف جن کے الفاظ حدیث
شریف میں آئے ہیں یہاں پر ذکر کی جاتی ہیں وباللہ التوفیق۔

پہلی اللہم صل اور اللہم باریک آخر تک اس کو مسلم نے روایت کیا ہے
لیکن بعض روایتوں میں زیادتی ہے۔

دوسری اللہم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم انک حمید
مجید اللہم باریک علی محمد و علی آل محمد کما باریک علی ابراہیم انک حمید مجید۔
اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

تیسری اللہم صل علی محمد النبی الامی و علی آل محمد کما صلیت علی
ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ اس کو احمد بن حنبل نے
اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

چوتھی اللہم صل علی محمد و ازواجہ و ذریئہ کما صلیت
علی ابراہیم و باریک علی محمد و ازواجہ و ذریئہ کما باریک علی ابراہیم انک
حمید مجید۔ اس کو ابن ماجہ، مسلم، بخاری اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

پانچویں اللہم صل علی محمد عبدک و رسولک کما صلیت علی
ابراہیم و باریک علی محمد و علی آل محمد کما باریک علی ابراہیم و علی آل
ابراہیم انک حمید مجید۔ اس کو مسلم و بخاری اور نسائی نے روایت
کیا ہے۔

چھٹی اللہم اجعل صلواتک و برکاتک علی محمد و علی آل محمد

کما جعلتها على ابراهيم و"ال ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد و
على "ال محمد کما بارکت علی ابراهیم انک حمید مجید اس کو قاسم نے روایت
کیا ہے اور اسی طرح سے تلمانی نے اپنی مفاخر میں اس پر بیہ کی ہے۔

سأتوسى اللهم صل على محمد واهل بيته كما صليت على ابراهيم
انك حميد مجيد اللهم صل علينا معهم اللهم بارك على محمد واهل
بيته كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك علينا معهم
صلواتك الله ورسوله المومنين على محمد النبي الامى السلام علينا
ورحمة الله وبركاته۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

آکھویں اللہم صل علی محمد وعلی "ال محمد اس کو ابوداؤد نے
روایت کیا ہے۔

توسى اللهم صل على محمد النبي الامى وازواجه امهات المومنين
وذر بيته واهل بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد۔
ابوداؤد نے اس کو ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے لئے پورا پورا
وزن کیا جائے لازم ہے کہ جب ہمارے اوپر درود پڑھے تو یہ لفظ ہے۔

وسوى اللهم صل على محمد وعلی "ال محمد وبارك
على محمد وعلی "ال محمد کما صليت وبارک علی ابراهیم وعلی "ال ابراهيم حميد مجيد۔
اس کو نسائی نے روایت کیا ہے۔

گیا رھویں اللہم اجعل صلواتك ورحمتك وبارکاتك
على محمد و"ال محمد کما جعلتها على ابراهيم انك حميد مجيد
اس کو احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔

بارھویں اللہم صل علی محمد کما امرتنا ان نصلی علیہ وصل علیہ
کما ینبغی ان یصلی علیہ۔ اس کو شرف المصطفیٰ کے مصنف نے ذکر کیا ہے۔
تیرھویں اللہم صل علی محمد عبدک ورسولک النبى الامى الذى
امن بك وبكتابك واعطه افضل رحمتك وآت الشرف على خلقك يوم

القیامۃ واجزہ خیر الجزاء والسلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
 تنبیہ۔ جو درود کہ سلام کے ذکر سے خالی ہے اس میں یہ کلمہ ملا لے السلام
 علیک ایہا النبی الکریم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس لئے کہ صلوٰۃ
 کا ذکر بغیر سلام کے اکثر علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔ یہ مسئلہ ماخوذ ہے۔ اللہ
 تعالیٰ کے فرمان سے یا ایہا الذین امنوا صلو علیہ وسلموا تسلیما اگرچہ بعض علماء کو
 اس کی کراہت میں کلام ہے لیکن خلاف اولیٰ ہونا تو متفق علیہ ہے۔ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا تذکرہ جو بعض درودوں میں صلوٰۃ کے ساتھ
 نہیں فرمایا ہے وہ اس لئے ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بات کے جاننے
 والے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت آنحضرت کی خدمت
 میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ
 سیکھ لیا اس سے مراد وہ سلام ہے جو تشہد میں پڑھتے ہیں اب آپ کے اوپر
 صلوٰۃ کس طرح بھیجیں تو آپ نے فرمایا کہ پڑھو۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد۔ الحدیث۔
 اور اسی طرح محض سلام پر بس کر دنیا بھی مکروہ ہے یا خلاف اولیٰ ہوگا۔ اکثر عجمی
 مصنفوں کا قاعدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں علیہ السلام
 پر اکتفا کرتے ہیں۔ لیکن اہل عرب کی کتب میں یہ بات بہت کم ہے۔ جو مصنفین
 متقدمین میں ہیں اور متاخرین کا اتفاق ہو گیا ہے کہ وہ صلی اللہ علیہ وسلم
 لکھتے ہیں۔ یہ نہایت ہی مختصر اور مقصود کا ادا کر دینے والا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں
 کہ اختصار سے مراد علی آلہ کا ذکر کرنا ہے اور نہ اس کلمہ کو بولنے میں اور لکھنے
 میں زائد کر دنیا بہت اچھا اور اولیٰ ہے۔ جیسا کہ بعض نسخوں میں لکھا ہوا دیکھا گیا
 ہے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دُعا کرنا تمام آل و اصحاب اور جمیع
 مومنین کے لئے شامل ہے۔

فصل۔ افضل درود کے تعین میں علماء کے مختلف قول ہیں۔ یہ نہیں معلوم
 ہوتا کہ یہ اختلاف بوجہ وارد ہونے حدیث کے اس درود شریف کے متعلق ہے
 یا بوجہ شامل ہونے درود کی کیفیت و کیفیت مخصوص کے ہے۔ بعض زیارت کے
 رسالوں میں دس قول دیکھے گئے ہیں۔

قول اول۔ بہترین درود وہ ہے جو ہم نماز میں پڑھا کرتے ہیں۔
 قول دوسرا۔ اللہم صل علی محمد وعلی آل کلمہ الذکرین و
 کلمہ السہی عنہ الفافلون۔

قول تیسرا۔ اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما ہواہلہ۔
 قول چوتھا۔ اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما انت اہلہ۔
 قول پانچواں۔ اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد افضل الصلوٰت
 عدد معلو ماتک۔

قول چھٹا۔ اللہم صل علی محمد النبی الامی وعلی کل نبی و ملک ولی
 عدد کلماتک التامات المبارکات۔

قول ساتواں۔ اللہم صل علی محمد عبدک ونبیک ورسولک للنبی
 الامی وعلی ازواجہ وذریاتہ عدد خلقتک ورضی لنفسک وزنتہ
 عرشک و مداد کلماتک۔

قول آٹھواں۔ اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد صلوٰۃ دائمۃ بدوامک
 قول نوواں۔ اللہم بارک محمد و آل محمد صل علی محمد و آل محمد و
 اجز محمد اما ہواہلہ۔

قول دسواں۔ اللہم صل علی محمد وازواجہ امہات المومنین و
 دربیۃ و اہل بیتہ کما صلیت علی ابراہیم انک حمید مجید۔

فصل۔ حدیث میں آیا ہے کہ اذا صلیت علی فاحسنوا الصلوٰۃ یعنی جب
 درود پڑھو مجھ پر تو عمدہ درود شریف پڑھو۔ بعض مفسرین نے وقول للناس حسناً
 کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ناس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور حسناً
 سے مراد درود شریف ہے۔ اور سدی جو علمائے تفسیر سے ہیں صحابہ وغیرہ کی
 ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ قوت بیانیہ عطا فرمائیں اور
 وہ شخص اس قوت سے صلوٰۃ و سلام فیصح لفظوں سے ادا کرے تو وہ شخص اس
 حکم کا فرماں بردار سمجھا جائے گا۔ بعض درود کی افضلیت کا دار و مدار یہی حدیث
 ہے اسی وجہ سے اکابر سلف و خلف نے درود کو ان فیصح الفاظ میں جو منقول ہیں لکھا

ہے ان میں سے کچھ یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔ بعض ان میں سے اللہ صلی
 علی سیدنا محمد السابق للخلق نورا الرحمة للعالمین ظہور کا عد
 ما مضی من خلقک وما بقی و من سعد منهم و من شقی صلوتہ
 تستغرق العد تحیط بالحد صلوتہ لا غایۃ لہا ولا انتہاء ولا
 اصل لہا ولا القضاء صلوتہ دائمة بدامک و علی الہ واصحابہ
 کذا لک والحمد للہ علی ذلک۔ سخاوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس درود
 کا ثواب دس ہزار لکھا ہے۔ اور اس کا قصہ عجیب و غریب ہے۔ بعض ان میں سے
 اللہ صلی علی سیدنا محمد افضل ما صلیت علی احد من خلقت
 صلوتہ دائمة بدوامک باقیۃ ببقائک صلوتہ تکون
 لک سر ضاء و لحقہ اداء صلوتہ مقبولة لیدیک معروضۃ
 علیہ و علی الہ و صحبہ و بارک وسلم۔ اس درود شریف کے
 الفاظ مشہور ہیں۔ اور مسبوعات عشر میں جو اوراد کی متبرک اور مشہور کتاب
 ہے لکھا ہے اور تابعین کے زمانہ سے مشائخ کے معمولات میں داخل ہے۔
 شیخ اجل اکرم علی متقی نے اپنے بعض رسالوں میں درود شریف کو انہیں لفظوں
 سے حکم فرمایا ہے۔ اور جو الفاظ کہ اس فقیر کو حضرت شیخ عبد الوہاب متقی رحمۃ
 اللہ علیہ نے مدینہ منورہ سے رخصتی کے وقت اجازت فرمائے ہیں وہ یہی
 ہیں۔ اور بوجہ خصوصیت اجازت دیگر مشائخ کے ذات بابرکات کی وجہ سے
 جو کچھ اس بندہ کو ان لفظوں میں نور و حضور اور خشوع و خضوع حاصل ہوا دوسرے
 لفظوں میں مع قطع نظر مبالغہ کے کیفیت اور کمیت میں بہت ہی کم حاصل ہوا۔
 اور پھر ان لفظوں سے دل برداشتہ نہیں ہوا۔ یہ بات مشائخ کی اجازت
 کے خواص و اسرار سے ہے واللہ اعلم۔

بعض ان میں سے اللہ صلی علی سیدنا محمد بعد من حمدک و لک الحمد
 بعد من لم یحمدک و لک الحمد کما ان تحمد اللہ
 صلی علی محمد بعد من صلی علیہ و صل علی محمد بعد من
 لم یصل علیہ و صل علی محمد کما تحب ان یصلی علیہ۔

اس درود شریف کے الفاظ طبرانی کے ہیں جو اکابر علمائے حدیث میں سے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس درود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خواب میں پڑھا۔ حضور نے اس کے سننے کے وقت تبسم فرمایا اور آپ پر وجہ کے آثار ظاہر ہوئے نیز دندان مبارک میں سے نور ظاہر ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اُن میں سے اللهم صل علی محمد ملاء الدنیا و ملاء الاخرۃ وبارک علی محمد ملاء الدنیا و ملاء الاخرۃ وسلم علی محمد ملاء الدنیا و ملاء الاخرۃ و منہا اللهم صل علی محمد و آلہ و اصحابہ و اولادہ و ازواجہ و ذریئہ و اہل بیتہ و اصہارہ و انصارہ و اشیاعہ و مجلیہ و امتہ و علینا معهم اجمعین یا ارحم الراحمین۔ اس کو سخاوی نے شفا سے ذکر کیا ہے جوحن بصری سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے تھے جو شخص چاہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے بھرا ہوا پیالہ پیے تو چاہیے کہ اس درود کو پڑھے۔ اور بعض روایتوں میں سے اللهم صل علی محمد فی الاولین و صل علی محمد فی الاخرین و صل علی محمد فی النبیین و صل علی محمد فی المرسلین و صل علی محمد فی الملاء الا علی یوم الدین اللهم اعط محمد الوسیلۃ و الفضیلۃ و الشرف و الدرجۃ الرفیعۃ و البعثۃ مقاما محمودا اللهم امنت ب محمد و لم ادرہ فلا تحرمنی فی الحيوان و بیتہ و اسررتی ہجتہ و توفنی علی ملتہ و اسقنی من حوضہ شرابا مریئا سألغاهنیلا اطما بعدہ ابدانک علی کل شیء قتلیر اللهم بلغ روح محمد و آلہ متاخیۃ و سلام اللهم کما امنت بہ و لم امرک فلا تحرمنی فی سر و بیتہ۔

تلمسانی نے نیشاپوری سے نقل کیا ہے کہ عطار حمت اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس درود شریف کو صبح و شام تین بار پڑھے گا اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے اور لکھے ہوئے گناہ مٹا دئے جائیں گے۔ وہ ہمیشہ خوش رہے گا۔ اُس کی دعائیں قبول کی جائیں گی۔ اس کی اُمیدیں برآئیں گی۔ دشمن

پر فتح پائے گا۔ کار خیر کی توفیق ہوگی۔ بہشت بریں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوگا۔ بعض اُن میں سے اللہم صل علی محمد و بارک و سلم و عظم و کرم فی الدنیا باعلاء دینہ و اظہار دعوتہ و اعظام ذکرہ و البقاء شریعتہ و فی الآخرۃ بقبول شفاعتہ فی امتہ و تصعیف ثوابہ و اظہار فضلہ علی الاولین و آخرین و تقدیمہ علی کافۃ الانبیاء والمرسلین فی شفاعتہ و اعلیٰ درجۃ فی الجنۃ و علی الہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین منها صلی اللہ علی محمد و الہ وسلم صلوتہ ہوا اہلہا۔ اس درود شریف کے پڑھنے کا حکم صبح کے وقت آیا ہے۔ بعض اُن میں سے اللہم صل علی محمد و علی ال محمد صلواتہ انت لہا اہل و ہولہا اہل و بارک و سلم۔ یہ درود شریف جن قبول میں مخصوص ہے اور درجہ قبولیت کو پہنچ چکی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص زائرین میں سے جو مقبول دربار تھا یہی درود ہمیشہ پڑھتا تھا جب مدینہ منورہ سے سفر کرتے لگا تو حضورؐ نے فرمایا کہ چند دن اور ٹھہر جا ہم کو یہ تیرا درود پسند آگیا ہے۔ بعض اُن میں سے اللہم صل علی محمد و علی الجود و الکرم و منبع الحکم و الحکم و علی الہ و اصحابہ وسلم۔ یہ درود سلسلہ قادریہ میں بہت مشہور ہے۔ بعض ان میں سے اللہم صل و سلم علی حبیبک و قریبک و لبیک منظر ربو ببتک و مثال حضرتک و تمثال قدرتک روح القدس معطی الحیوۃ و الفضیلۃ بامرک بکتیار العوالم مفیض نواطق النفوس صاحب الظفر و النعال شمس نورک۔ یہ کلمات کہتے ہیں کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں اسی طرح سے اس سلسلہ کے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے اور حضرت سیدی و سندی و شیخی قبلہ گا ہی سمی کلیم الہی قدس سرہ نے اپنے وظیفہ کے رسالہ میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض ان میں سے اللہم صل و سلم علی روح محمد فی الارواح و صل و سلم علی جسدہ فی الاجساد و صل و سلم علی قبرہ فی القبور طسنا و کی نے در منتظم سے نقل کیا ہے کہ اس طرح آیا ہے جو شخص اس درود شریف کو کثرت

سے پڑھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف دیدار سے مشرف ہو اور
آنحضرتؐ کی شفاعت سے ممتاز ہو اور آپ کے حوض سے پانی پیئے۔ اور اس پر آگ
حرام ہو۔ یہ درود شریف اہل حریم شریفین میں بہت مستعمل ہے۔ لیکن اس درود
میں اس لفظ کا اضافہ کرتے ہیں۔ وعلی اسم محمد فی السماء۔ اور کاتب حروف
بعض اوقات میں بوجہ غلبہ شوق ہر عضو شریف کو قدم سے ستر تک جدا جدا ذکر
کرتا ہے۔ اور درود بھیجتا ہے جیسے کہ اللہم صل علی سراسر محمد فی الروس و
صل علی شعر محمد فی الشعور۔ اسی طرح سے قدم شریف تک۔ اور کبھی کہتا ہے وعلی
بلد محمد فی البلاد وعلی داسر محمد فی الدور وعلی مسجد محمد فی
المساجد وغیرہ وغیرہ بعض ان میں سے اللہم لبیک اللہم سعدیک
صل وسلم علیہ ان اللہ و ملائکته یصلون علی النبی یا ایہا الذین
امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ بعض ان میں سے صلوات اللہ البر
الرحیم والملائکة المقرین والنبین والصدیقین والشہداء والصالحین
وما سبغ لك من شیء فی الارض والسماء یا رب العالمین علی محمد بن
عبد اللہ بن عبد المطلب خاتم النبیین وسید المرسلین وامام
المتقین الشاہد البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر وسلامہ
علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ یہ درود شریف علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مروی ہے۔ اس کو شفا میں ذکر کیا ہے۔ اور اس نماز میں جو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے امیر المومنین کے ساتھ پڑھی ہے
وہ یہی درود تھی۔ بعض ان میں سے اللہم اجعل صلواتک وبرکاتک و
رحمتک علی سید المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد
عبدک ورسولک امام الخیر ورسول الرحمة اللہم البعثہ مقام
محمود الغبطہ فیہ الاولون والآخرون اللہم صل علی محمد وعلی
آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔
یہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بعض ان میں سے اللہم تقبل
شفاعة محمد الکبری واسرف درجۃ العلیا واتہ سؤلہ فی الآخرۃ والاولی کما

اتیت ابراہیم و موسیٰ۔ اسلوطاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ بعض ان میں سے اللہم اعط محمد الفضل ما سالک لنفسه واعط محمد الفضل ما سالک لاحد من خلقک واعط محمد الفضل ما انت مسئول الی یوم القیمة۔ وہب ابن الورد سے مروی ہے۔ بعض ان میں سے اللہم صل علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد النبی الامی الذی ارسلہ رحمة للعالمین واصطفیہ علی الخلائق اجمعین عدد ما فی علمک وملاء ما فی علمک وزنة ما فی علمک وعدد خلقک وعدد کل ذرۃ اصفافا مضاعفة فی ذلک الف مرة فی الف مرة فی کل نفس ولحۃ ولحطة وطرفة یطرف بها اهل السموات والارض وعلی الہ وصحبہ وسلم۔

(ما ترجمہ) حضرت محدث رحمتہ اللہ علیہ نے چند درود شریف انہیں میں سے اور بھی لکھے ہیں لیکن قریب قریب وہ سب دلائل الخیرات جو مطبوعہ کتاب ہے اس میں آچکی ہیں۔ اس لئے ان کا لکھنا کچھ زیادہ ضروری نہیں ہے طالب کو چاہیے کہ اپنی صفائی قلب کے لئے دلائل الخیرات کو مطالعہ میں رکھے۔ والحمد للہ سبحان رب العزت عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

تت



مترجمہ:-

مکتوبات شیخ عبدالحق دہلوی

جناب مولانا محمد فاضل صاحب دارالعلوم کراچی

اللہ تعالیٰ کا یہ اہل قانون ہے کہ جس دور میں ضلالت اور گمراہی کی گھٹائیں جتنی گہری اور ہوائے باطل جتنی تیز ہوتی ہے خداوند تعالیٰ ان کے مقابلہ اور انسانی رشتہ دہایت کیلئے اتنی ہی عظیم شخصیات کے وجود مقدس سے سرفراز فرماتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ذات گرامی سے اس دور کے ہندوستان کی حالت کا موازنہ کیجئے تو مندرجہ بالا حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ مغل شہنشاہ اکبر کے دین الہی کی فتنہ سامانیوں میں قرآن و حدیث کی شمع روشن رکھنا شیخ محدث ہی کا کام تھا آپ کے ان مکتوبات میں اس زمانے کے اہم ترین اور نازک مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ یہ خطوط حضرت خواجہ بانو باللہ حضرت شیخ عبد اللہ نیا زئی۔ نواب خان خاناں حضرت شیخ ابوالخیر مبارک۔ نواب مرتضیٰ خاں شیخ ابوالفیض شیخ اسماعیل۔ اور اپنے صاحبزادے حضرت شیخ نورالحق جیسے برگزیدہ اور یگانہ روزگار ہستیوں کے نام لکھے گئے تھے۔ ترجمہ سلیس اور رواں کلمات سنھری اور روشن فولو آفسٹ کی اعلیٰ ترین طباعت۔ کاغذ سفید دبیر۔ سائز ۲۰×۲۶۔ صفحات ۲۸۸ قیمت دس روپے۔

مدینہ پبلشنگ کمپنی ————— بندر روڈ۔ کراچی۔

ہندو پاکستان کے مشاہیر و فیائے کرام کا مستند ترین تذکرہ!

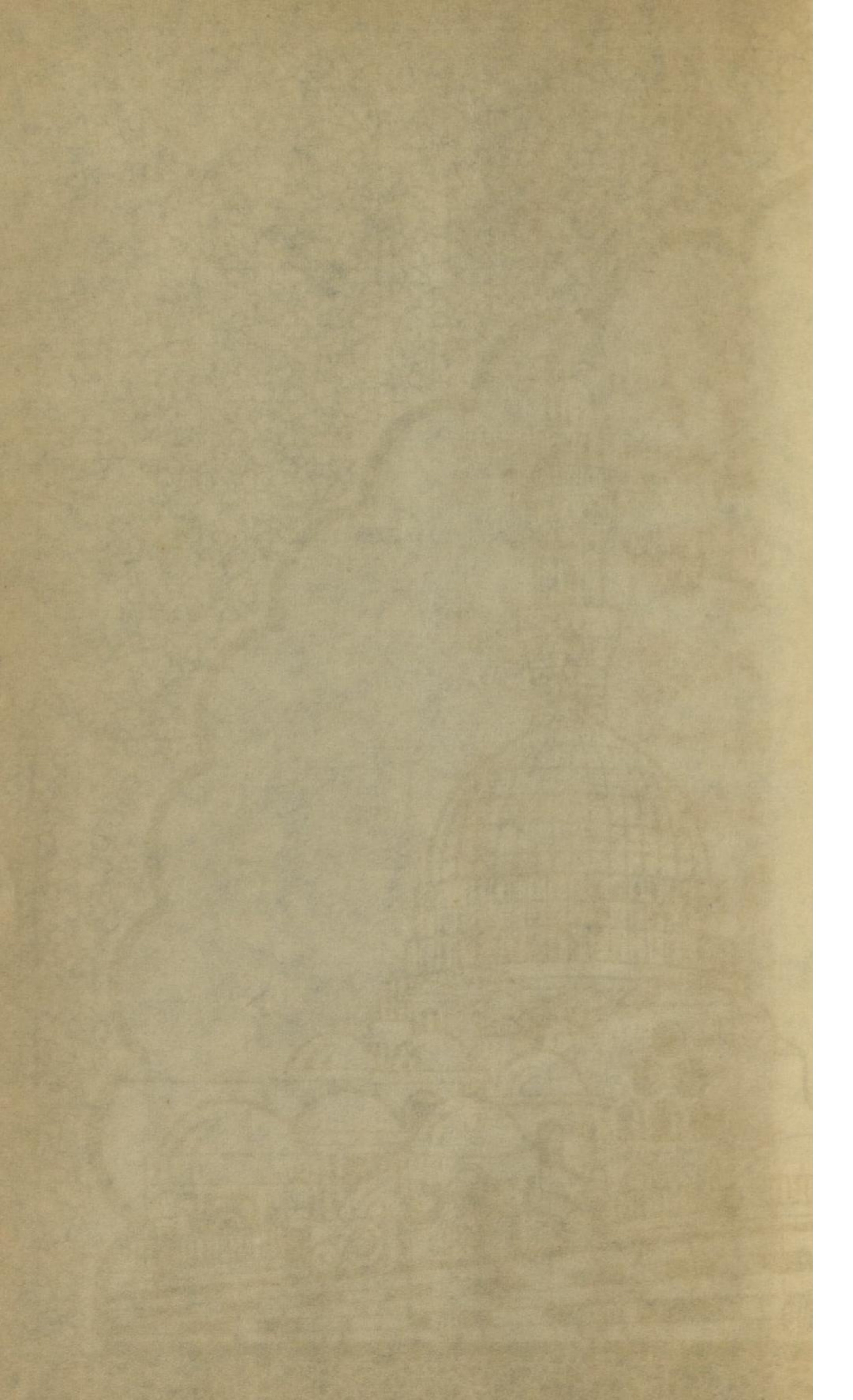
اخبار الاخيار

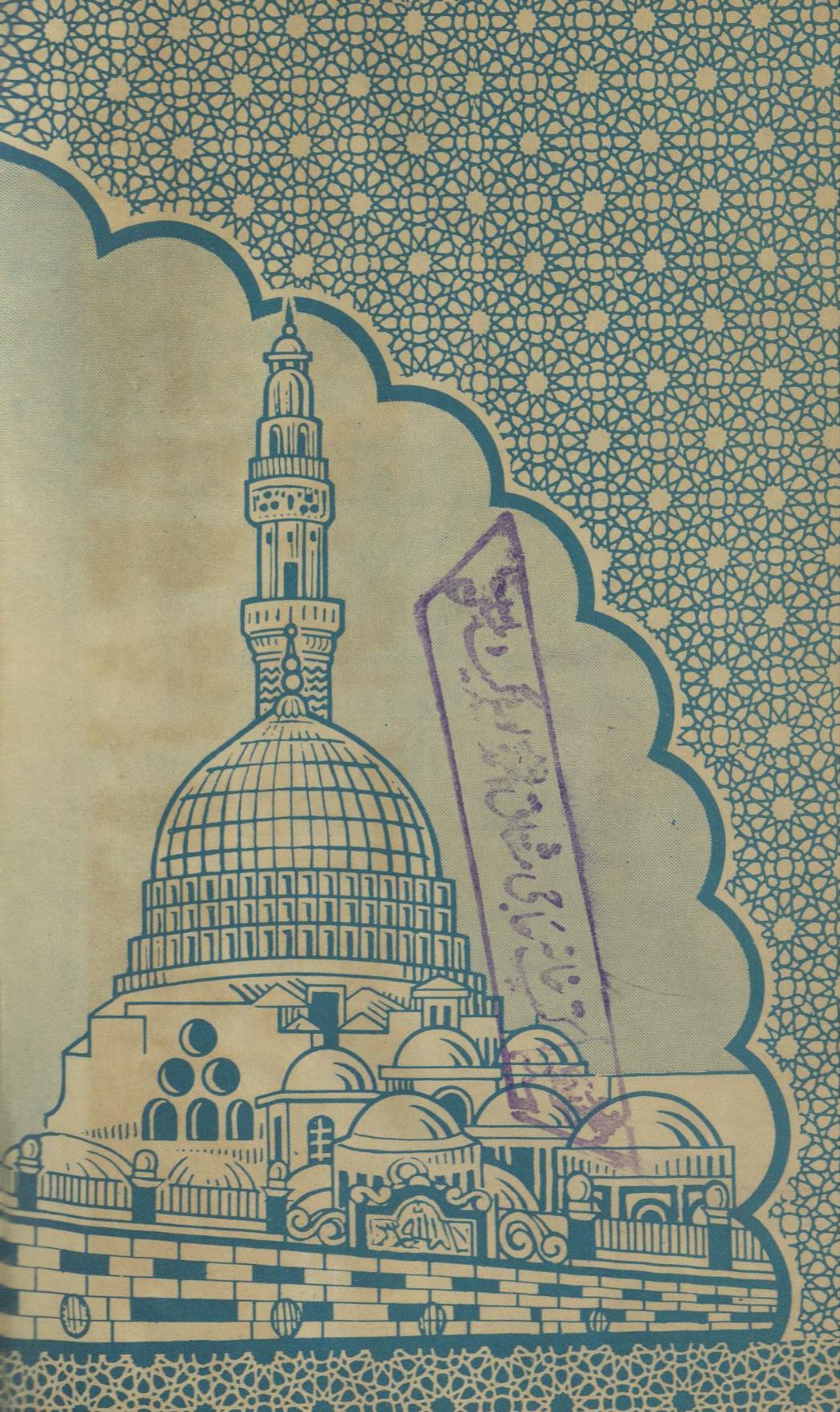
از شیخ عبدالحق محدث دہلوی

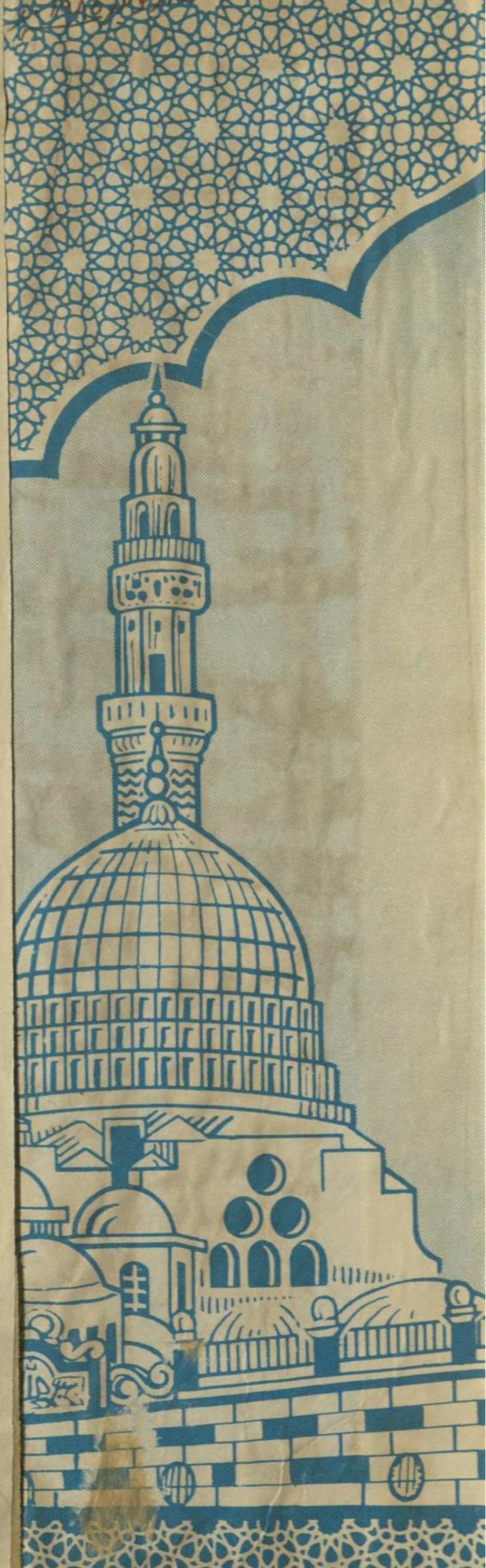
حضرت شیخ کی مشہور تصنیف "اخبار الاخيار" ہندو پاکستان کے تقریباً تین سو اولیائے کرام و صوفیائے عظام کا مشہور و مستند تذکرہ ہے جس میں علماء و مشائخ کی مقدس زندگیوں کی دلائل و براہین پورے نقد و تحقیق سے لکھی گئی ہیں یہ کتاب ایک قابل قدر تاریخی و علمی شاہکار ہونے کے علاوہ حکمت و نصائح اور پاکیزہ اخلاقی تعلیمات کا بیش بہا ذخیرہ ہے ہم نے اس پوری کتاب کا فارسی سے اردو میں نہایت سلیس اور مستند ترجمہ کرایا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کا اہتمام کیا ہے کہ جن حضرات کا اس میں تذکرہ ہے ان کے سن وفات و پیدائش مستند تاریخی کتب سے لکھے گئے ہیں۔ اصل کتاب میں سن وفات و پیدائش درج نہیں تھے اس لئے اب یہ کتاب انشاء اللہ تعالیٰ علمی تحقیق کرنے والے حضرات کیلئے نہایت مستند تاریخی و ستادینہ کی حیثیت رکھے گی۔ اس کا پیش لفظ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مظلہ العالی نے تحریر فرمایا ہے صفحات چھ سو۔

بڑا کتابی سائز ۲۰×۲۶ کاغذ سفید۔ جلد مضبوط اور آفسٹ کی بہترین چھپائی۔ جبین سرورق کے ساتھ قیمت صرف پندرہ روپے۔

مدینہ پبلشنگ کمپنی ————— بندر روڈ۔ کراچی۔







اخبار الاخيار (اُردو کافل)

ہندوستان کے مشاہیر صوفیائے کرام کے مستند حالات

از علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

کتاب میں ہندوستان کے تقریباً تین سو اولیائے کرام و صوفیائے عظام کا تذکرہ مستند حوالوں سے تحریر کیا گیا ہے۔ علماء و شائخ کی مقدس زندگیوں کی تمام سچائیوں پر نقد و تحقیق سے لکھی گئی ہیں۔ یہ کتاب ایک قابل قدر تاریخی و علمی شاہکار ہونے کے علاوہ حکمت و نصح اور پاکیزہ اخلاقی تعلیمات کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔ اردو میں ترجمہ کرتے وقت مستند تاریخوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس اضافہ سے یہ کتاب علمی تحقیق کرنیوالے حضرات کیلئے تاریخی و ستاویز بنی ہے! ★ صفحات ۶۰۰ — بڑا کتابی سائز — کاغذ سفید — جلد مضبوط اور سٹے کے عمدہ طبعات، حسین سرورق

قیمت: —

تاریخ اسلام

خوبصورت انداز میں
دوبارہ شائع کی گئی ہے

مؤلف: مولانا عاشق الہی میرٹھی (مروم)
مکمل کس طرح فروغ حاصل ہوا۔ اس کے ابدی اصولوں نے دنیا پر کیا اثر مرتب کیا، اس کے شہداء کیوں نے اس کی کس طرح خدمت کی؟
نئے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کا واضح اور دل نشین انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔
ماہر دانشدین سے لیکر اسلام کے تمام جلیل القدر اصحاب کے ادوار کی داستان مستند تاریخوں کے حوالوں سے ترتیب دی گئی ہے۔ یہ کتاب
لام کی مکمل تاریخ ہے۔ جس سے ہم سب کا واقف ہونا ضروری ہے۔ ایک عظیم کتاب ہے جو عرصے سے نایاب ہے۔

۲۰۳۶ صفحات ۳۹۲ حسیں سند رنگا گری پوشے

ہدایہ مجلد

ترجمہ ابریز تبریز

(جلد اول و دوم)

ملفوظات: حضرت عبدالعزیز باغ * ترجمہ: مولانا عاشق الہی میرٹھی
بارہویں صدی ہجری کے ولی کامل کے ارشادات کا مجموعہ جو دراصل
معارف طریقت اور علوم معرفت کا بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ یہ کتاب نایاب
تھی جسے تصوف سے بچھی رکھنے والے خصوصاً اور سب ان عموانیت غیر مرتبہ
سمجھتے ہیں۔ اسکے پڑھنے سے دل دماغ کو سکون و راحت مل جاتا ہے۔
عمر کتابت: آفٹے طبعات۔ قیمت: جلد اول ۱۰/۰۰ روپے جلد دوم ۱۰/۰۰ روپے
مکمل دوسیدے

ایم ای جناح روڈ کراچی